تیس روزہ

چاند

لاہور

صفحہ بہ صفحہ مسکراہٹیں، قہقہے، کارٹون اور دیگر کئی دلچسپیاں

ستمبر 2011ء

شوخیاں نمبر

"وہ جو شادی کا جھانسہ دے کر آپ نے گھر بلا کر مجھ سے زیادتی کی تھی، اس کی ویڈیو میں میڈیا کو دینے جا رہی ہوں، سر! --- اب بتایئے، آپ شادی کریں گے یا میں جاؤں ---؟"

نوید ظفر کیانی

قیمت: 50 روپے

شاہی شوگر کورس

ذیابیطس شکری آنے میں مفید • لبلبے کے افعال کو بہتر کر کے انسولین کی پیدائش میں اضافہ کرتی ہے • دورانِ خون کو ٹھیک کرتی ہے • جلدی امراض، خرابی خون میں مفید ہے • شوگر کی وجہ سے پٹھوں کی کمزوری کو ختم کر کے طاقت پیدا کرتی ہے • دوا بذریعہ ڈاک گھر بیٹھے منگوائیں۔

عارضی نہیں بلکہ مستقل

شوگر کے مریض انسولین لگانے سے چھٹکارا حاصل کریں

وہ گھر نامکمل ہے جہاں بچوں کی شرارتیں نظر نہ آئیں۔

بے اولادی

انشاء اللہ آپ اولاد کی نعمت سے فیض یاب ہوں گے اپنی رپورٹس ہمراہ لائیں۔

جوڑوں کا درد

گنٹھیا • کمر درد • جوڑوں کے دردوں کا مستقل علاج • آزمائش شرط ہے۔

چھوٹے قد والے

اپنا دل چھوٹا نہ کریں اپنے قد میں چار انچ تک اضافہ کے خواہشمند ضرور رابطہ کریں اور دیسی جڑی بوٹیوں کا کمال دیکھیں

امراضِ معدہ

گیس، معدے کی جلن السر سمیت معدے کے تمام امراض کا شافی علاج کیا جاتا ہے

ہیپاٹائٹس بی۔سی

ہیپاٹائٹس کا مکمل علاج کرائیں اور اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کرائیں اور اپنی زندگی کو بچائیں۔

شاہی موٹاپا ختم کورس

جسمانی فالتو چربی • بڑھا ہوا پیٹ اور موٹاپا فوری ختم ہمیشہ کے لئے۔

(ہارٹ اٹیک سے بچیں)

دبلے پن کا مستقل علاج

کمزور جسم کو بیماری

پچکے گال جسمانی کمزوری • جگر معدہ کی اصلاح بھوک کی کمی کا مکمل اور مستقل علاج جسم کو خوبصورت و سڈول بنائیں

کمزور جسم پچکے گال

اپنے جسم کو سرخ و سفید صحت مند اور سڈول بنائیں اور اپنی شخصیت کو چار چاند لگائیں

اگر آپ صحت مند ہیں تو • پرکیف لمحات کو اپنی مٹھی میں بند کر سکتے ہیں • خوبصورت اور صحت مند اولاد کی تمنا کر سکتے ہیں • اپنے گھر کی نگہداشت اور بچوں کی پرورش ٹھیک کر سکتے ہیں • ازدواجی زندگی کو باوقار اور پُربہار بنا سکتے ہیں • معاشی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں • دوسروں کو بھی بیماریوں سے بچا سکتے ہیں۔

مطب قیومی دواخانہ (بادشاہ دی ہٹی)

بالمقابل شفیع مارکیٹ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

5533528 — 5505519 — 5502903 — 0333-5203553

نوید ظفر کیانی

بانی: وحشی مارہروی

مہینہ بھر کے قہقہوں اور مسکراہٹوں کا ارشاد

تیس روزہ چاند

ستمبر 2011ء لاہور

رجسٹرڈ نمبر CPL-192 جلد نمبر: 64 شمارہ نمبر: 4

شوخیاں

مغز مار خصوصی

ناکھدائے اعظم، صدر الہام کمرا کلب،
انجمن ریش درازان پاکستان، شیخ عقل و
عریانی، تاریک العورات، رقیب زدہ مریدگان و
مجروح فیشن زدہ دوشیزگان
ابوالمزاح مستی خواہ مخواہ

پیر جنگلی علیہ ماعلیہ (افریقہ پلٹ)

مدیر اعلیٰ: خالد بن حامد

مدیران: صباحت، زیاد خالد

برائے رابطہ: 0333/0312-4284875

مشیر قانون: غلام اللہ خان جوئیہ
بی اے ایل ایل بی ڈی ایل ایل گولڈ میڈلسٹ، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

ناظم طباعت ○ رانا نذیر احمد ● کمپوزنگ ○

کاغذی گھوڑے دوڑانے کا پتہ

"چاند" 31.F شمع پلازہ، فیروز پور روڈ، لاہور

یہ وہاں ہے

کارٹون	ادارہ	5
انس بیتیاں	مستقل عنوان	13
حسین بوڑھے	نعیم نیازی	16
رب کا شکر ادا کر بھائی---!	عطاء الحق قاسمی	18
شگوفے	گل نوخیز اختر	19
موبائل فون اور ہم	شاہد اطہر	31
نیکی کر، مری کو جا	سید ابرار بخاری	45
مائی ٹارزن	ڈیڈ ایم	65
مسٹر گوگلو	نامعلوم	75
واپسی	حاجی پرویز اختر	79

☆ ☆

﴿ چاند نگر ﴾

ہیلو، ہیلو	ظفر ندیم وہرہ	87
فسانہ	نزہت عقیل	89
کراچی کی سیر	الشمیب دار ریٹر	91
21ویں صدی کی پیش گوئیاں	مس بجلی	92
قصہ ایک شادی کا	ممتاز حبیب	93
بس میں نہیں	فاروق احمد انصاری	95
شاعری کی گہرائی میں	کے۔ایم خالد	98
ضرورت ہے	سید ظفر علی	98
جو یوں ہوتا	نوید وناز	100
ہم کے فاضل	شہباز علی	103
چار حرفوں کا رونا	این اے	104
بنچے بیمار دل	ڈاکٹر مشتاق احمد سحر	105
ہنسی	رافع حیدر	106
آہ	محمد مجاہد اقبال	108
انٹرویو	شکیل جاوید	108
سائنٹیفک امورز	محمد اسلم بلوچ	109
ملازمت حاصل کرنے کا صحیح طریقہ	ڈاکٹر سحر	110

☆ ☆

ٹکریں	بہر تکریات	111
سندیسے	رقعہ باز	113

☆ ☆

تنویر پھول، مسٹر ڈیکلاں، نیاز سواتی، عاصمہ گل عصمی، ایس امتیاز احمد، نوید ظفر کیانی، اکبر بخاری کے خوش رنگ کلام کے علاوہ قہقہہ بارکٹ پیس، کارٹون اور دیگر مسکراہٹیں صفحہ بہ صفحہ!

قیمت 50 روپے

نوید ظفر کیانی

"چاند" کی حاتم کی گور پر "لات مار" پیشکش

600000000

ساٹھ کروڑ کے نقد انعامات

کوئی دھوکہ نہیں --- حل نہ ہمارے پاس ہے' نہ بینک میں اور نہ کسی کمیٹی کے دماغ میں

پہلا انعام: **تیس کروڑ** اُس شخص کو دیا جائے گا جو پورے رسالہ "چاند" کو ایک سانس میں پڑھ دے

دوسرا انعام: **بیس کروڑ** اُس شخص کو دیا جائے گا جو کوئی ایسی بولی بولے گا جسے انسان نہ بول سکے

تیسرا انعام: **دس کروڑ** اُس شخص کو دیا جائے گا جو مر جائے اور بولتا رہے

آج کل کروڑوں کی بات کر کے ہی کسی کو متوجہ کیا جا سکتا ہے --- اب آپ بھی کروڑوں کے چکر میں متوجہ ہو ہی گئے ہیں تو جان لیجئے کہ یہ حاتم کی گور پر لات تو ہم نے اِس لئے ماری ہے کہ آپ کو چاند کا سالانہ خریدار بننے کی تاکید کی جا سکے۔ "چاند" پاکستان کا واحد تیس روزہ ہے جو گزشتہ 64 برس سے لوگوں کو ہنسنے اور مسکرانے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔ اگر آپ بھی ہنسنا مسکرانا چاہتے ہیں تو پھر چاند کی خریداری حاصل کر لیجئے' سالانہ خریداری حاصل کرنے کی صورت میں پرچا آپ کو بذریعہ رجسٹری گھر بیٹھے ملتا رہے گا۔ ہم یہاں پاکستان اور دیگر ممالک کے لئے زرِ سالانہ درج کر رہے ہیں' اِس میں رجسٹری اور ہوائی ڈاک خرچ بھی شامل ہے۔

نوید ظفر کیانی

پاکستان	500 روپے
مسقط' عمان' ابوظہبی' افغانستان' بنگلہ دیش' یمن' بحرین' دوبئی' بھارت' ایران' عراق' کویت' لبنان' نیپال' قطر' دوحہ' سعودی عرب' سری لنکا' ترکی' اُردن' الجیریا' آسٹریا' بلجیم' چین' ڈنمارک' مصر' فن لینڈ' فرانس' جرمنی' انگلینڈ' یونان' ہانگ کانگ' ہنگری' انڈونیشیا' آئرلینڈ' اٹلی' جاپان' کینیا' کوریا' ملائیشیا' ناروے' فلپائن' رومانیہ' روس' سنگاپور' سپین' سوڈان' سویڈن' تائیوان' سوئٹزرلینڈ' تھائی لینڈ اور یوگنڈا	3000 روپے
آسٹریلیا' کینیڈا' فجی' نیوزی لینڈ' امریکہ' ارجنٹائن اور برازیل	3500 روپے

- ڈرافٹ **KHALID BIN HAMID** کے نام کسی ایسے بینک سے بنوائیں جس کی شاخ لاہور' پاکستان میں ہو۔
- آپ چاہیں تو پاکستان میں موجود اپنے کسی عزیز یا دوست کے ذریعے بھی زرِ سالانہ جمع کرا سکتے ہیں۔
- پتہ کی تبدیلی کی اطلاع ہر ماہ کی 15 تاریخ سے قبل ملنی چاہئے' اپنے خط پر خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

ڈرافٹ یا منی آرڈر اِس پتہ پر ارسال فرمائیے

ماہنامہ تیس روزہ "چاند" شمع پلازہ' فیروز پور روڈ' لاہور (پاکستان)

پبلشر: خالد بن حامد   پرنٹر: ملک عبید محمد پرنٹرز موہنی روڈ لاہور   مقام اشاعت: شمع پلازہ فیروز پور روڈ لاہور

''ابھی آپ ایک سابق وزیر کی دھواں دھار تقریر براہ راست سن رہے تھے۔ اب ہماری سنجیدہ نشریات کا آغاز ہوتا ہے---''

''شکریہ---دراصل کوئی زخم دینے کے بعد میری بیوی پٹی کرتی ہے تو اس کو چوتھی ضرور ہے یہ عادت اسی نے ڈالی ہے---اب بتائیے، کتنی فیس ہوئی آپ کی''

نوید ظفر کیانی

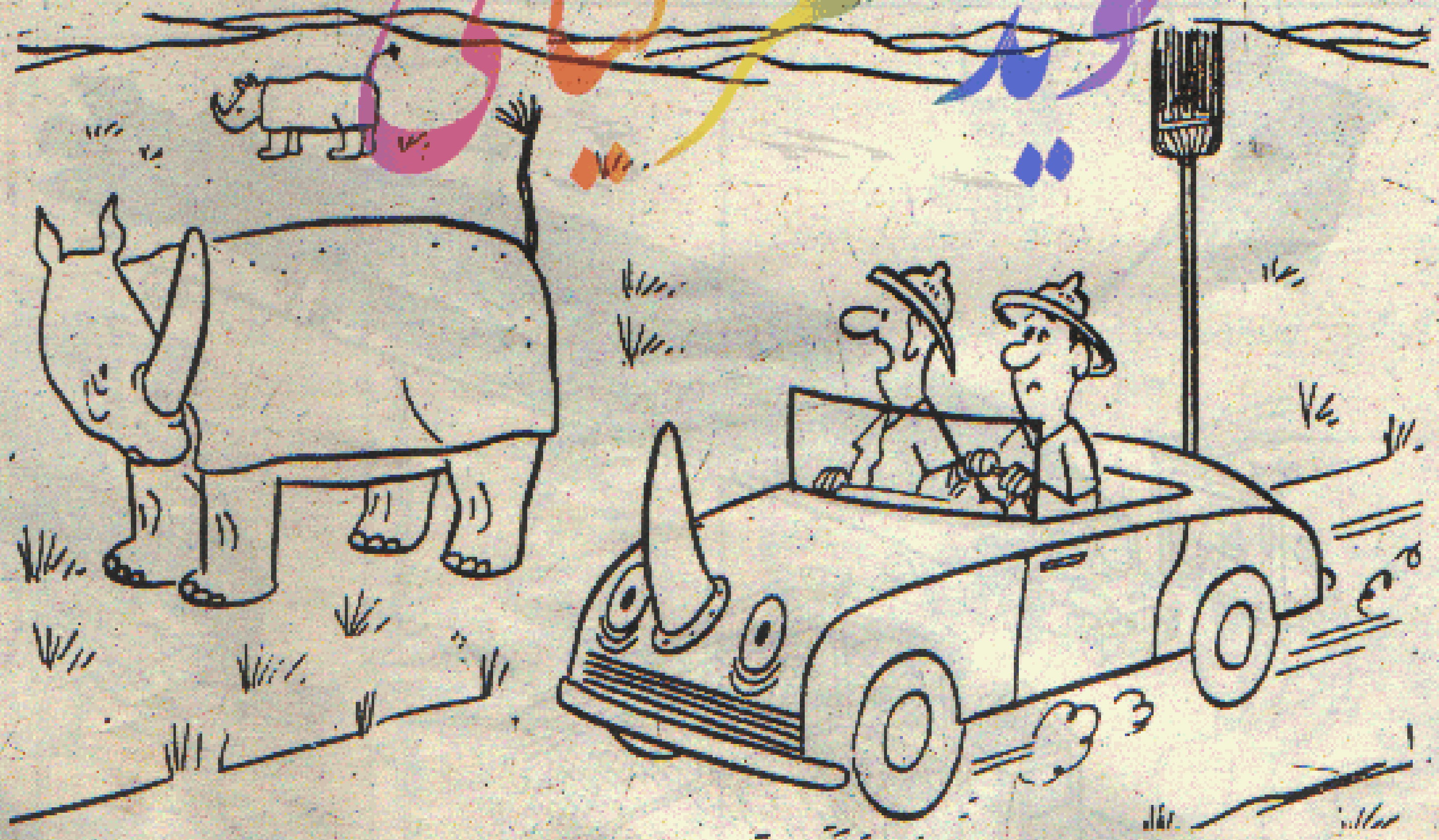

''بھاگ چھو استاد! میں کم از کم اپنے ساتھ کوئی بھی بیہودہ حرکت برداشت نہیں کرسکتا--- مجھے یقین ہے کہ ہماری گاڑی کے ڈیزائن نے اس بیچارے گینڈے کو غلط فہمی میں مبتلا کردیا ہے---''

جو مرد شادی سے پہلے تارے توڑ کر لانے کی بات کرتے ہیں، وہ شادی کے بعد سبزی بھی لاکر نہیں دیتے ☺ دعا علی

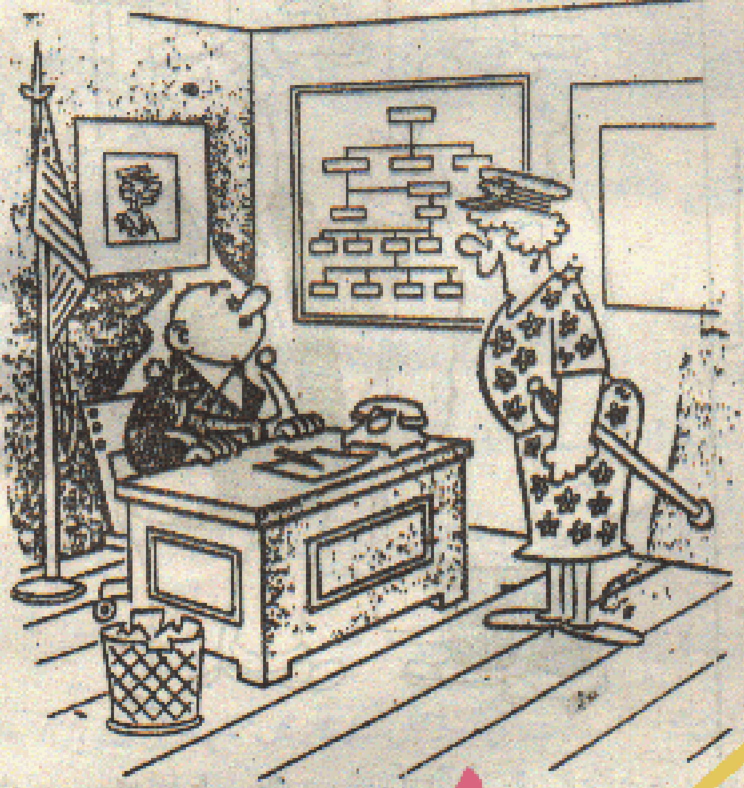

"زمانہ ہونے کے باوجود بہت رعب سہہ لیا تمہارا --- میں نے بھی اب اسی محکمے میں ملازمت حاصل کرلی ہے --- اب ذرا شام کو سوچ سمجھ کر گھر میں داخل ہونا ---"

"بس یہی ہماری بیماری ہے، ڈاکٹر صاحب ہماری بیوی نے بھی گھٹنے پر چوٹ ماری تھی تو میری ٹانگ اس کے منہ پر جا پڑی تھی --- اب دو ماہ بعد چلنے کے قابل ہوا ہوں تو آپ کے پاس علاج کے لئے حاضر ہوا ہوں ---"

نوید ظفر کیانی

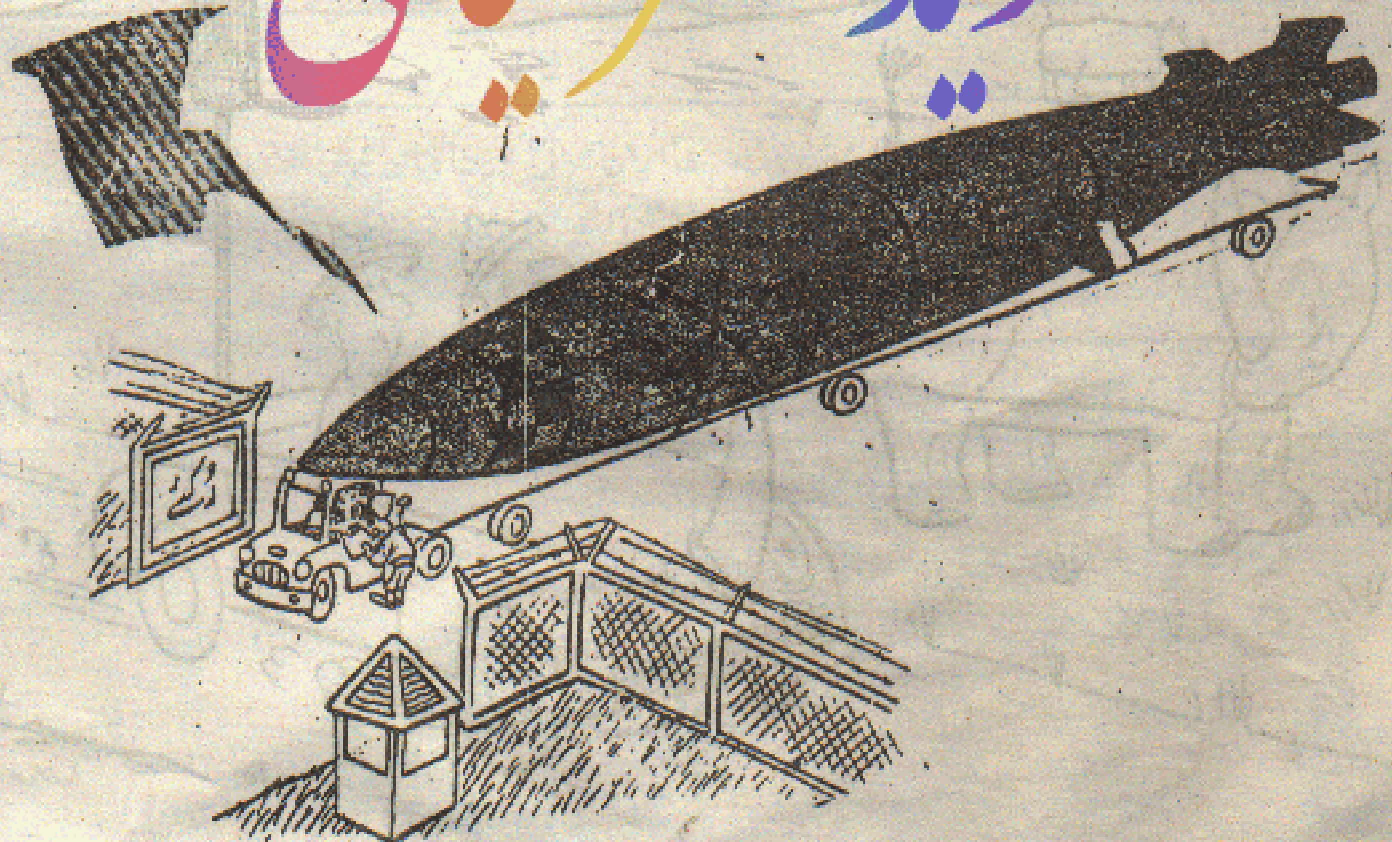

"مجھے معلوم ہے، بھائی! یہ میزائل ہے لیکن میں کون سا اسے داغنے جا رہا ہوں --- اپنے سسرال والوں کو ذرا دہشت زدہ کرنا چاہتا ہوں بس ---"

''نہیں نہیں --- کہہ دیا نا! جب تک میڈیا والے نہیں آئیں گے، میں کام شروع نہیں کروں گا ---''

عالم ارواح میں

''ہمارے وزیر داخلہ نے کہا ہے کہ ٹارگٹ کلنگ کا شکار وہی ہوتے ہیں جنہیں بیویاں اور گرل فرینڈز ٹارگٹ کرواتی ہیں۔ اب تم سمجھو، ہمارے میاں بھی آں ے والے ہیں ---''

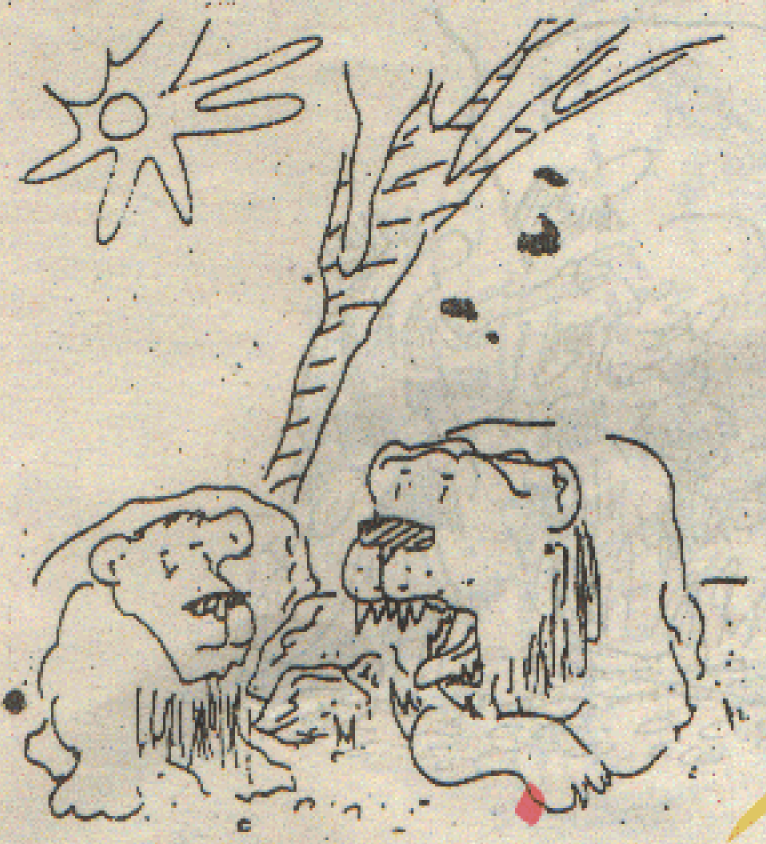

''ایک نصیحت پلے باندھ لو، بیٹا! ہم شیر اسی وقت تک ہیں جب تک شادی نہیں ہو جاتی۔ شادی کے بعد تو بھیگی بلی بن کر زندگی گزارنا پڑتی ہے ---''

نوید ظفر کیانی

مرد صبح سے شام تک بیوی کو شاپنگ کروا سکتا ہے، بشرطیکہ بیوی کسی اور کی ہو 😊 نادیہ نایاب

نوید ظفر کیانی

"---اور ہاں یاد رکھو۔ دشمن کو مارنے کے لئے ذاتی اسلحہ نہیں بلکہ محکمہ کا دیا ہوا اسلحہ استعمال کرنا ہے--- سمجھ گئیں؟"

"بہت ساری باتوں کا بوجھ بھرا تھا مجھ میں، ڈاکٹر صاحب! اب وہ سب باتیں آپ کو بتا کر میں بالکل ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں---سچ!"

اپنی اپنی دھن میں---

نوید ظفر کیانی

"سچ کہہ رہا ہوں میڈم! جب سے لیڈیز فورس بنی ہے، لوگوں کی اکثریت نے ہم سے ڈرنا ہی چھوڑ دیا ہے اور تھانے میں بھی گھر جیسا ماحول محسوس ہوتا ہے---"

"آ گئیں آپ مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے کی خاطر نکلنے والے جلوس میں شرکت فرما کر---منا رو رہا ہے، اب ذرا اسے دودھ پلا دیجئے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں---"

مرد خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے 😊 دعا علی

"کہا بھی تھا تم سے کہ اس ذلیل عورت کو یہاں نہ بلانا ---- دراصل یہ ایک محکمے میں کتے سدھانے کا کام کرتی ہے ----"

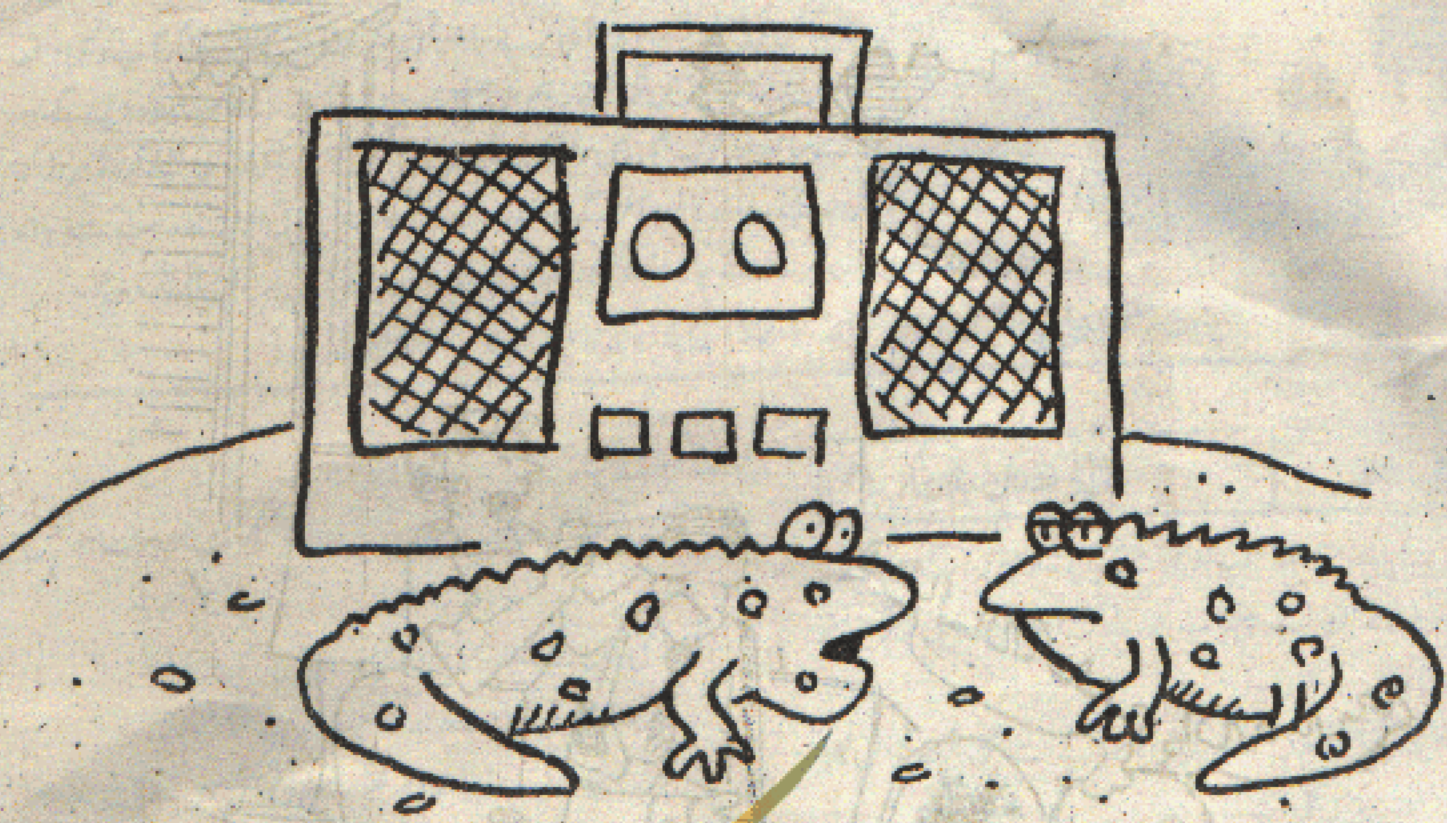

''ہمارے آنسو تو یونہی بدنام ہیں، بھائی! حالانکہ اس عورت کے آنسو تو ہم سے زیادہ قیامت ڈھاتے ہیں اور اس کا میک اپ بھی خراب نہیں ہوتا---ہاں---!''

نوید ظفر کیانی

''بھائی! آپ کی دہاڑی بن گئی ہو تو کچھ دیر کے لئے یہ باجا ادھار دے دیجئے۔ اپنے حالات ایسے ہیں کہ یہ باجا بھی نہیں خرید سکتا---''

پرواز کے دوران

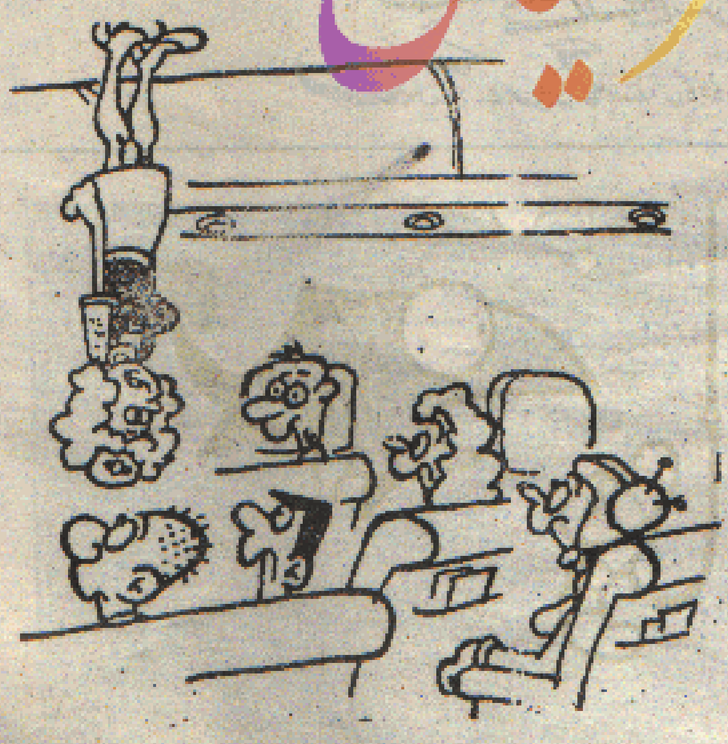

''مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ سیٹ بیلٹ بالکل نہ کھولیں بلکہ سختی سے باندھ لیں---''

عورت کے بغیر گھر، گھر نہیں بلکہ خالی مکان کی مانند ہے ☺ نادیہ نایاب

"منہ کیوں بنا رہے ہو--- کبھی تم نے اس کا شکار کیا تھا۔ آج اس نے تم پر ٹوٹ کر اپنا بدلہ لے لیا ہے---"

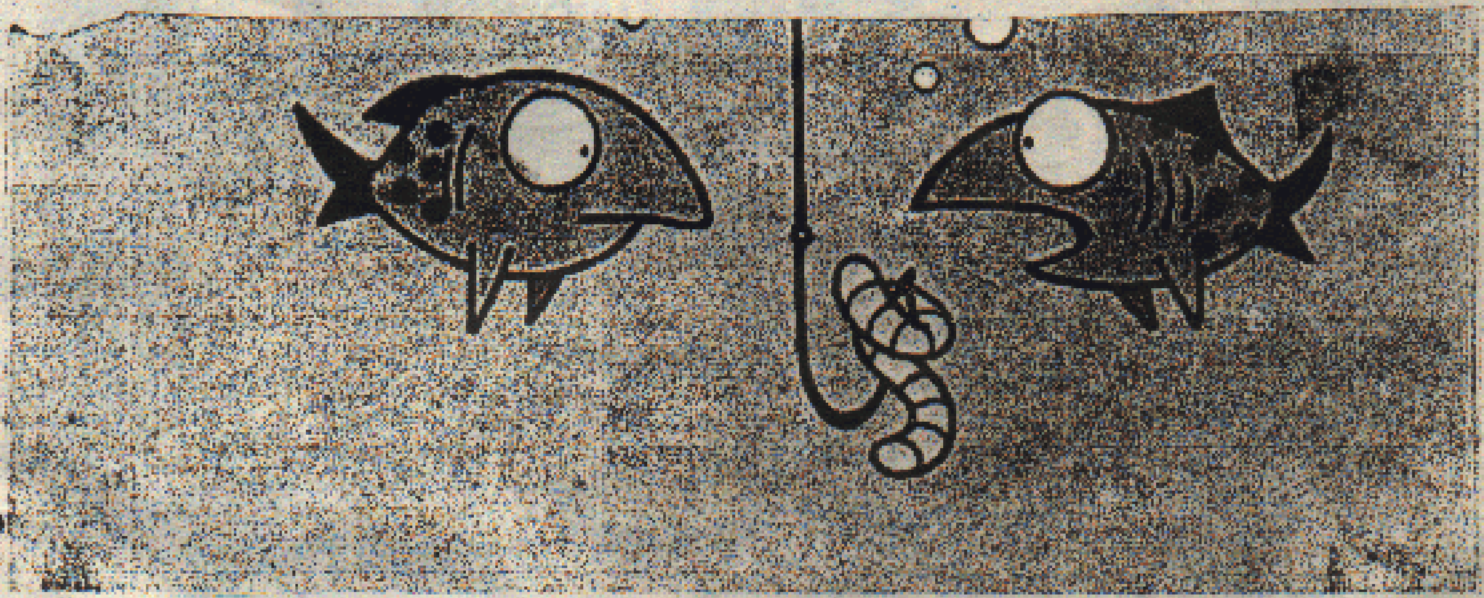

"مان لو، لیکن یہ یقیناً امریکی امداد ہے۔ میں نے کئی ملک اس امداد کے بعد تباہ ہوتے دیکھے ہیں، کہیں یہ بھی کوئی سازش تو نہیں---؟"

ہنس بیتیاں

کبھی کوئی مکالمہ کسی کی معصومیت یا بدحواسی پر بے ساختہ قہقہے وارد ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کو کسی واقعہ پر بے تحاشہ ہنسی آئی ہو تو ایک کاغذ پر ہمیں لکھ بھیجئے۔ ہم ان صفحات پر اسے آپ کے نام سے جگہ دیں گے اور چاہیں گے کہ آپ کے ساتھ اور لوگ بھی اس واقعہ سے لطف اُٹھا سکیں' ہنس سکیں۔ کسی لطیفے کو توڑ مروڑ کر واقعہ بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔ واقعہ کاپی سائز کے دو صفحات سے زیادہ نہ ہو' اخلاق سوز نہ ہو۔ سب سے زیادہ قہقہہ آور واقعہ پر سال بھر کے لئے چاند مفت بطور انعام دیا جائے گا۔ واقعہ اس پتہ پر ارسال فرمایئے۔

انچارج "ہنس بیتیاں" تمیں روزہ "چاند" F-32 'شمع پلازہ' فیروز پور روڈ' لاہور 54600

نوید ظفر کیانی

ایک گلاس	✿ عدنان جاوید گرجاکھی

ہمارے ایک استاد صاحب اونچا سنتے ہیں۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پیشاب کرنے کی اجازت مانگی تو کہنے لگے۔

"جاؤ پی آؤ مگر جلدی آنا اور ہاں، میرے لئے بھی ایک گلاس بھر لانا، مجھے بھی سخت پیاس لگی ہے۔"

یہ جواب سن کر ساری جماعت ہنسنے لگی۔

چڑیل	✿ نواز علی خواجہ، حیدر آباد

میری ایک کزن ہیں جو شکل وصورت سے کافی پرکشش ہیں۔ ایک دن اونچی ہیل والی سینڈل پہنے ٹپ ٹپ کرتی میری طرف آتی دکھائی دیں۔ انہیں اپنی جانب آتے دیکھا تو میری نظر ایک دم ان کی سینڈل پر جا رکی، میں سینڈل کو غور سے دیکھنے لگا۔ انہوں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے، بھائی نواز! آج میرے پیروں کو غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

اس وقت بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم فقط شکل سے ہی چڑیل لگتی ہو یا واقعی ہو؟"

ظاہر ہے، تھوڑی سی تو تو میں میں کے بعد ہم دونوں مسکرا دیئے۔

میڈم	✿ جہانزیب قریشی، ڈیرہ غازی خان

میڈم عذرا ہماری بہت اچھی اور شفیق ٹیچر ہیں اور تمام کلاس کی ان سے اچھی انڈر سٹینڈنگ ہے۔ ایک دن میڈم باٹنی کا لیکچر دے رہی تھیں کہ لیکچر کے دوران کسی بات پر ساجد کی ہنسی نکل گئی۔ ساجد ہماری کلاس کا سب سے شرارتی لڑکا ہے۔ میڈم نے اسے کلاس میں کھڑا کر دیا اور پھر پڑھانے لگیں۔

"میڈم! میں بیٹھ جاؤں---؟" اچانک ساجد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، کھڑے رہو۔" میڈم نے کہا اور لیکچر میں مصروف ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد ساجد پھر بول اٹھا۔ "میڈم! میں بیٹھ جاؤں؟"

"نہیں، ایسے ہی کھڑے رہو اور چپ چاپ لیکچر سنو۔"

"لیکن، میڈم! میں زیادہ دیر کھڑا رہوں تو میرے کان بند ہو جاتے ہیں۔" ساجد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر بورڈ کی طرف دیکھتے رہو۔" میڈم نے ہنسی چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

"میڈم---!" تھوڑی دیر بعد پھر ساجد کی آواز آئی۔

"اب کیا ہوا---؟" اچانک میڈم نے غصے سے پلٹتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں میڈم! میں کھڑا ہی ٹھیک ہوں۔"

اچانک ساجد نے پینترا بدلتے ہوئے کہا تو جہاں ساری کلاس مسکرا دی وہاں میڈم نے بھی اسے بیٹھ جانے کا حکم صادر فرما دیا۔

ایئر پورٹ	✿ نعمت سرحدی، ڈیرہ اسماعیل خان

میرے دوست کے گھر کے آگے ہمیشہ چند ہیرو نچی (جہاز) بیٹھے رہتے تھے۔ ایک دفعہ میں اپنے دوست کے گھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے مکان کی تعمیر ہو رہی ہے اور گھر کے باہر ریت اور اینٹیں بکھری پڑی ہیں اور ایک بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔

"ایئر پورٹ زیر تعمیر ہے--- برائے مہربانی لینڈنگ سے گریز کریں۔"

یہ پڑھ کر میں بے اختیار مسکرا دیا۔

دھماکے	✿ محمد آصف رفیق، اسلام آباد

ہمارے کالج کے واش روم کی دیواروں پر طرح طرح کے فقرات

تحریر ہیں۔ انہیں پڑھ کر ایسے لگتا ہے جیسے یہ فقرے لڑکوں پر "الہام" کے ذریعے اترتے ہیں۔ میں ایک دن حوائج ضروریہ کے لئے واش روم گیا۔ دروازہ بند کیا تو دروازے پر لکھے فقرے کو پڑھ کر بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ لکھا تھا۔

"ملک میں تخریب کاری پہلے ہی بہت زیادہ ہے، برائے مہربانی "دھماکے" کرنے سے گریز کریں۔"

کان	شمس القمر عاکف، اٹک

ہمارے ایک دوست حیدر عرف پپو حاضر جوابی میں پیر جنگلی سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم کوئی شاعرانہ ہی گفتگو کر رہے تھے کہ ایک دوست بولے۔

"یار! ان شاعروں نے چہرے کے ہر حصے کو تشبیہ کا نشانہ بنایا ہے لیکن انہوں نے کانوں کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، آخر کیوں؟"

پپو فوراً بول اٹھا۔ "بھئی! کان دراصل شاعروں کے لئے بھرم رکھنے کا باعث ہیں کیونکہ ان کے اشعار ایک کان میں گھس کر دوسرے سے نکل جاتے ہیں۔"

ماں کی دعا	منظور احمد اقبال، اوکاڑہ

ہمارے یہاں فیکٹری میں ایک ڈرائیور نیامت صاحب ہیں۔ اپنی آرمی سروس کے بارے میں ایک دن بتانے لگے۔

"مجھے پہلی مرتبہ کوئٹہ جانے کا اتفاق ہوا تو سردی کی سختی نے جلد تک جھلسا کر رکھ دی۔ میں نے اپنے گھر امی جان کو خط لکھا کہ امی جان! آپ نے جاتے ہوئے الوداعی دعا دی تھی نا! کہ "میرے بیٹے کو گرم ہوا نہ لگے" ---- آپ کی دعا تو پوری ہوگئی ہے مگر یہاں بہت ٹھنڈی ہوائیں جان نکال رہی ہیں اس لئے آپ مہربانی فرما کر دعا میں یہ اضافہ کر دیں کہ میرے بیٹے کو تخ ٹھنڈی ہوا بھی نہ لگے---"

ڈنگ	نعمان ساجد، وہاڑی

ہمارے شہر کے مین بازار میں دو دکان دار، باپ بیٹا اپنی حس ظرافت کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ یہ دونوں باپ بیٹا آپس میں خاصے بے تکلف اور بلا کے جگت باز ہیں۔ ان کی شوخ زندگی سے کشید کیا ہوا ایک واقعہ آپ کی نذر!

دونوں باپ بیٹا کپڑے کی ایک دکان چلاتے ہیں۔ ایک دفعہ ان کی ایک شناسا عورت کا گزر ان کی دکان کے سامنے سے ہوا۔ باپ نے اس عورت کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

"آجا مائی! کپڑا او کھلا۔" (مائی! آکر کپڑا دیکھ لو)

عورت نے جواب دیا۔ "بابا! تو تے لڑدا بڑا ایں، میں نہیں آندی۔" (بابا! تم بہت لڑتے ہو، میں نہیں آتی)

عورت کی یہ بات سن کر اس کے بیٹے سے نہ رہا گیا، اس نے برجستہ کہا۔ "مائی! آجا اج ابے دا ڈنگ کڈیا ہویا ایں" (مائی! آجاؤ آج بابا کا ڈنگ نکالا ہوا ہے)

پیغام	ندیم بٹ، حافظ آباد

میرا ملتان روڈ لاہور پر گارمنٹس فیکٹری کا دفتر تھا۔ وہاں میں نے سیدھا سادا دیہاتی ملازم رکھا ہوا تھا۔ ایک دن میرے دوست نعیم اور ساجد مجھے حافظ آباد سے ملنے آئے۔ میں ان کو شاپنگ کروانے انارکلی لے گیا۔ دفتر کو لاک کر کے ملازم کو باہر بیٹھا گیا اور کہہ گیا کہ اگر کوئی آئے تو کہہ دینا کہ بٹ صاحب ابھی تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔ جب ہم واپس دفتر آئے تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میرا ملازم مجھ سے کہنے لگا۔

"پہلے بھی ٹیلی فون آیا تھا مگر دفتر بند تھا اس لئے میں نے باہر سے ہی آواز دے دی تھی کہ بٹ صاحب ذرا کام سے گئے ہوئے ہیں، آپ تھوڑی دیر بعد فون کرلیں۔ اب دوبارہ آیا ہے۔"

پھبتی	ارشد اقبال

ہمارے ایف اے کے پیپر شروع ہو چکے تھے۔ تیسرے دن پیپر کے دوران نگران نے پانچ پانچ روپے فی لڑکا پیسے لینے شروع کر دیئے۔ ہم سمجھ نہ سکے کہ پیسے کس بات کی لئے جا رہے ہیں۔ میری باری کے درمیان میں آئی تھی، میں نے آواز بدل کر آواز لگائی۔

"سر! یہ مہینہ تو زکواۃ کا نہیں ہے۔"

آواز کے سنتے ہی سارا ہال ہنسی سے گونج اٹھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سٹیپلر کے چوری کا جرمانہ لیا جا رہا ہے۔

پردہ	مس بلو

ہمارے گھر میں ہمارے بھائی کا کمرہ گلی کے ساتھ ہے، اس کا ایک دروازہ بھی گلی میں کھلتا ہے۔ بھائی کی عادت ہے کہ وہ اپنے کمرے کی صفائی خود کرتے ہیں۔ ایک دن میں ان کے کمرے میں بیٹھی تھی اور وہ صفائی کرنے میں مصروف تھے۔ باہر کا دروازہ جو ذرا سا کھلا ہوا تھا، سے ایک لڑکے کی آواز سنائی دی جو گانا گا رہا تھا۔

نوید ظفر کیانی

ذرا پردہ ہٹا دو، یہ مکھڑا دکھا دو

ہم پیار کرنے والے ہیں، کوئی غیر نہیں

اس لڑکے نے شاید بھائی کو کوئی لڑکی سمجھ لیا تھا۔ جب کچھ دیر تک وہ لڑکا وہی کھڑا گنگناتا رہا اور تاکنے جھانکنے کی کوشش کرتا رہا تو بھائی غصہ میں آ گئے۔ انہوں نے صفائی والا برش ہاتھ میں لئے ہوئے باہر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جب وہ پردہ ہٹا کر باہر نکلے تو پھر نہ پوچھئے کہ اس لڑکے نے بھائی کو دیکھ کر ایسی سپیڈ پکڑی کہ بھائی کا غصہ کافور ہو گیا اور اس کی جگہ قہقہے نے لے لی۔

انعام	محمد شاہین، تونسہ شریف

ہمارے ایک انکل ہیں جن کو کرکٹ سے کافی حد تک لگاؤ ہے۔ ایک دن میں نے انہیں بتایا کہ کرکٹ کا ٹورنامنٹ ہو رہا ہے تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے۔

''تو کیا انعام بھی ہے؟''

میں نے کہا۔ ''جی ہاں، بالکل ہے۔''

پھر انہیں ساری تفصیل بتا دی۔ انہوں نے شاید میری بات سنی ہی نہیں، پھر پوچھنے لگے۔

''میں نے پوچھا ہے بھئی، انعام بھی ہے؟''

میں نے جواب دیا۔ ''جناب! ابھی میں نے آپ کو انعام کے بارے میں ہی بتایا ہے۔''

یہ سنتے ہی انہوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ میں بڑا حیران ہوا، ہنسی کے دوران ہی انہوں نے کہا۔ ''بھئی! میں نے انعام، یعنی اپنے بیٹے ''نومی'' کے بارے پوچھا ہے کہ کیا وہ بھی کھیل رہا ہے کہ نہیں---'' اور دوبارہ ہنسنے لگے۔

گوری گوری	سمعیہ ناز، خوشاب

ہمارے انگلش کے ٹیچر کافی شوخ اور مزاحیہ قسم کے تھے، معمولی بات میں بھی مزاح کا پہلو نکال لیتے۔ ہمارے امتحان نزدیک تھے۔ ہمیں کالج ٹائم سے ایک گھنٹہ پہلے کالج پہنچنے کی ہدایت ملی۔ بقول سر کے، جو بھی وقت ملے اسے غنیمت جانو اور پڑھو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔ ان دنوں سر ہماری زیادہ توجہ idioms کی طرف دلوا رہے تھے اور idioms بھی اتنے مشکل جو ہماری گرامر نے بالکل ہی آؤٹ تھے۔ سارا پیریڈ ہمارے لئے وبال جان بنے رہتے۔ ایک روز حسب معمول سر ہمیں idioms سے ناشتہ کروا رہے تھے کہ ہماری کلاس فیلو اسماء بولی۔

''واہ، سر! آج تو آپ نے کمال ہی کر دیا اتنے آسان idioms لکھوا کر---سر! یہ تو ہم بس پندرہ منٹ---''

''---میں ہو گئی گوری گوری''

سر نے رنگ گورا کرنے والی ایک کریم کے اشتہار کی طرز پر جملہ گنگنایا۔ بس پھر کیا تھا، ساری کلاس زعفران زار بن گئی۔

معصومیت	بقاس خان

سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آ گیا۔ سب خوفزدہ ہو کر لان میں نکل آئے۔ زلزلے کے ہلکے ہلکے جھٹکے کافی دیر تک محسوس ہوتے رہے۔ ہم سب اپنے اپنے خیالوں میں بیٹھے خوفزدہ ہو رہے تھے کہ میرا چھوٹا بھائی جس کی عمر پانچ سال تھی، بولا۔

''ابو جان! زلزلے میں مکان بھی تباہ ہوتے ہیں؟''

''ہاں، بیٹا! کافی عمارات تباہ ہو جاتی ہیں۔'' ابو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تو، ابو! ابھی تک ہمارا سکول تباہ کیوں نہیں ہوا؟'' میرا بھائی جو چند ہی روز پہلے سکول میں داخل ہوا تھا، معصومیت سے بولا۔

تعریف	محمد اشفاق ایاز، جلال پور جٹاں

ہمارے ایک افسر سخت خوشامد پسند اور احساس کمتری کا شکار تھے۔ وہ اپنے دوستوں کی محض تعریف کی خاطر خوب آؤ بھگت کرتے۔ کبھی ہوٹل سے چائے آتی اور کبھی کھانا منگوایا جاتا۔ ایک دن اتفاق سے ہوٹل بند تھا۔ ان صاحب نے فوراً ایک چپڑاسی کو گھر بھیجا اور ایک تھرمس چائے کا منگوا کر رکھ لیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد تین دوست آ گئے۔ چائے کی ایک دو چسکیاں لینے کے بعد ایک دوست بولا۔

''آج چائے کس گدھے نے بنائی ہے؟''

دوسرا بولا۔ ''پہلے تو پھر ٹھیک آتی تھی، آج تو آلوؤں کے چھلکے کا پانی لگ رہی ہے۔''

اتنے میں وہی چپڑاسی کمرے میں داخل ہوا جو گھر سے چائے کا تھرمس لے کر آیا تھا۔ ایک دوست بولا۔ ''اوئے، آج کس سے چائے لے کر آئے ہو؟''

چپڑاسی حالات سے بے خبر تھا، سمجھا شاید چائے کی تعریف ہو رہی ہے، فوراً بولا۔ ''سر! آج گھر سے لے کر آیا ہوں، بیگم صاحب نے خود بنائی ہے۔''

ہم سب کھلکھلا کر ہنس دیئے اور ہمارے افسر کھسیانے ہو کر کمرے سے نکل گئے۔

☆☆

نوید ظفر کیانی

اور وہ عورت ہی ہوتی ہے جو ساری زندگی شرابی، جواری مرد کے ساتھ صبر سے گزارہ کرتی ہے ☺ نادیہ نایاب

حسین بوڑھے

نعیم نیازی

پچھلے دنوں برازیل میں بوڑھے مردوں کا مقابلہ حسن منعقد ہوا جس میں شوقین بوڑھوں نے اپنی گرل فرینڈز اور پسندیدہ خواتین کے ساتھ حصہ لیا۔ یہ مقابلہ ایک ساٹھ سالہ دادا ابو نے جیت لیا۔

اس خبر نے سب کو چونکا دیا ہے، خصوصاً صنف نازک کی تو نیندیں اچاٹ ہو گئی ہیں۔ سلطنت حسن روز اول سے ان کی عملداری میں تھی لیکن اب ان کا اقتدار ڈانواں ڈول ہوتا نظر آ رہا ہے۔ وہ پریشان ہیں کہ اس خطرے سے بچیں تو بچیں کیسے؟---عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے جس طرح پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے، ویسے ہی وہ خود بھی ٹیڑھی ہے اور اس کی کھوپڑی بھی خمدار ہے۔ وہ کہتی ہے کہ مرد ہی کائنات میں اس کا دشمن نمبروں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقابلے کو اس نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ ہر دادی نے نہ صرف اس پر ناک بھوں چڑھائی ہے بلکہ بعض خواتین نے تو اپنے گالوں پر کالے تل سجا کر باقاعدہ احتجاج بھی کیا ہے---عورتیں کہتی ہیں کہ مردوں نے یہ بھونڈی نقالی محض انہیں جلانے کے لئے کی ہے۔ جب سے ہماری عورتیں حسینہ عالم، مس یونیورس اور مس ورلڈ منتخب ہو رہی ہیں تو ہمارے حسد کے وہ جل کر سرمہ بن گیا۔ اس سے اور تو کچھ نہ بن پڑا اس نے اپنے درمیان سے بچرا یعنی بوسیدہ بوڑھے چن چن کر جمع کئے اور یہ تماشہ لگا لیا---خواتین کے باغیانہ خیالات اپنی جگہ، انہیں کڑھنے دیں۔ ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

مردوں کے ایسے مقابلے ہمارے ہاں بھی منعقد کئے جا سکتے ہیں لیکن موجودہ حالات کو مدنظر رکھا جائے تو فی الحال کسی نئے مقابلے کی یہاں گنجائش نہیں ہے کیونکہ پہلے ہی یہاں ان گنت مقابلے جاری ہیں۔ مثلاً مقابلہ مسٹر کرپشن، مقابلہ مسٹر کمیشن، مقابلہ مسٹر مہنگائی، مقابلہ مسٹر بے روزگاری اور مقابلہ مسٹر زبانی جمع خرچ وغیرہ وغیرہ---لیکن فلاسفر کا دعویٰ ہے کہ پہلے سے جاری یہ تمام مقابلے ڈمی ہیں بلکہ نورا کشتی ٹائپ ہیں۔ انہیں مقابلہ کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ان مقابلوں کا انجام پہلے سے طے شدہ ہے۔ کامیابی کا تاج ہر مرتبہ ارباب اقتدار کے چہیتوں کے سر پر سجتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پہلی ٹاپ ٹین (10) پوزیشنیں ہمیشہ اہل اقتدار کے ہاتھوں میں رہتی ہیں۔ چنانچہ ہر کس و ناکس ان مقابلوں سے بےزار ہے اور امکان غالب ہے کہ عوام الناس ایسے ہر مقابلے کو خوش آمدید کہیں گے جس کا فیصلہ میرٹ پر کیا جائے گا---دیکھی جا، مولا دے رنگ---!

مغربی معاشرے کی بات کچھ اور ہے۔ عمر رسیدہ افراد کو وہاں خاطر خواہ احترام سے نوازا جاتا ہے اور انہیں سینئر سٹیزن کا مقام دیا جاتا ہے۔ سرکار ہر موقع پر ان کی خدمت میں پیش پیش رہتی ہے لیکن ہمارے ہاں صورتحال اس کے برعکس ہے۔ بزرگ افراد کے بارے میں ہمارا رویہ منافقانہ ہے۔ اوپر اوپر سے تو ہر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بزرگ شہری ہمارے لئے قابل احترام ہیں لیکن عملاً معاملہ بالکل الٹ ہے۔ پورا معاشرہ بیانگ دہل بڑے بوڑھوں کا تمسخر اڑاتا ہے اور تو اور تحریروں میں بھی ان پر طنز کے کروز میزائل داغے جاتے ہیں۔ مثلاً چٹی داڑھی، آٹا خوار۔ بڈھے کی عقل، بچے کے برابر---محض اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ تمسخر کا عمر رسیدہ افراد کو بڈھا خرانٹ، بوڑھا طوطا اور بڈھا کھوسٹ جیسے نازیبا القابات سے مخاطب کرتے ہیں جو معاشرے میں بزرگ شہریوں کی بے توقیری کا مظہر ہیں---

اس کو نا قدری عالم کا صلہ کہتے ہیں بوڑھوں سے تعصب کے معاملے میں جنس کی کوئی قید روا نہیں رکھی جاتی، ضعیف خواتین اور عمر رسیدہ مردوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ کوئی خاتون خواہ وہ 65 برس کی ہی کیوں نہ ہو اس ڈر سے اپنی عمر 25 سال سے کم بتاتی ہے کہ کہیں اس پر بوڑھی گھوڑی لال لگام کا لیبل چسپاں نہ کر دیا جائے۔

ہمارے ہاں بوڑھے بابے عضو معطل تصور کئے جاتے ہیں۔ وہ کسی ایسے مقابلے میں شرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتے وہ۔ گھر کے جھمیلوں سے فرصت ہی نہیں ملتی بے چاروں کو---ریٹائرمنٹ کے بعد اول تو بیویاں انہیں تگنی کا ناچ نچاتی رہتی ہیں، ادھر سے چھوٹے تو پنشن کی خاطر بینک اور ڈاکخانے کے پھیرے لگانے نکل پڑے۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو حکیم و ڈاکٹر کے کلینک کے طواف کرنے چل پڑے، گوناگوں بیماریاں جو دے جاتی ہے گزری جوانی انہیں اپنی نشانی کے طور پر---چنانچہ یہ مظلوم بابے ہمہ وقت جو رو + پنشن + ہسپتال کی ٹرائیکا کے جال میں بے حال رہتے ہیں۔ اس جنجال سے نکلیں تو اپنے چہرے مہرے کو سنوارنے کا خیال آئے انہیں۔ بہو سعادتمند نکلے تو طبیعت گھڑی دو گھڑی بحال رہتی ہے ورنہ اولڈ ہومز میں ایڈمشن کا احتمال ان کا جینا محال بنائے رکھتا ہے۔

اس کے برعکس مغربی ممالک کے بڈھے دن رات عیش کرتے ہیں کیونکہ کیش ان کیلئے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا---دھڑلے سے چیٹ کرتے ہیں اور لائف کو سیٹ رکھتے ہیں۔ ستر (70) سال کا بابا انٹرنیٹ پر بآسانی سترہ (17) سال کا بابو بن جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی ماڈرن بے بی لے اڑتا ہے لیکن دیسی بابوں کی قسمت اس معاملے میں بھی کھوٹی ہے۔ عشق و شق کا کوئی چانس نہیں ملتا بے چاروں کو اور اگر کوئی کرموں مارا ایسی غلطی کر بیٹھے تو سمجھو، بے موت مارا گیا۔ پولیس کی مار اور اپنے پرائے کی پھٹکار اس کے گلے کا ہار بن جاتی ہے---اگر کوئی دل پھینک بابا اپنی کسی ''ہاٹری'' بڑھیا کو مِس کال بھی مار دے تو پورے محلے میں بھونچال آ جاتا ہے۔ اپنے پرائے طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں کہ دیکھو تو، بڈھا سٹھیا گیا ہے۔ باسی کڑاہی میں ابال آ گیا ہے، دونوں پاؤں قبر میں لٹکے ہیں لیکن بڈھا شریف زادیوں سے اکھ مٹکا کرتا ہے۔ بڈھے کے دیدوں کا پانی پھوٹ گیا ہے۔ یہ عمر اور یہ چونچلے، شرم نہیں آتی ذرا بھی پاپا کو۔ یہ بھی نہیں سوچتا کہ پرائی عورت کے ساتھ چیلو کرنے سے پہلے ہی اگر ملک الموت اسے گڈ مارننگ کہنے آ گیا تو بیٹھے بٹھائے ایک اور گناہ لکھوائے گا، خواہ مخواہ اپنے نامہ اعمال میں---یہی وہ دل آزار تبصرے ہیں جو ایک جی دار بڈھے کو بھیڑ بنا دیتے ہیں اور اس کی ساری حسرتیں اس کے دل میں ہی انا اللہ ہو جاتی ہیں۔

یہ تو بڑھاپے کی ایک عمومی تصویر تھی۔ انفرادی طور پر ہر بوڑھا اندر سے کافی رنگین ہوتا ہے۔ بڑھاپے کے سارے رنگ پھیکے نہیں ہوتے، شوخ رنگوں کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں کہیں کہیں---کئی بوڑھے بڑے کائیاں ہوتے ہیں۔ چونکہ عمر کے اس حصے میں اپنی بیویوں پر ان کا کنٹرول ذرا ڈھیلا پڑ جاتا ہے لہٰذا انہیں نکیل ڈالنے کے لئے ایسے ایسے نفسیاتی حربے استعمال کرتے ہیں جن کے اثرات آنسو گیس سے زیادہ سریع الاثر ہوتے ہیں۔ اپنے کامیاب تجربات کو وہ ہمعصر بڈھوں سے بھی شیئر کرتے ہیں، یوں بہتوں کا بھلا ہو جاتا ہے---ایک بڑے میاں کافی عرصے کے بعد اپنے بچپن کے دوست بڈھے سے ملے جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے، بڑے میاں! ہوئے تھکے تھکے لگ رہے ہو؟''

''کیا بتاؤں، دوست! میری بیوی بڑی زبان دراز ہے۔ ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتی ہے اور وہ بے نقط کی سناتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ---!''

''میری بیوی بھی پہلے ایسی ہی لال بھبھوکا تھی لیکن میں نے تو اب اسے رام کر لیا ہے۔''

''تم نے اس کا کیا علاج کیا---؟''

''علاج کیا کرنا تھا---ایک دن کسی بات پر اودھم مچانے لگی تو میں نے کہہ دیا، بیگم! تمہارا کوئی قصور نہیں ہے

بڑھاپے میں غصے پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے---بس اسی روز سے اس نے غصہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

اسی طرح بعض بوڑھے ضرورت سے زیادہ تنگ مزاج ہوتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور تقدیر کو کوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ خصوصاً اپنی بیویوں کے ساتھ جب ان کی تو تو میں میں ہوتی ہے تو عجیب وغریب گل افشانیاں کرتے ہیں---ایک بڑے میاں کی اپنی بیوی سے لڑائی ہو گئی، بڑے میاں طیش میں آگئے اور فرطِ غیض سے مغلوب ہو کر دعا کرنے لگے۔

"یا اللہ! اس منحوس عورت نے میری زندگی کو جہنم زار بنا دیا ہے۔ میری اس سے گلو خلاصی کرا دے اور مجھے اس دنیا سے فوراً اٹھا لے۔"

خاتونِ خانہ بھی غصے میں پیچ وتاب کھا رہی تھی، وہ بھلا پیچھے کیوں رہتی!؟ اس نے بھی فوری جوابی کارروائی کی اور جھٹ پٹ اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھا لئے۔

"یا خدا! اس خبطی بڈھے نے میرا جینا اجیرن کر دیا ہے، اس جیون سے موت بھلی---تو مجھے فوراً اپنے پاس بلا لے۔"

بڈھے میاں نے یہ سنا تو فوراً پینترا بدل لیا اور اپنی دعا میں یوں ترمیم کر لی۔

"پیارے اللہ میاں! میں اپنی دعا واپس لیتا ہوں۔ مجھے زندہ رہنے دے اور اس عورت کی دعا قبول کر لے۔"

بڈھا، بڈھا ہوتا ہے چاہے وہ دنیا کے جس ملک کا ہو۔ سیانے بڈھے خود کہہ گئے ہیں کہ بوڑھا بال برابر، یعنی بوڑھوں کی عادتیں بچوں جیسی ہوتی ہیں۔ کچھ یہی حال بگا سنگھ کا تھا---ایک دن صبح کے وقت وہ اپنی بیوی سے کہنے لگے۔

"بھلیے لوکے! کل رات کمال ہو گیا۔ میں جونہی باتھ روم میں گیا اور دروازہ کھولا تو بتی خود بخود آن ہو گئی۔ جب باہر نکلا تو لائٹ اپنے آپ آف ہو گئی۔"

بیوی نے اپنا سر پیٹ لیا۔ "جا، بڈھیا! تیرا ککھ نہ رہے---تو پھر فریج میں پیشاب کر آیا ہے۔"

بھولے بسرے بھی آس لگائے رہتے ہیں کہ ان کے بزرگ انہیں کچھ نہ کچھ ضرور دیں گے لیکن چونکہ اکثر اوقات ان بزرگوں کے مالی حالات ذرا "ایویں" سے ہوتے ہیں لہٰذا وہ ان کے حسبِ توقع ان کی مالی معاونت تو نہیں کر سکتے لیکن انہیں خالی ہاتھ لوٹانا بھی معیوب سمجھتے ہیں چنانچہ حسبِ توفیق انہیں کچھ نہ کچھ دے دلا دیتے ہیں البتہ اس "عطا" کے انداز مختلف ہوتے ہیں---کچھ بابے رائج الوقت گالیوں کے پیکٹ پھونکوں کو تھما دیتے ہیں جبکہ کچھ بوڑھے روایتی دعاؤں کے پیکج ان کی نذر کرتے ہیں۔ کچھ بزرگ مفت مشوروں کی تھیلیاں فخریہ انداز میں "دان" کرتے ہیں۔ یہ لفظی تحفے ہر بڑے میاں کے پاس بکثرت موجود ہوتے ہیں اور حسبِ موقع انہیں فی سبیل اللہ بانٹتے ہیں، کسی بخل کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

بوڑھوں کے مقابلہ حسن کا انعقاد اگر باقاعدگی سے ہونے لگے اور وہ بھی سرکاری سرپرستی میں تو معاشرے کا ماحول یکسر بدل جائے گا اور بڑھاپا ایک کارآمد شے تصور کیا جانے لگے گا۔ اگر میڈیا کا تعاون بھی اس میں شامل ہو جائے تو سونے پر سہاگہ ہو جائے گا، ہر طرف بڈھے بابوں کی بلے بلے ہو جائے گی۔ مصنوعات کے اشتہارات میں بابے بطور ماڈل کاسٹ کئے جائیں گے۔ خصوصاً سرمہ، منجن، کھانسی کے شربت، خضاب، ہیئر آئل، آلہ سماعت، ضعفِ بصارت از قسم ککرے، جالا، موتیا کی دعاؤں، نظر کی عینکوں اور پان وغیرہ کے برانڈ میں کسی نہ کسی بابے کو کاسٹ کیا جائے گا---مصنوعات کے یہ اشتہارات ان بابوں کی مختلف پوزوں والی تصاویر سے مزین ہوں گی۔ سنڈے ایڈیشن جو فی الحقیقت اشتہاری ہوتے ہیں، بوڑھوں کے رنگین پوسٹروں سے مرصع ہوں گے۔ گلیمر کی اس چکا چوند میں بڈھے بابوں کا دماغ فرش سے جمپ کر کے عرش پر پہنچ جائے گا، ان کی کبڑی کمان کمر تیر کی طرح سیدھی ہو جائے گی۔ بڈھے گردن اکڑا کر سڑک پر چلیں گے۔ یہ ایجنٹ بابوں کی پالیسیاں بک کرنے سے بیٹھے مچلتے پھرتے تھے لیکن ان مقابلوں کے بعد صورتحال یکسر بدل جائے گی اور وہ ان کے مل چل کر ان کی پالیسیاں بک کرنے آئیں گے۔ بالی ووڈ والے بڈھا نیرونز کو اپنی فلم میں بطور ہیرو کاسٹ کرنے کے لئے سفارشیں ڈھونڈتے پھریں گے، ساتھ ساتھ کروڑوں روپے معاوضہ کی پیشکش بھی کریں گے۔ ایشوریہ رائے، کترینہ کیف اور دیپکا اس بڈھے بابے کی ہیروئن بننے کے لئے سو سو ترلے کریں گی---بڈھوں کی ہیئت کذائی میں بھی انقلاب آ جائے گا اور مقابلہ حسن جیتنے کے لئے وہ اپنی جسمانی فٹ نس اور سمارٹ نس پر بھرپور توجہ دیں گے۔ وہ پان کھانا ترک کر دیں گے کہ اس سے دانتوں میں پیلاہٹ پیدا ہوتی ہے اور تیز پتی والی چائے سے بھی وہ اجتناب کریں گے کہ اس سے رنگت سنولا جاتی ہے---واہ رے بڑے میاں، تیرے نخرے---!

بابوں کے مقابلہ حسن کا انعام اگر ڈالروں میں رکھا جائے تو اس کی اہمیت دوچند ہو جائے گی اور ہر کیٹگری کے بابے اس پر پل پڑیں گے، جس طرح خالی آسامی کے اشتہار پر بے روزگار ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ملک کے طول وعرض سے بڈھے جوق در جوق کھنچے چلے آئیں گے جو خود نہ آنا چاہیں گے، ان کی اولادیں انہیں گھسیٹ لائیں گی کہ "ڈالر" چیز ہی ایسی ہے۔ ڈالر میں اتنی کشش ہے کہ اس کی تمنا میں لوگ بڑھاپے سے خوفزدہ ہونا بند کر دیں گے۔ جو آدم زاد اب بڑھاپے سے بچنے کے لئے زرِ کثیر شباب آور معجونوں پر خرچ کرتے ہیں، وہ بھی مقابلے کا اہل ہونے کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں ماریں گے اور قبل از وقت بڑھاپا حاصل کرنے کے ٹوٹکے ڈھونڈتے پھریں گے۔ اخبارات کے اشتہارات کی نوعیت یکسر بدل جائے گی اور نئے اشتہارات کے عنوانات کچھ یوں ہوں گے کہ صرف ایک خوراک سے جوانی دور بھگائیے---معجون بڑھاپا استعمال کریں اور پلک جھپکتے میں بڈھے کھوسٹ بن جائیں۔ چنانچہ گو جوانی گو بلو، معجون خوش آمدید بڑھاپا، سفوف بڑھاپا آور، کشتہ الوداع شباب کے اشتہارات میڈیا پر چھا جائیں گے۔

بڑھاپے کی مذکورہ بالا برکات اپنی جگہ لیکن ان تمام تر خوش فہمیوں کے باوجود فلاسفر اس کے بارے میں کئی تحفظات رکھتا ہے۔ اسے خدشہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ مقابلے بھی منصفانہ نہیں ہو سکتے۔ جس طرح این آر او (N.R.O) نے دو ملاؤں کے درمیان متنازعہ مرغی جھٹ پٹ حلال کر دی ہے آدھی آدھی بانٹنے کا فارمولا دے کر، اسی طرح یہ مقابلے بھی مفاہمت برائے کرپشن کی بھینٹ چڑھ سکتے ہیں۔ اس کی آڑ میں رشوت اور سفارش کی کئی ونڈوز (WINDOWS) اوپن ہو جائیں گی اور ایسے لوگ بڑھانیرونز منتخب ہو جائیں گے جو اپنے وارڈ میں کونسلر کا انتخاب بھی کبھی نہیں جیت سکے---یہ امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے مقابلے ہر بار کوئی نہ کوئی بیورو کریٹ بڈھا ہی جیتے۔ ایسے بیوروکریٹ حضرات بھی مقابلہ جیت سکتے ہیں جن کی پارٹی برسرِ اقتدار ہو گی کیونکہ سرکار ہمیشہ "اندھا بانٹے ریوڑیاں اور اپنوں اپنوں کو دے" والی پالیسی پر عمل کرتی ہے۔ اول تو فرینڈلی اپوزیشن اس دھاندلی پر حسبِ معمول چپ سادھے رہے گی۔ اگر اس نے سکرپٹ کی مجبوری کے تحت نیم دلانہ احتجاج کیا بھی تو سرکار جیوری پینل میں ایسے جج کا تقرر کر دے گی جو ضعفِ بصارت میں مبتلا ہوں گے، بالخصوص ان کی قریب کی نظر کسی طرح متاثر ہو گی۔ سب سے بڑی قباحت یہ ہو گی کہ ناکام بوڑھے کے لئے دنیا تنگ ہو جائے گی۔ جو بڈھا مات ہو گیا، اس کا بڑھاپا مرے ہوئے ہاتھی کی مثل سوا لاکھ کا ہو جائے گا لیکن جو بے چارہ پٹ گیا، اسے گھر میں بھی کوئی نہیں گھسنے دے گا۔ گھر والے گلے سڑے ٹماٹر اور گندے انڈے ہاتھ میں لئے اس کے منتظر ہوں گے۔ ممکن ہے، بڑی بی شریکِ حیات بھی ناراض ہو کر اس کے ساتھ "کٹی" کر لے کہ بدصورت بڈھے کے ساتھ بقیہ زندگی اب کون گزارے؟---بہر حال، اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں---! ☆☆

نوید ظفر کیانی

اللہ میری توبہ! ایک لڑکی بولی۔ "میں شریف لڑکی ہوں، بس کس سے زیادہ اور کچھ مت کرنا۔" ☺ شاہد اطہر

رب کا شکر ادا کر بھائی---!

عطاء الحق قاسمی

ہم سب کو رب کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اس نے ہم سب کو گائے بنایا ہے--- یہ فقرہ کچھ غلط ہو گیا ہے، نصابی کتابوں میں ہم نے اس طرح نہیں پڑھا تھا۔ نصابی کتابوں میں تھا کہ ہم سب کو رب کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ اس نے ہمارے لئے گائے بنائی--- گائے بہت مفید جانور ہے۔ یہ دودھ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بہت بھلی مانس بھی ہے کیونکہ جو آتا ہے، اسے "چو" کر چلا جاتا ہے--- ہم بھی بہت بھلے مانس ہیں۔ گائے بھی بہت بھلی مانس ہے۔ گائے بھی مفید جانور ہے، ہم بھی مفید جانور ہیں۔ ہمیں بھی جو آتا ہے "چو" کر چلا جاتا ہے۔

ہم سب کو رب کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اس نے ہماری بکری بھی بنائی ہے۔ بکری دودھ دیتی ہے، مینگنیں بھی دیتی ہے۔ بکری دودھ مینگنیں ملا کر بھی دیتی ہے، ہم بھی دودھ میں مینگنیں ملا کر دیتے ہیں۔ بکری درختوں کے پتے کھا کر خدا کا شکر ادا کرتی ہے، ہمیں بھی درختوں کے پتے کھا کر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ بکری مکان بنا کر نہیں رہتی۔ بکری ہوتے ہوئے بھی اس میں بعض صفات شاہین کی پائی جاتی ہیں۔ ہمیں بھی مکان کی فکر نہیں ہونی چاہئے۔ بکری خدا کی بخشی ہوئی پوشاک پر گزارہ کرتی ہے۔ ہمیں بھی تن ڈھانپنے کی فکر نہیں ہونی چاہئے، ہماری کھال ہی ہمارا لباس ہے۔ ہمیں بکریوں کی طرح زندگی بسر کرنا چاہئے۔ بکریاں بہت شریف ہوتی ہیں، بہت صابر ہوتی ہیں، ان کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

ہم سب کو رب کا شکر ادا کرنا چاہئے جس نے بلی بنائی۔ بلی بہت خوبصورت جانور ہے۔ اسے ہم گود میں لے کر پیار کرتے ہیں۔ پیار کے رستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم بلی کو پیار نہ کرتے کیونکہ بلی چوہے کھاتی ہے لیکن بلی کی اسی ادا سے تو ہمیں پیار ہے اور ہم اسے گھروں میں چوہے کھانے کے لئے ہی رکھتے ہیں۔ ہم بھی بلیاں ہیں جو چوہے کھانے پر مامور ہیں۔ بلی کی مونچھیں بہت لمبی ہوتی ہیں مگر وہ مونچھیں نہیں ہیں جنہیں وہ تاؤ دے سکے۔ بلی کی اگر مونچھیں لمبی ہیں تو اس کی دم بھی بہت لمبی ہے جو وہ بوقت ضرورت ہلانے لگتی ہے۔ مونچھ دکھانے کے لئے دم ہلانے کی پریکٹس ہونی چاہئے کہ یہ کامیاب زندگی کی علامت ہے بلی ایک کامیاب جانور ہے، ہمیں بھی کامیاب ہونا چاہئے--- اگر ہماری صرف مونچھ ہے تو ہمیں فوراً دم اگانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ہم سب کو رب کو شکر ادا کرتے رہنا چاہئے جس نے ہمارے لئے اونٹ بنایا۔ اونٹ کی بہت قدر و قیمت ہے اور اسے بہت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہوتی۔ آج کل جس کی کوئی کل سیدھی نہ ہو وہ ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کرتا ہے۔ اونٹ کو صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کئی کئی دن تک بغیر کھائے پئے سفر کر سکتا ہے۔ یہ بغیر کھائے پئے والی بات ایک مغالطہ ہے کیونکہ اونٹ نے اپنی کوہان میں اناج ذخیرہ کیا ہوتا ہے اور سفر کے دوران وہ یہ ذخیرہ استعمال میں لاتا ہے۔ اس کی قدر و قیمت کوئی ذخیرہ اندوز ہی جان سکتا ہے۔ ذخیرہ اندوزوں کو ہمارے ہاں بہت عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اونٹ کی سواری بہت مزے کی ہوتی ہے تاہم اس پر ڈبل سواری کی پابندی ہونی چاہئے۔ اونٹ پر سواری کرنے والے اپنے آپ کو بلند قامت سمجھنے لگتے ہیں چنانچہ ان دنوں بہت سے بونے اونٹوں پر سوار ہیں اور ہم انہیں بلند قامت سمجھتے ہیں۔ اونٹ کی ملکی خدمات بہت زیادہ ہیں اور ہم اس کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

ہم سب کو رب کا شکر ادا کرنا چاہئے جس نے ہمارے لئے گھوڑا بنایا۔ گھوڑا بہت طاقتور جانور ہے۔ یہ میلوں دوڑتا ہے اور اس کا سانس نہیں پھولتا کیونکہ یہ سگریٹ نہیں پیتا۔ اس کی طاقت کا اصل راز یہ ہے کہ یہ سوچنے سمجھنے کی لعنت سے پاک ہوتا ہے چنانچہ گرد و پیش کے حالات اسے پریشان نہیں کرتے۔ ہمیں بھی گھوڑے کی طرح طاقتور ہونا چاہئے اور کسی تانگے کے آگے جت جانا چاہئے۔

ہم میں اور گھوڑے میں بہت سی مماثلتیں ہیں، ہم دونوں طاقتور ہیں۔ ہم دونوں سوچنے سمجھنے کی لعنت سے پاک ہیں چنانچہ اقوام عالم میں ہمارا نام گھوڑے کے ساتھ آتا ہے۔ گھوڑا بھی دال کھاتا ہے، ہم بھی دال کھاتے ہیں، اس وجہ سے اسے اگر گیس کی شکایت رہتی ہے تو ہمیں "گیس" کے حوالے سے اس سے زیادہ شکایت ہے، ملتی ہی نہیں ہے۔ تاہم ہماری مماثلتیں صرف شہروں میں رہنے والے گھوڑوں کے ساتھ ہیں، جنگل کے گھوڑے کے ساتھ نہیں کیونکہ کھلے جنگلوں میں رہنے والے گھوڑے آزاد اور خود مختار ہوتے ہیں۔ اس پر سواری کرنا کوئی آسان کام نہیں جبکہ ہمارا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ جو چاہتا ہے "پلاکی" مار کر ہم پر سوار ہو جاتا ہے تاہم ہمارے حکمرانوں کا کہنا ہے کہ اس سے ہماری آزادی اور خودمختاری پر کوئی حرف نہیں آتا۔

ہم کو رب کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے جس نے ہمیں گدھا بنایا--- معاف کیجئے، جس نے ہمارے لئے گدھا بنایا۔ اگر گدھا نہ ہوتا تو ہمیں گدھا سمجھا جاتا۔ ہم گدھے کا یہ احسان عمر بھر نہیں بھول سکتے۔ گدھا بہت محنتی جانور ہے۔ صبح سے شام تک اینٹیں ڈھوتا ہے، بجری ڈھوتا ہے۔ مٹی ڈھوتا ہے اور رات کو "جا اپنی حسرتوں پہ آنسو بہا کے سو جا" گاتا ہوا، کھڑے کھڑے سو جاتا ہے۔ گدھے کا مالک اسے پیٹتا بھی بہت ہے کیونکہ دونوں ایک جیسی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ اس بنا پر کئی دفعہ تو خود مالک کی شکل گدھے جیسی ہو جاتی ہے یا گدھا مالک کا ہم شکل لگنے لگتا ہے۔ سو جتنا ظلم مظلوم ایک دوسرے سے کرتے ہیں اتنا ظلم، ظالم نہیں کر سکتے۔ گدھے کو چھانٹے پڑتے ہیں تو اس کی احتجاج کی لے سننے والی ہوتی ہے اپنی ڈھینچوں ڈھینچوں کو وہ ظالموں کے خلاف للکار سمجھتا ہے، چنانچہ کچھ لوگ اس موقع پر گدھے کو انقلابی بھی کہنے لگتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک زمانہ تھا جب انقلابی لوگ ایسی ہی لے کے ساتھ گائے جاتے تھے جسے سن کر عوام کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔

رب کا شکر ادا کر بھائی جس نے ہمارے لئے کتا بنایا۔ اگر کتا نہ ہوتا تو ہمارے سامنے دم کون ہلاتا، ہمارے پاؤں کون چاٹتا؟--- ہم انسانوں کو بس اس کی یہی ادا پسند ہے۔ کتوں میں طبقاتی تقسیم بہت زیادہ ہے۔ کتوں کا ایک طبقہ جو اشرافیہ پر مشتمل ہے "اشرافیہ" ہی کی بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہتا ہے، اسے اعلیٰ درجے کی خوراک ملتی ہے، اس کا کام لوٹ مار کے ذریعے جمع کی گئی دولت کی حفاظت کرنا ہے۔ لٹیروں کا یہ محافظ طبقہ ذرا سی آہٹ پر بھونک بھونک کر اپنے مالکوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیتا ہے۔ کتوں کا دوسرا طبقہ عموماً قصائی کے پھٹے کے نیچے پایا جاتا ہے جہاں اسے چھچھڑے وغیرہ کھانے کو مل جاتے ہیں اور یا پھر گلیوں میں آوارہ ہوتا ہے۔ یہ کسی دوسری گلی کے کتے کو اپنی گلی میں نہیں آنے دیتا۔ ان کی دلیل غالباً یہ ہے کہ خود ہمیں کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں، اوپر سے تم بھی منہ اٹھا کر آگئے ہو" کتے کا کتا بیری ہوتا ہے" والا محاورہ غالباً اسی پس منظر میں بنا ہے۔

☆☆

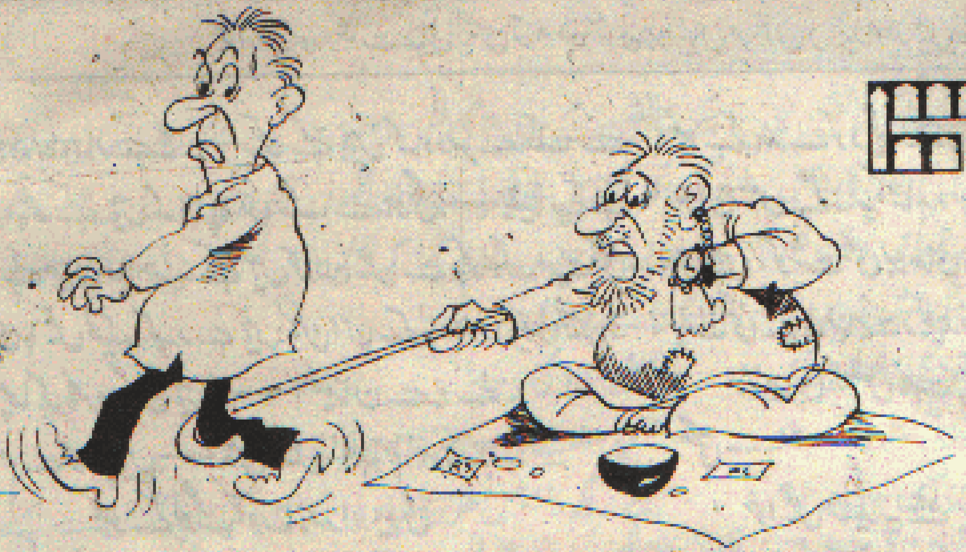

شگوفے

☆ گلِ نوخیز اختر

الہام

الہام کا شوقین ایک شخص پیر صاحب کے پاس گیا اور عرض کی کہ مجھے الہام سکھا دیں تا کہ مجھے ہونے والی باتوں کا اشارہ پہلے ہی ہو جائے۔ پیر صاحب کائیاں تھے، بولے۔

''ٹھیک ہے---لیکن پہلے دو بکرے اور چار کلو مٹھائی لے کر آؤ۔''

وہ شخص بھاگا بھاگا گیا اور مطلوبہ چیزیں لے آیا۔ پیر نے کہا۔

''اب تم جاؤ، کچھ دنوں تک تمہیں الہام ہونا شروع ہو جائے گا۔''

ایک ہفتے بعد وہ شخص دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ پیر صاحب! ابھی تک الہام نہیں شروع ہوا---پیر صاحب نے پھر کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا اور دو سوٹ بوسکی، ایک سیر حلوہ اور دس کلو دیسی گھی لانے کے لئے کہا۔ چیزیں فوراً آ گئیں۔ پیر صاحب پھر بولے۔

''جاؤ، اب عنقریب تمہیں الہام شروع ہو جائے گا۔''

مرید ایک ہفتے بعد وہ پھر آیا اور الہام نہ ہونے کی شکایت کی۔ پیر صاحب نے پھر کچھ نئی چیزیں منگوائیں اور اسے عنقریب الہام ہونے کی خوشخبری سنائی۔ جب دو ماہ گزر گئے اور الہام کا دور دور تک نشان دکھائی نہ دیا تو ایک شام اس شخص نے پیر صاحب کے آستانے پر آ کر بڑے غصے سے کہا۔

''پیر صاحب! میں اب تک ہزاروں روپے آپ پر لٹا چکا ہوں لیکن ابھی تک مجھے الہام نہیں ہونا شروع ہوا۔ آخر کیوں---؟''

پیر صاحب نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر بولے۔ ''آج تمہیں لازمی الہام ہو گا---جاؤ، اپنی بیوی کو لے آؤ---فوراً---!''

بندہ بھاگا بھاگا گیا اور اپنی بیوی کو لے آیا۔

پیر صاحب بولے۔ ''ایک نکاح خواں کو بھی لے آؤ---''

حکم کی تعمیل ہوئی۔ پھر ارشاد ہوا۔ ''چھوہارے منگواؤ---''

چھوارے آ گئے تو حکم ہوا کہ جاؤ، اپنی بیوی اور میرے لئے نئے کپڑے لے کر آؤ---وہ شخص کھٹکا اور آہستہ سے بولا۔

''پیر صاحب! کہیں آپ میری بیوی سے نکاح تو نہیں پڑھوانے لگے؟''

پیر صاحب خوشی سے اچھلے۔ ''دیکھا، ہوا نا! الہام---!''

محترم قارئین! آج کل ایسے ہی الہام حکومت کو بھی ہو رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کہیں لوگ اس کے خلاف تو نہیں ہو رہے، کہیں لوگوں کا حکومت پر سے اعتماد تو نہیں اٹھ رہا---یہ الہام کی وہ صورت ہوتی ہے جو ایسے انسانوں کو عطا کی جاتی ہے جنہیں الہام سیکھنے کا بہت شوق ہو۔ مثلاً میرے ''ہم فلیٹ'' ایک صاحب کو روزانہ الہام ہوتا ہے کہ آج بھی سورج مشرق سے ہی نکلے گا اور حیرت کی بات ہے کہ ان کا یہ الہام ہمیشہ ٹھیک ثابت ہوتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں اور میرا بیٹا دونوں ولی ہیں۔ دوسرے نے حیرانی کا اظہار کیا تو پہلے والے نے دلیل دیتے ہوئے کہا۔

''دیکھو، میں کہتا ہوں کہ بارش ہو گی۔ میرا بیٹا کہتا ہے کہ نہیں ہو گی---کبھی اس کا کہا ٹھیک نکل آتا ہے، کبھی میرا---''

اس لحاظ سے تو پوری قوم ہی ولی کہلانے کے لائق ہے (براہ کرم ولی سے مراد ولی خان نہ لیا جائے) کچھ کہتے ہیں کہ حکومت ٹھیک ہے، کچھ کہتے ہیں کہ برداشت کر رہے ہیں---کچھ کہتے ہیں کہ مہنگائی بڑھی ہے، کچھ کہتے ہیں کنٹرول ہو گئی ہے---کچھ کہتے ہیں کہ ڈالر آئے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ ''ڈالروں والے'' آئے ہیں---کچھ کہتے ہیں کہ جہاد صرف کشمیر میں ہو سکتا ہے، کچھ کہتے ہیں افغانستان اور فلسطین میں بھی جائز ہے---کچھ کہتے ہیں کہ صدر صاحب نے سوٹ کیس تیار کر لیا ہے، کچھ کہتے ہیں کہ جیل میں سوٹ کیس نہیں لے جانے دیتے---کچھ کہتے ہیں کہ اگلے سال سے سود ختم ہو جائے گا، کچھ کہتے ہیں سود ختم ہو

نوید ظفر کیانی

جائے گا Intrest ار ہے گا--- کچھ کہتے ہیں کہ دوسرے ملک سے جنگ ہوگی، کچھ کہتے ہیں کہ اپنے ہی ملک سے ہوگی--- یقیناً یہ سب ولی ہیں۔ ویسے میاں صاحب کہتے ہیں کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ساری باتیں ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ولی نہیں۔

میں نے پوچھا کہ پھر وہ کون ہیں؟--- اطمینان سے بولے۔

''عام سے عوام ہیں--- لیکن انہیں ''الہام'' ہوتا ہے۔''

بھوکے لوگ اور تابعدار بیوی

کچھ لوگ بھوک کے معاملے میں بڑے کمزور دل ہوتے ہیں۔ اگرچہ مجھے بھی بھوک لگی ہوئی ہو تو میں دوست دشمن کی تمیز بھول جاتا ہوں لیکن قبلہ چوہدری صاحب اس معاملے میں خاصے نازک مزاج واقع ہوئے ہیں۔ چوہدری صاحب کو کھانے کا اتنا شوق ہے کہ اور کچھ نہ کھانے کو ملے تو قسمیں ہی کھاتے رہتے ہیں--- ویسے تو وہ ''خار'' بھی بہت کھاتے ہیں لیکن سردست میں ان کی شکم پرست طبیعت کا ایک چھوٹا سا نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

چوہدری صاحب کو آلو بہت پسند ہیں۔ وہ آلو کھاتے بھی ہیں اور سجاتے بھی ہیں۔ اپنے گھر کے مختلف کونوں میں انہوں نے آلو سجا رکھے ہیں۔ ''آلو رکھنے'' میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ آلو کے علاوہ انہیں ''عجیب الخلقت'' سبزیاں بہت پسند ہیں۔ گوشت پسند نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ گوشت کھانے سے انسان کی بھوک مرجاتی ہے--- چوہدری صاحب کے کھانے کے متعلق مشہور ہے کہ عام بندہ ''رنج'' کے کھانا چھوڑتا ہے، چوہدری صاحب تھکتے ہی نہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اتنا زیادہ کھانے کے باوجود ان کا پیٹ کنٹرول میں ہے۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ چوہدری صاحب! آپ اتنا زیادہ کھاتے ہیں، پھر بھی موٹے نہیں ہوتے، اس کی کیا وجہ ہے؟ چوہدری صاحب سبزی کی ''بوٹی'' منہ میں ڈالتے ہوئے بولے۔

''دل لگا کر کھانے سے پیٹ نہیں بڑھتا ہے۔''

مجھے ان کی یہ منطق سمجھ نہ آئی، میں نے اپنی کم علمی کا اعتراف کیا اور تفصیل مانگی۔

گھور کر بولے۔ ''یہ ایک راز ہے---!''

میں نے کہا۔ ''پھر تو ضرور بتایئے---؟''

جھوم کر بولے۔ ''تمہارے ہی لئے رکھا ہے، لے لینا جوان ہو کر---''

قارئین! چوہدری صاحب یہ راز بتائیں لیکن مجھے اتنا ضرور اندازہ ہے کہ موٹاپے کا تعلق کھانے سے نہیں، مزاج سے ہوتا ہے۔ آپ کسی بھی موٹے بندے کو دیکھ لیجئے، آپ کو 80 فیصد موٹے بندے بڑے خوش مزاج ملیں گے۔ یہ مشاہدہ ہی نہیں، تجربہ بھی ہے۔ مسکراہٹ صرف خون ہی نہیں، گوشت بھی بڑھاتی ہے۔ میاں صاحب نے جب سے میری یہ بات سنی ہے وہ نہایت رنجیدہ ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو کہنے لگے۔

''میری بھینس بہت پتلی ہے۔ کاش، وہ بھی ہنس کر اپنا وزن بڑھا سکتی---''

خواتین شاید یہ جملے پڑھ کر آئندہ کے لئے ہنسنے سے توبہ کرلیں۔ اب ایسی بات بھی نہیں، مجھے فلیٹیز ہوٹل لاہور کی وہ تقریب یاد آ گئی ہے جس میں عطاء الحق قاسمی نے کہا تھا کہ خواتین نے کبھی کوئی اچھی مزاحیہ چیز نہیں تخلیق کی--- اس پر بشریٰ رحمان نے فوراً کہا تھا کہ ''خواتین کی سب سے مزاحیہ تخلیق مرد ہیں---''

اس وقت جس قسم کے حالات جارہے ہیں، ان میں تو کوئی قہقہہ مار کر بھی ہنسے تو اسے سن کر لگتا ہے ''مشین گن'' سٹارٹ ہوگئی ہے۔ اللہ کرے کہ ہماری خوش مزاجیاں واپس لوٹ آئیں ورنہ ہم لوگ تو ہنسنے میں بھی تابعداری سے کام لینے لگے ہیں--- تابعداری سے یاد آیا۔ ایک مولوی صاحب نے بڑی کوشش کے بعد شادی کرلی۔ شادی کے دوسرے روز رات کو بیوی سے کہنے لگے۔

''ایک گلاس پانی تو پلا دو؟''

بیوی پانی لینے گئی تو مولوی صاحب کو نیند آ گئی۔ صبح جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بیوی پانی کا گلاس سرہانے لیے کھڑی ہے۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے کہ کتنی نیک اور وفاشعار بیوی ملی ہے۔

اگلی رات انہوں نے بیوی سے کہا کہ میرے پاؤں دبا دو۔ بیوی نے پاؤں دبانے شروع کردیے۔ مولوی صاحب کو پھر نیند آ گئی۔ صبح پھر جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بیوی اسی طرح پاؤں دبا رہی ہے۔ مولوی صاحب خوشی سے پاگل ہوگئے۔ اگلی رات انہوں نے کہا کہ میرے سر میں تیل لگا دو۔ بیوی تیل لگانے لگی، مولوی صاحب پھر سو گئے۔ صبح اٹھے تو بیوی اسی طرح ان کے بالوں میں مالش کر رہی تھی۔ مولوی صاحب کے منہ سے بے اختیار ''سبحان اللہ'' نکل گیا۔ پھر وہ بڑے پیار سے بولے۔

''مجھے یقین نہیں تھا کہ مجھے ایسی وفاشعار اور فرمانبردار بیوی ملے گی--- میں بہت خوش ہوں، مانگو کیا مانگتی ہو؟''

بیوی سر جھکا کر بولی۔ ''سرکار! مجھے طلاق دے دیں---''

سلانے والی فلمیں

اداکارہ زیبا بختیار نے کہا ہے کہ ''بابو'' کی ناکامی کے بعد اب میں

بین الاقوامی معیار کی فلم بناؤں گی۔ بقول زیبا بختیار، اب شائقین کا مزاج بدل رہا ہے--- زیبا بختیار کا شمار ہمارے ملک کی ان اداکاراؤں میں ہوتا ہے جنہیں ہم پیار سے ''آنٹی'' کہتے ہیں۔ اس وقت فلم انڈسٹری میں بے شمار ''آنٹی ہیروئنیں'' موجود ہیں جن میں زیادہ تر ''آنٹی کرپشن'' ہیں۔ میرے قارئین میں سے جو لوگ کبھی سٹوڈیو گئے ہوں گے، وہ تائید کریں گے کہ سٹوڈیو ایک ڈھکی چھپی ''منڈی'' بنے ہوئے ہیں۔ ہر بندہ ایسی ایسی چھوڑتا ہے کہ پکڑی بھی نہیں جاتی۔ چھ سال سے ادھار روٹی کھانے والا بھی آپ سے کہے گا کہ ''فی الحال تو فلموں میں بہت مصروف ہوں''--- تعلیم کی درگت بنتی دیکھنی ہو تو سٹوڈیو تشریف لائیے۔ ایک معروف فلمی اداکارہ سے میں نے پوچھا کہ ''آپ کی Activities کیا ہیں۔''

جواب ملا۔ ''ہم دو بہنیں اور تین بھائی ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''بی بی! میں نے آپ کی Activities پوچھی ہیں، آپ کے والد کی نہیں---''

فلم انڈسٹری میں آنے والی وہ لڑکیاں جو ''پیدائشی لڑکیاں'' ہوتی ہیں، بالکل مردوں کی طرح ملتی ہیں۔ ہاتھ میں سگریٹ، منہ میں پان، زبان پر گالیاں۔

قارئین صاحب! سینماؤں میں پیار کے بول بولنے والی ان اداکاراؤں کو آپ عملی زندگی میں ایک نظر بھی دیکھ لیں تو آپ کے 32 طبق روشن ہو جائیں۔ فلم انڈسٹری منافقت اور مکاری کی ایسی دنیا ہے جہاں آپ کو ہر شخص کسی نہ کسی نقاب میں ملے گا--- ریما نے ایک دفعہ لندن کے ایک شو میں ایک دولتمند شخص کے پانچ ہزار ڈالر یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ''ڈانس ہی دیکھنا ہے تو اپنی بیٹی سے کہو''--- یہ جملہ ریما نے ہر محفل میں سب کو سنایا اور واہ واہ چاہی۔ میں حیران ہوں کہ ریما اگر سینما سکرین پر سینکڑوں لوگوں کے سامنے اور دوران شوٹنگ بیسیوں افراد کے سامنے رقص کر سکتی ہے تو لندن میں اگر کسی نے اس سے فرمائش کر دی تو کیا برا کیا؟

میرے ایک صحافی دوست نے فلم انڈسٹری کے سکینڈلز کے حوالے سے ایک کتاب چھاپی تھی، بعد میں اس کے گھبرائے ہوئے فون آنے لگے کہ کچھ لوگ مجھے مارنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ حوصلہ رکھو، فلم والے مارتے نہیں، ذلیل کرتے ہیں--- کچھ عرصہ بعد میرا کہا ثابت ہوا۔ موصوف ایک نیم اداکارہ کی زلفوں کے شکار ہوئے اور شادی رچالی۔ آجکل اداکارہ صاحبہ تو دوبارہ ''اپنے کام'' پر چلی گئی ہیں جبکہ یہ پنساری کی دوکان کھولنے کا سوچ رہے ہیں۔ اصل میں ہر فلم میکر شائقین کے مزاج کی فلم بنانا چاہتا ہے۔ شائقین سے مراد وہ ان لوگوں کو لیتے ہیں جو صرف پیدا ہی فلموں کے لئے ہوئے ہیں--- میں نے میاں صاحب سے پوچھا کہ ہمیں کیسی فلمیں بنانی چاہئیں؟--- اطمینان سے بولے۔

''بغیر آواز کی---''

''کیا مطلب---؟'' میں چونک اٹھا۔

کہنے لگے۔ ''جس طرح چارلی چیپلن یا قیام پاکستان سے پہلے فلمیں بنتی تھیں۔ خاموش فلموں کا ایک فائدہ ہوتا ہے کہ دوران فلم آپ اطمینان سے سو سکتے ہیں---''

پیر صاحب

لاہور کے علاقے شاہدرہ میں ایک پیر جن نکالنے کے لئے آیا اور لڑکی نکال کر لے گیا۔ تفصیلات کے مطابق لڑکی کے گھر والوں کو شبہ تھا کہ لڑکی کے اندر جن ہے لہٰذا فوری طور پر پیر صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں اور پھر وہی کچھ ہوا جو ایسے پیر صاحب کرتے ہوتے ہیں۔ مجھے تو یہ پیر بیر نہیں منگل لگتا ہے جو یقیناً اب کسی جنگل میں بیٹھا ہو گا---- اسی طرح کا ایک پیر جو بچوں کو تعلیم بھی دیا کرتا تھا، ایک دن اسی طرح لڑکی کو لے کر بھاگ گیا۔ لوگوں نے تعاقب کر کے پکڑ لیا اور خوب پھینٹی لگائی۔ لڑکی کے چاچے نے پیر صاحب کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی ایسی حرکت کرتے ہوئے؟''

پیر صاحب نے ایک جھٹکے سے گریبان چھڑایا اور کڑک کر بولے۔

''آرام سے بات کرو--- جس طرح میں نے تعلیم حاصل کی ہے، اسی طرح آگے دوں گا۔''

میں نے اس طرح کے جعلی پیروں فقیروں پر تین چار مفصل فیچر لکھے ہیں۔ ہر دفعہ مجھے دلچسپ تجربات ہوئے۔ ایک دفعہ میں اور میری ٹیم گجرات کے ایک پیر صاحب کے آستانے پر گئی۔ پیر صاحب نے ہم سے آنے کا مقصد پوچھا۔ میرے ایک دوست نے کہا کہ ایک مسئلہ حل کروانا ہے۔ پیر صاحب نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولے۔

''کوئی عشق وشق کا معاملہ ہے؟''

اس نے گھبرا کر کہا۔ ''نہیں، جناب---!''

''تو پھر---؟''

''اصل میں بات یہ ہے کہ میری بیوی مجھ سے بہت لڑتی جھگڑتی رہتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا تعویذ دیں جس سے وہ میری غلام ہو جائے۔''

پیر صاحب اس کی بات سن کر مسکرائے اور بولے۔ ''فکر نہ کر، بچہ! ایسا تعویذ دوں گا کہ وہ تمہارے پیر دھودھو کر پیے گی۔''

''نہیں، پیر صاحب! میں اسے جان سے نہیں مارنا چاہتا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''تم دیکھتے جاؤ، بچہ! ایسا تعویذ دوں گا کہ یاد کرو گے---لیکن پیسہ بڑا خرچ ہوگا---''

''کتنا---؟'' اس نے پوچھا۔

''تقریباً بیس ہزار---!''

''بیس ہزار---؟'' اس کے ہوش اڑ گئے۔ ''پیر صاحب! اتنے میں تو نئی بیوی آجاتی ہے؟''

پیر صاحب نے گھور کر میری طرف دیکھا اور بولے۔ ''کام بہت مشکل ہے، تیس دن کا چلہ کاٹنا ہوگا۔ ایک پیسہ بھی کم نہیں ہو سکتا---ویسے بھی میں رقم تھوڑی کر کے وصول کروں گا۔''

میرے دوست نے ہم ساتھیوں کی طرف دیکھا اور حامی بھر لی۔

پہلے روز پیر صاحب نے ہمیں ایک کالا بکرا لانے کے لئے کہا، بکرا پیش کر دیا گیا۔ اگلے روز پیر صاحب فرمانے لگے کہ میں نے اپنے عمل کے ذریعے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے، اس کے دل میں تمہارے لئے بہت نفرت بھری ہوئی ہے۔ اب مجھے اس نفرت کو محبت میں تبدیل کرنا ہے---کل بیس کلو چاول لے کر آنا۔

ہم اگلے روز بیس کلو چاول لے گئے۔ پیر صاحب کے پاس روزانہ سوالیوں کی لائن لگی ہوئی ہوتی۔ جب چار پانچ دن ہو گئے تو ایک روز پیر صاحب کہنے لگے

''آج میں نے اپنے عمل کے ذریعے تمہاری بیوی کے دل میں تمہارے لئے محبت کا پہلا منتر پھونک دیا ہے۔

چونکہ ہمارے فیچر کا معینہ وقت ختم ہو چکا تھا اور ہم نے پیر صاحب کی ''اہم تصاویر'' بھی بنالی تھیں اس لئے مقامی پولیس کی مدد سے پیر صاحب کو کانوں سے پکڑا اور تھانے لے گئے۔ وہاں تین ہی چھتروں میں انہوں نے اعتراف کر لیا کہ وہ پہلے محلے کی بوکیاں ٹھیک کیا کرتے تھے، پیسہ کمانے کے لئے یہ روپ دھارا جو بے حد کامیاب رہا۔

اس موقع پر پیر صاحب نے بطور خاص ہمارے دوست سے پوچھا کہ آپ کو کس بات سے پتا چلا کہ میں فراڈ ہوں؟---اس نے پیر صاحب کے کان میں آہستہ سے کہا۔

''میں ابھی بیوی کی نعمت سے محروم ہوں۔''

بااثر شخصیات کی ایڈوانس قبریں

سانگلہ ہل کے مرکزی قبرستان میں بااثر شخصیات نے اپنی ایڈوانس قبریں بنوالی ہیں جن کی تزئین و آرائش پر لاکھوں روپے کا ماربل لگایا گیا ہے۔ ان قبروں کی حفاظت اور صفائی ستھرائی کے لئے ماہانہ تنخواہ پر کئی نوجوانوں اور بوڑھوں کو ملازم رکھا گیا ہے۔ ایڈوانس قبریں بنوانا نئی بات نہیں، اس سے پہلے بھی ایسی خبریں سننے کو ملتی رہتی ہیں۔ بہر حال، قابل اطمینان بات یہ ہے کہ بااثر شخصیات کو بھی اپنی موت کا یقین تو ہے---ایسی ہی ایک بااثر شخصیت شہنشاہ جہانگیر کی بھی تھی۔ اس کا مقبرہ بھی اپنے دور کا قیمتی ترین مقبرہ کہلایا۔ آج اس کی یہ حالت ہے کہ کئی لوگ کوڑا پھینکنے بھی وہیں جاتے ہیں۔

بزرگوں اور بادشاہوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ بادشاہ زندہ رہ کر مر جاتے ہیں، بزرگ مر کر زندہ ہو جاتے ہیں۔ جہانگیر کے مقبرے سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مرد قلندر داتا صاحب کے نام سے محو استراحت ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ 24 گھنٹے بھوکے اپنا پیٹ بھرنے یہاں آتے ہیں۔

سانگلہ ہل کے قبرستان میں ایڈوانس قبریں بنوانے والے اس لحاظ سے بھی انوکھی شخصیت قرار دیے جا سکتے ہیں کہ انہوں نے قبروں کی حفاظت کے لئے باقاعدہ انتظامیہ بھی رکھی ہوئی ہے حالانکہ انہیں نہیں معلوم کہ پرانی قبر میں دفن ہونے کے کیا فوائد ہیں---ایک مراثی نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے کسی پرانی قبر میں دفنایا جائے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔

''اس لئے کہ فرشتے حساب لینے آئیں تو میں کہہ سکوں کا میرا حساب ہو چکا ہے۔''

میاں صاحب کہتے ہیں کہ قبروں میں ٹیلی فون بھی لگوا لینا چاہئے اور ٹی وی کی جگہ بن سکے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں---میاں صاحب کی بات میں وزن ہے کیونکہ اگر فرشتوں سے سوال و جواب میں کوئی مشکل آرہی ہو تو بندہ فون کر کے معلوم کر سکتا ہے البتہ ٹیلی ویژن والی بات سے مجھے اختلاف ہے۔ کسی ایک قبر میں ٹیلی ویژن رکھوانے سے قبرستان کے دیگر عوام میں احساس محرومی پیدا ہو سکتا ہے---اتفاق سے مجھے ابھی تک کسی قبر میں رہنے کا موقع نہیں ملا ورنہ میں تفصیلاً بتا سکتا تھا کہ قبر میں ٹی وی کی کون سی نشریات زیادہ اچھی لگتی ہیں۔

میاں صاحب کہتے ہوتے ہیں کہ ''کفن کی جیب نہیں ہوتی''---یعنی آپ دولت قبر میں ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ شائد اسی لئے یہ ''بااثر'' افراد اپنی زائد دولت اپنی قبروں پر لگا دیتے ہیں---کسی نے لکھا تھا کہ ایسے امراء مرتے بھی ہیں تو ایسی ایسی شاندار قبروں اور مقبروں میں دفن

نوید ظفر کیانی

ہوتے ہیں کہ یوں لگتا ہے یہ ایک بنگلے سے دوسرے بنگلے میں شفٹ ہو گئے ہیں۔ قبرستان پر میں نے بڑے بڑے طویل فیچرز کئے ہوئے ہیں، قارئین کے لئے یقیناً یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی کہ کئی قبرستانوں میں ایسی قبریں بھی موجود ہیں جن کی تعمیر پر اٹھنے والا خرچ 10 لاکھ سے بھی زیادہ ہے--- ''بااثر'' شخصیات کو چاہئے کہ وہ ساری رقم قبروں پر ہی نہ لگا دیں، کچھ آخرت کے لئے بھی بچا رکھیں۔ اب شیخ صاحب سے کسی نے پوچھا تھا کہ شیخ صاحب! آپ اتنا پیسہ کس لئے اکٹھا کر رہے ہیں؟ شیخ صاحب آہ بھر کر بولے۔

''شائد اگلے جہاں کوئی کام دھندہ ہی کرنا پڑ جائے۔''

انٹرنیٹ سیکھنے کا آسان طریقہ

آجکل انٹرنیٹ کا استعمال بہت زیادہ ہو چکا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ انٹرنیٹ پر ویب سائٹس کا ایک طوفان ہے اور لاحول ولاقوۃ، ایسی ایسی ویب سائٹس ہیں کہ جنہیں ایک دفعہ دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لے کے بعد دوبارہ دیکھنے کو جی چاہتا ہے--- میں انٹرنیٹ بہت کم استعمال کرتا ہوں۔ مجھے اس کے استعمال کا طریقہ بھی محدود سا آتا ہے البتہ میاں صاحب انٹرنیٹ کے کیڑے ہیں۔ 70 سال کی عمر میں بھی دو دو گھنٹے کمپیوٹر پر بیٹھے رہتے ہیں تاہم الٹی سیدھی ویب سائٹس دیکھ دیکھ کر ان کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اب تو دوکان سے ''دیسی گھی'' لاتے ہوئے بھی شرمانے لگے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ میاں صاحب! دیسی گھی صحت کے لئے بہت مضر ہوتا ہے، نہ استعمال کیا کریں۔ کسی دن فی سبیل اللہ مر جائیں گے--- لیکن وہ مانتے ہی نہیں، کہتے ہیں۔

''دیسی چیزوں کی بدولت ہی تو میں زندہ ہوں۔''

قارئین بھائی! میں نے جس قدر انٹرنیٹ کو جانا ہے، اسے مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کے لئے ایک شارٹ کٹ ڈکشنری ترتیب دی ہے۔ جو نیا نیا انٹرنیٹ سیکھنا شروع ہوئے ہیں، امید ہے کہ یہ ڈکشنری انہیں انٹرنیٹ سمجھانے میں معاون ثابت ہوگی۔ اگر آپ بھی نئے آنے والوں میں سے ہیں تو آئیے، میں آپ کو بھی انٹرنیٹ سمجھاتا ہوں۔

چیٹنگ: پنجابی میں اسے کہتے ہیں ''رنگ بازی''۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے، جس میں سننے پر چھ ہفتوں بعد کھلتا ہے کہ زلیخا مرد تھی یا عورت--- چیٹنگ اور ''چیٹنگ'' میں معمولی فرق ہوتا ہے۔ چیٹنگ کنوارے کرتے ہیں اور چیٹنگ شادی شدہ--- غالباً چیٹنگ دنیا کا واحد طریقہ علاج ہے۔ جس میں جنس تبدیل کرنے کے لئے کسی آپریشن کی ضرورت نہیں پڑتی البتہ کئی دفعہ جنس تبدیل کر کے چیٹنگ کرنے والے معمولی سی غلطی سے پکڑے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دن میاں صاحب خوشی سے بے قابو ہو رہے تھے۔ میں نے پوچھا تو لپک کر بولے۔

''ایک لڑکی پھنس گئی ہے۔''

''کسی مشکل میں---؟''

''ابے، نہیں--- میرے ساتھ---''

''ایک ہی بات ہے۔''

''بکواس نہیں کرو، وہ میرے ساتھ پھنسی ہے۔''

''اوہ، میں سمجھ گیا--- وہ بس میں آپ کے ساتھ پھنس کر بیٹھی ہو گی اور آپ نے سمجھ لیا کہ ''پھنس'' گئی۔''

''تمہیں اندازہ ہے کہ تم اس بات پر قتل بھی ہو سکتے ہو؟'' میاں صاحب نے اپنی ''کلین شیو'' مونچھوں کو تاؤ دیا۔

''لیکن آپ تفصیل بھی تو نہیں بتا رہے ہیں؟'' میں نے جلدی سے کہا۔

کیا کہوں

برق کی بے حد کمی ہے، کیا کہوں
موم بتی جل رہی ہے، کیا کہوں
کیا کہا، وہ قوم کا ہمدرد ہے
اپنا لیڈر لالچی ہے، کیا کہوں
کہہ رہے تھے کل جو خود کو خر نواز
لات ان کو بھی پڑی ہے، کیا کہوں
گوشت کھانا ہو تو بن جنگل کا شیر
دال بھی مہنگی ہوئی ہے، کیا کہوں
شہر میں کیسے صفائی وہ کریں
مچھروں سے دوستی ہے، کیا کہوں
ان کو گلیوں سے مہک آتی نہیں
ناک اونچی ہو گئی ہے، کیا کہوں
ہے یہ افریقہ میں لیکن دوستو!
مصر، مصری کی ڈلی ہے، کیا کہوں
ایک ذرہ یاں نظر آتا نہیں
چین سے چینی ملی ہے، کیا کہوں
شاید آ جائے اب اس میں کچھ ابال
پھول جی! باسی کڑھی ہے، کیا کہوں

✿ تنویر پھول

میاں صاحب پھر خوش ہو گئے۔ میرے کان کے قریب ہوئے بولے۔

"ایک لڑکی نے انٹرنیٹ پر مجھ سے دوستی کر لی ہے---"

یہ کہتے ہوئے میاں صاحب نے جھٹ سے انٹرنیٹ آن کیا اور ایک خاتون کی چار پانچ لمبی چوڑی ای میلز نکال کر پڑھوا دیں--- میں نے کہا۔

"ماشاءاللہ--- ویسے یہ آپ ای میل سے "فی میل" کی طرف کیسے جا نکلے، کچھ روشنی ڈالیے۔"

فخر سے بولے۔ "بس، یار! بہت دنوں سے تنگ کر رہی تھی؟"

"کون، جوتی---؟"

"ابے انہیں، لڑکی--- تم آج شام کو میری طرف آنا، دیکھنا ہماری کیسے چیٹنگ ہوتی ہے۔"

شام کو میں حکم کے مطابق میاں صاحب کی طرف آ گیا۔ میاں صاحب نے کمپیوٹر آن کیا تو واقعی محترمہ آن لائن تھیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں طرف سے "دھوتوڑ" چیٹنگ شروع ہو گئی۔ میں حیران تھا کہ خاتون خاصی بے باکی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اچانک ایک سوال کے جواب میں خاتون نے لکھا۔

"میں دیال سنگھ کالج میں پڑھتی ہوں۔"

میں یکدم اچھل پڑا۔ "میاں صاحب! دیال سنگھ کالج تو لڑکوں کا ہے---؟"

یہ سنتے ہی میاں صاحب کا چہرہ غصے سے سبز ہو گیا۔ کافی دیر تک وہ "ہاٹ میل" کو گھورتے رہے۔ پھر "یاہو" کھول لیا۔

ایم ایس این: اس کا مطلب ہوتا ہے کہ میں سیریس نہیں--- اس میں ان لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے جن سے آپ سیریس نہیں ہونا چاہتے تاہم اگر کوئی آپ سے سیریس ہو بھی جائے تو آپ کے پاس ایک آپشن ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں "Delete"--- اس کو کلک کرنے سے کوئی آپ سے سیریس نہیں ہو سکتا۔

ای میل: یہ "فی میل" اور خیبر میل سے بھی آگے کی چیز ہوتی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ خواتین کو ہوتا ہے جو گھر بیٹھے ایک دوسرے کو "میل" male بھیج سکتی ہیں۔

ویب سائٹ: جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ کئی ویب سائٹس "پیرا سائٹس" سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ ان کا نشہ ہیروئین سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اب آپ سے بہتر کون جانتا ہو گا لہٰذا کوشش کریں کہ www کے بعد جو بھی ٹائپ کریں، اس سے پہلے "اعوذ باللہ" ضرور پڑھ لیں۔

امید ہے آپ انٹرنیٹ کا استعمال سیکھ گئے ہوں گے۔ اب مجھے اجازت دیجئے، مجھے ذرا انٹرنیٹ سیکھنے جانا ہے۔

نام، نام اور بس نام

ہمارے خان بھائی بہت Sensitive ہوتے ہیں، اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اہم واقعے کے نام پر بچوں کے نام رکھ دیتے ہیں۔ زلزلہ خان، ایٹم خان، بجٹ خان--- سیانے کہتے ہیں کہ جو خان، سمندر میں پیدا ہو، وہ "سمندر خان" کہلاتا ہے۔ جو دریا میں پیدا ہو، وہ "دریا خان" ہونا چاہئے--- مختلف اقوام کے لوگ اپنی اپنی روایات کے مطابق بچوں کے نام رکھتے ہیں۔ چین ہی کو دیکھ لیجئے۔ وہاں غالباً بچے کی پیدائش کے وقت بچے کے سرہانے پڑی ہوئی کوئی چیز نیچے پھینک دی جاتی ہے، اس کے گرنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے، وہی بچے کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ مثلاً، اگر چمچ گرے تو "چھن چھنگ" اور اگر گلاس گرے تو "ہانگ ٹانگ"--- خدانخواستہ اگر یہی طریقہ ہمارے ہاں بھی رائج ہو جائے تو کیا ہو گا۔ ہمارے ہاں تو بچے کے سرہانے چیزیں ہی بڑی عجیب رکھی ہوئی ہوتی ہیں، مثلاً لوہے کا ٹکڑا کہ بچہ ڈر نہ جائے۔ چاولوں کی تھیلی کہ بچے کا سر صحیح بنے۔ خدا گواہ ہے کہ اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز نیچے گرائی جائے تو بچے کا نام رکھنا پڑے گا "چوہدری دھم ٹھک---!"

آج کل ہمارے ہاں بلکہ پوری دنیا میں اسلامی لوگ بچوں کا نام اسامہ رکھ رہے ہیں۔ میرے ایک دوست نے بھی اپنے نومولود کا نام اسامہ رکھا۔ عقیدت کی انتہا دیکھئے کہ بنا غور کئے ساتھ "بن لادن" بھی لگایا ہوا ہے--- میں نے کہا کہ جناب! آپ کا نام تو سرفراز ہے، پھر آپ کا بچہ "بن لادن" کیسے ہو گیا؟--- انہوں نے خوفزدہ ہوتے ہوئے فوراً بچے کا نام کر دیا "اسامہ بن لادن بن سرفراز"--- میرا ایک دوست کہتا ہے کہ نام میں کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا۔

"اگر نام میں کچھ نہیں رکھا تو کھوتا کہنے میں مائنڈ کیوں کرتے ہو۔"

جناب قارئین جی! شادی کے بعد عورت اپنے نام کے بعد اپنے مرد کا نام لگاتی ہے۔ خود ہی سوچئے کہ اگر عورت کا نام اور مرد کا نام ایک دوسرے کی ضد ہوں تو عورت کا نام کتنا برا لگے گا۔ مثلاً مہہ جبین دتہ، شہلا ڈاوایا، فریحہ بوٹا--- یا یوں کہہ لیجئے کہ مسز دتہ، مسز ڈاوایا اور مسز بوٹا--- لہٰذا نام فوراً بدل لیجئے، اس سے پہلے کہ دلہن سے پوچھا جائے۔

"مسمات گل بدن، ولد تن بدن، تمہیں حق مہر شرعی بیس روپے

نوید ظفر کیانی

کے عوض موجودگی چار گواہان مسمی بھلا مانس ولد بن مانس قبول ہے۔۔۔؟"

اور دلہن کی چیخ نکل جائے۔

نام کے حوالے سے مجھے اپنے نام کے بڑے فائدے ہیں۔ یونیورسٹی میں بھی میرے داخلہ فرم اکثر لڑکیوں والی کھڑکی میں بھی قابل قبول سمجھے جاتے تھے۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ چند سال قبل مجھے راولپنڈی کے ایک شوقین مزاج کا خط موصول ہوا۔ موصوف نے میری کچھ تحریریں پڑھ رکھی تھیں لیکن غالباً میری جنس سے ناواقف تھے لہٰذا اپنے پہلے خط میں صرف میری اور میری تحریر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے اور آخر میں ایک سوال پوچھا۔

"کیا ہماری دوستی ہوسکتی ہے؟"

چونکہ ان کے خط میں کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ انہوں نے مجھے صنف نازک سمجھ کر خط لکھا ہے لہٰذا میں نے بھی سادہ سا جواب تحریر کر دیا۔

"کیوں نہیں۔۔۔"

پھر ان کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ میری طرف سے جواب میں تاخیر ہوئی تو ایک خط میں لکھا۔

"تم نخرے، بہت کرتی ہو۔۔۔"

میں نے احتیاطاً خود کو "چیک" کیا اور جب تانیث کے مرتبہ معیار پر پورا نہ پایا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے فوراً اس وقت ایک تصویر انہیں ارسال کی جب میں "داڑھی شدہ" ہوتا تھا۔ جواب ارجنٹ میل سے آیا، لکھا تھا۔

"صوفی! تیرا ککھ نہ رہے، میں تو ماں کو بھی راضی کر لیا تھا۔"

سیلف میڈ کلچر

ایک امیر ترین باپ نے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو، بیٹے! محنت کرو، زندگی میں اپنا مقام خود بناؤ۔ میری طرف دیکھو، میں جب گاؤں سے شہر آیا تھا تو میرے پاس صرف ایک چھوٹی سی صندوقچی تھی لیکن میں نے محنت کی اور آج میں بے شمار پلازوں کا مالک ہوں۔"

بیٹے نے تجسس سے پوچھا۔ "اس صندوقچی میں کیا تھا؟"

باپ نے اطمینان سے کہا۔ "دو کروڑ روپے۔۔۔!"

تو، قارئین! ایسے بے شمار سیلف میڈ لوگوں سے میری روز ملاقات ہوتی ہے۔

ایک جوان نے بڑے اعتماد سے مجھے خط لکھا ہے کہ میں اگرچہ کاروبار میں ناکام ہوگیا ہوں لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور ایک دفعہ پھر ابو سے پانچ لاکھ مانگ لئے ہیں۔

کچھ لوگ منہ میں سونے کا چمچ نہیں، ہیرے کی دیگ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ پھونک بھی ماردیں تو ہوا سونے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ کراماتی نہیں، جناتی ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو صرف منہ لے کر اس دنیا میں آتے ہیں اور سونے کا چمچ تلاش کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔۔۔ یہ ساری دنیا خاندانی امیری کی اتنی عزت نہیں کی جاتی جتنی اس شخص کی کہ جو زیرو سے ہیرو بنتا ہوا لہٰذا لوگ بڑھ چڑھ کر اپنے سیلف میڈ ہونے کے ثبوت پیش کرنے لگے

شغل + مغل

✪ ہمیں کلوکی لیدر کی جیکٹ پہننے والے موچھوں کا وزن نہیں اٹھا سکتے۔۔۔ نازیہ ناز نازی

☆ حالانکہ صنف نازک ہونے کے باوجود لڑکیاں ہمیں کلو میک اپ کا وزن اٹھائے پھرتی ہیں۔

✪ عورت اور موسیقی کبھی پرانے نہیں ہوتے۔۔۔ (ایک دانشور)۔۔۔ نازیہ ناز نازی

☆ اور دونوں دردِ سر کا باعث بھی تو ہوتے ہیں۔

✪ ہر مرد عقلمند نہیں ہوتا کچھ شادی شدہ بھی ہوتے ہیں۔

☆ لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیجئے کہ آپ اول الذکر میں سے ہیں یا آخر الذکر میں؟

✪ اپنی بیوی کے سامنے جو ایک لفظ نہیں بول سکتے' وہ چاند میں عورتوں کے خلاف لکھتے ہیں۔۔۔ نازیہ ناز نازی

☆ بیویاں کتنی ظالم ہوتی ہیں اندازہ کیجئے۔

✪ بینک بیلنس بہت سے بدصورت لوگوں کو شادی شدہ بنا دیتا ہے۔۔۔ بدر سعید

☆ ہماری طرف سے بھی شادی کی مبارک ہو۔

✪ بیوی کو سیدھا کرنے کا واحد حل۔۔۔ مولا بخش یعنی ڈنڈا۔۔۔ سید محمود گیلانی

☆ مگر فی زمانہ اس بہادری دکھائے کون؟

✪ جانے کیوں یہ مرد شوہر بن کر "ہلاکو خان" کیوں بن جاتے ہیں۔۔۔ نازیہ ناز نازی

☆ بیویاں بھی تو "پھولن دیوی" بن جاتی ہیں نا!

✪ فضول خرچی کی بیچ پر عورت عمدگی سے بیٹنگ کرتی ہے۔۔۔ توصیف احمد

☆ اور مرد بے چارہ باؤلنگ کروا کروا کر ہلکان ہو جاتا ہے۔

✪ اور یہ مرد جو اپنے ہر اُلٹے کام کو مجبوری کا نام دیتے ہیں۔۔۔ نازیہ ناز نازی

☆ یہاں اُلٹے کام سے مراد "شادی" ہی ہے' نا!

✪ شادی سے پہلے مرد مہربان اور بعد پورا شیطان ہوتا ہے۔۔۔ نازیہ ناز نازی

☆ بعد میں شیطان کی خالہ سے جو واسطہ پڑ جاتا ہے۔

✪ شادی کے بعد ہر لڑکی نیک ہو جاتی ہے کیونکہ وہ شوہر کو دیکھ کر "استغفر اللہ" پڑھتی رہتی ہے۔

☆ گویا تسلیم ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی بد ہوتی ہے؟

✪ فٹ بال کا کھیل اس لیے ایجاد کیا گیا تاکہ مرد لاتیں مارنے کا شوق پورا کر لیں۔۔۔ فرحین

☆ اور عورتوں نے مرد کو ہی فٹ بال سمجھ رکھا ہے۔

محمد صابر مغل عبدو پوری

ہیں۔ان سیلف میڈ لوگوں سے پوچھیئے کہ اب جبکہ آپ کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے تو کیا آپ کسی اور سیلف میڈ کو بھی آگے آنے کا موقع دیں گے؟---میاں صاحب اصلی سیلف میڈ لوگوں کی ایک پہچان بتایا کرتے ہیں کہ وہ ہنستے بہت ہیں۔میں نے حیرانی سے پوچھا کہ یہ کیا پہچان ہوئی؟---کہنے لگے۔

''جو شخص زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما رہتا ہے،اس کے چہرے پر تھکن مسکراہٹ بن کر جھلکتی ہے۔یہ سچ ہے کہ آج کل کے دور میں مسکرانا بڑے دل گردے کا کام ہے۔میں کئی ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جن کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی مسکراہٹ چھپائیں۔اسی کوشش میں ان کا منہ ایسے بن جاتا ہے جیسے عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی غرارے کر رہا ہو---تو پھر آپ خود ہی بتایئے کہ یہ لوگ سیلف میڈ کیسے ہوئے۔

ہمارے ہاں اکثر لوگ سیلف میڈ کم سیلف میڈ'' Self Mad'' زیادہ ہیں تاہم Self Broken (اپنے آپ کو توڑنے والوں) کا بھی جائزہ لیں۔یہ بھی کوئی آسان کام نہیں۔پوری قوم سیلف میڈ ہو گئی تو حکومت کا کیا مقصد رہ جائے گا؟ یہ نہ ہو کہ صرف قرضے اور ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے سیلف میڈ کلچر شروع ہو جائے---جیسے کہ ایک نابینا حافظ صاحب سے کسی نے پوچھا کہ حافظ جی! حلوہ کھائیں گے؟---حافظ جی ایسے بولے۔

''کیوں نہیں،اندھے کس لئے ہوتے ہیں---؟''

کرایہ نامہ

کل ردی کاغذوں کے ڈھیر میں سے ایک پانچ سال پرانا''کرایہ نامہ''ہاتھ لگ گیا۔یہ آج سے پانچ سال پہلے لکھا تھا جب میرے ایک بہت اچھے دوست افضل نے لاہور میں میرے فلیٹ میں رہنے اور کرایہ شیئر کرنے کی پیشکش کی تھی۔افضل آجکل بیوی کو پیارا ہو چکا ہے البتہ یہ کرایہ نامہ مجھے ہمیشہ اس کی یاد دلاتا رہے گا۔اس کرائے نامے کی شرائط میں نے دو دن کی مسلسل سوچ و بچار کے بعد تحریر کی تھیں،ملاحظہ کیجئے۔

شرط نمبر۱:کمرے کا کرایہ ہر مہینے کی کیم اور تیس تاریخ کو دینا ہوگا۔

شرط نمبر۲:آپ مجھے''آپ''اور میں آپ کو''تو''کہہ کر بلاؤں گا۔

شرط نمبر۳:بوقت ضرورت آپ مجھے ادھار دیا کریں گے۔

شرط نمبر۴:پورے دن میں آپ صرف دو دفعہ باتھ روم جایا کریں گے،زیادہ دفعہ استعمال کرنے کی صورت میں'فی پھیرا'پانچ روپے دیا کریں گے۔

شرط نمبر۵:اگر آپ نے رات کو خراٹے لئے تو مجھے آپ کو قتل کرنے کا پورا حق حاصل ہوگا۔

شرط نمبر۶:کمرے کی دو چابیاں ہوں گی اور دونوں میرے پاس رہیں گی۔

شرط نمبر۷:آپ دھوتی پہن کر نہیں سوئیں گے اور اگر دھوتی پہن کر سوئے تو پنکھا بند رکھنا ہوگا۔

شرط نمبر۸:آپ کا کوئی مہمان کمرے میں نہیں آئے گا اور اگر آیا تو واپس نہیں جائے گا۔

شرط نمبر۹:اگر آپ نے میرے کپڑے استعمال کئے تو مجھے حق حاصل ہوگا کہ میں سر بازار آپ سے اپنے کپڑے وصول کر لوں۔

شرط نمبر۱۰:آپ مجھے بیہودہ لطیفے نہیں سنائیں گے بلکہ یہ کام میں خود کیا کروں گا۔

شرط نمبر۱۱:روزانہ آپ جھاڑو لگایا کریں گے اور روزانہ میں صفائی کا معائنہ کیا کروں گا۔

شرط نمبر۱۲:میرے ہر مہمان کے سامنے آپ خود کو میرا نوکر ظاہر کریں گے۔

شرط نمبر۱۳:اگر آپ نے میرا ٹوتھ برش یا شیونگ کریم استعمال کی تو سزا کے طور پر آپ 16 منٹ تک''توے''پر قیام فرمائیں گے۔

شرط نمبر۱۴:کمرے میں گانے صرف میری مرضی کے سنے جائیں گے،کیسٹیں آپ لایا کریں گے۔

شرط نمبر۱۵:اگر میں کبھی کبھار جوش جذبات میں آپ کو''گدھا''کہہ دوں تو آپ مائنڈ کرنے کی بجائے مسرت کا اظہار کریں گے۔

شرط نمبر۱۶:کمرے میں کسی محترمہ کا ذکر کرنے سے پہلے آپ کو دو دن پیشگی اجازت لینا ہوگی۔

شرط نمبر۱۷:اگر خدانخواستہ کمرے میں آپ کا انتقال ہو گیا تو آپ کو اپنی لاش خود اٹھا کر باہر لے جانا ہوگی۔

شرط نمبر۱۸:آپ جب بھی اپنے لئے ایک کپ کافی بنائیں گے،اس میں سے دو کپ میرے لئے بھی رکھیں گے۔

شرط نمبر۱۹:مجھے کبھی کبھار بہت غصہ آجاتا ہے۔اگر ایسی کسی کیفیت میں میں آپ کو ایک تھپڑ جڑ دوں تو آپ اسے ہنس کر در گزر کر دیں گے۔

شرط نمبر۲۰:جون جولائی کے مہینے میں اگر بجلی چلی گئی تو آپ مجھے ہاتھ سے بجلی والا پنکھا جھلیں گے۔

(نوٹ):ان شرائط کے علاوہ بھی وقتی ضرورت کے تحت کوئی نئی شرط عائد کی جاسکتی ہے۔اگر آپ کو یہ برائے نام اور معمولی سی شرائط منظور ہوں تو براہ کرم نیچے دستخط کر دیجئے،میرے کمرے کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہیں---جی آیاں نوں!

نیاز مند صوفی

میں سمجھتا تھا جو شخص صوفیوں میں نیاز تقسیم کرے، اُسے نیاز صوفی کہتے ہیں لیکن نیاز صوفی سے مل کر اندازہ ہوا کہ جو صوفیوں میں نیاز تقسیم نہ بھی کرے، وہ بھی نیاز صوفی ہو سکتا ہے--- آج سے تقریباً پانچ سال قبل میں نے ان کو ٹی ہاؤس میں دیکھا، بڑے مدلل انداز میں رشید مصباح کے افسانے کی برائیاں بیان کر رہے تھے۔ برائیاں بیان کرتے کرتے وہ اچانک اس افسانے کے خطرات بیان کرنے لگے۔ یوں پہلے انہوں نے حاضرین کو متنفر کیا، پھر خوفزدہ--- کچھ عرصہ بعد نیاز صوفی صاحب کا افسانہ تنقید کے لئے پیش ہوا تو رشید مصباح نے حملے شروع کر دیئے لیکن نیاز صوفی بڑے تحمل سے سنتے رہے۔ ارباب ذوق کے اجلاس کے بعد بھی ان کے افسانے کی مخالفت میں آوازیں آتی رہیں لیکن انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ انہیں اپنے دفاع سے اتنا بے خبر دیکھ کر میں نے احتیاطاً پوچھا۔

''آپ فوجی تو نہیں؟''

مسکرا کے بولے۔ ''جی ہاں---''

اور میرے حلق سے ٹھنڈی سانس نکل گئی۔

نیاز صوفی چھ فٹ کے خوبصورت اور گبھرو صوفی ہیں۔ آواز اتنی اونچی اور گرجدار ہے کہ میرا خیال ہے، روزِ محشر صور اسرافیل کے لئے بھی شائد انہی کی خدمات حاصل کی جائیں گی--- شاعروں اور مشاعروں کے بہت شوقین ہیں۔ چونکہ ایئر فورس میں تھے اس لئے خلاء میں رہتے تھے اور زمین کی طرف دیکھتے تھے۔ آجکل شاعری کرتے ہیں اور خلاؤں میں گھورتے ہیں--- ان کی ایک بڑی خطرناک عادت ہے کہ بغیر ہوشیار کئے اچانک انگریزی شروع کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے کئی شاعر ادیب ان سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔

تاریخ پر بھی صوفی صاحب کی گہری نظر ہے۔ میں نے کئی دفعہ انہیں کیلنڈر گھورتے دیکھا ہے۔ چونکہ بنیادی تعلق سیالکوٹ سے ہے اس لئے ہر بات میں ''دا'' لگا جاتے ہیں--- ڈرائیونگ میں بھی بہت مہارت رکھتے ہیں، اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی دفعہ گاڑی صحیح سلامت واپس لا چکے ہیں--- موسیقی سے بھی رغبت ہے۔ ہیر بڑے شوق سے سنتے ہیں، غلام فرید کی کافیوں کے دیوانے ہیں۔ آپ دلیر مہدی کے گانے غلام فرید کی کافیاں کہہ کر سنا دیجئے، صوفی صاحب سر دھنتے ہوئے آبدیدہ ہو جائیں گے--- چونکہ ''پیشے کے اعتبار سے'' بٹ ہیں اس لئے خوبصورتی کا یہ عالم ہے کہ اس عمر میں اگر سر پر دوپٹہ لے لیں تو کسی غریب کا گھر بسا سکتے ہیں۔

سگریٹ اتنے زیادہ پیتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے سامنے اپنی ڈبی نکالتے ہوئے ڈرتے ہیں--- قد کے معاملے میں مینار پاکستان سے دو سال چھوٹے ہیں۔ سعد اللہ شاہ سے گلے مل رہے ہوں تو بڑا دلچسپ منظر ہوتا ہے۔ سعد اللہ کا قد اپنے ادبی قد کے برابر ہے، اندازہ لگا لیجئے کہ وہ صوفی صاحب کے کہاں تک آتا ہوگا--- جب سے صوفی صاحب نے کالم لکھنے شروع کئے ہیں، ان کی مصروفیات اور بھی بڑھ گئی ہیں لہٰذا اب وہ سارا دن اطمینان سے سوتے ہیں--- طبیعت میں ملائمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دوست احباب سے اتنی محبت سے پیش آتے ہیں کہ بعض اوقات ان پر پٹھان ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان کی نیاز مندیاں یونہی جاری رہیں تو اکتوبر کی 45 تاریخ تک وہ نیاز صوفی کی بجائے نیاز مند صوفی مشہور ہو جائیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی عادت نہیں چھوڑیں گے، بالکل اس قلفی والے کی طرح جسے گاؤں والوں نے مولوی کے مرنے کے بعد زبردستی جمعہ کے خطبے کے لئے کھڑا کر دیا تھا۔

ہوا یوں کہ ایک گاؤں کی مسجد کے مولوی صاحب انتقال کر گئے۔ گاؤں والوں کو فکر ہوئی کہ جمعہ کون پڑھائے گا۔ چوہدری صاحب نے حکم دیا کہ فوری طور پر مولوی کا انتظام کیا جائے۔ گاؤں والوں کو اور تو کوئی داڑھی والا نہ ملا تو ایک قلفی والے کو پکڑ لائے۔ قلفی والے نے بادل نخواستہ خطبے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''مسلمانو! نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، خیرات کرو، روزے رکھو، نیک کام کرو گے تو تمہیں حوریں ملیں گی۔ اچھی اچھی، خوبصورت، کھوئے والیاں، ملائی والیاں---!''

شیم---اکرم

وسیم اکرم نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ ''میں ساری زندگی عزت سے کھیلا ہوں''--- انہوں نے واضح نہیں کیا کہ کس کی عزت سے کھیلے ہیں۔ کرکٹ کی یا ملک کی؟--- وسیم اکرم کا شمار ہمارے ان کرکٹرز میں ہوتا ہے جو ''بھاگتے'' میں ثانی نہیں رکھتے۔ کچھ احباب کہتے ہیں کہ وسیم اکرم کو جوئے کے الزام میں پھنسایا گیا، کچھ کی رائے ہے کہ سب سچ ہے۔ میاں صاحب نے ''شیم شیم'' کا ایسا واویلا بلند کیا کہ مجھے لگا جیسے آئندہ وسیم اکرم ''شیم---اکرم'' ہو جائیں گے۔

کافی عرصہ پہلے ٹی وی پر روزانہ وزارت صحت کی طرف سے سگریٹ نوشی کے خلاف ایک اشتہار آیا کرتا تھا جس میں ورزش کرتے ہوئے وسیم اکرم سے دو لڑکے پوچھتے تھے۔

''آپ تھکتے نہیں---؟''

نوید ظفر کیانی

وسیم اکرم جواب میں کہتے تھے۔ ''نہیں، میں سگریٹ نہیں پیتا۔''
اب اگر یہی اشتہار بورڈ کی طرف سے آیا تو کچھ یوں ہوگا۔ یہی دو لڑکے حیرت زدہ ہو کر پوچھیں گے۔

''آپ نے کتنا پیسہ کرکٹ سے کمایا ہے؟''

وسیم اکرم فوراً کہیں گے۔ ''نہیں، میں کرکٹ نہیں کھیلتا---''

میاں صاحب کہتے ہیں کہ میری بچپن سے خواہش تھی میں بڑا ہو کر کرکٹر بنوں لیکن جب بڑا ہوا تو پتا چلا کہ شوق ہی دم توڑ گیا ہے۔

''وہ کیوں---؟'' میں نے پوچھا۔

آہ بھر کر بولے۔ ''بس یار! کوچ نے کہا کہ یہ گیم بڑی عزت سے کھیلنے والی ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی! مر جاؤں گا لیکن ''عزت سے'' نہیں کھیلوں گا۔''

قارئین جی! وسیم اکرم ہو یا ''شیم---اکرم''۔ آپ کسی کو پیسہ کمانے سے روک نہیں سکتے۔ پیسہ کمانا ہر شخص کا حق ہے۔ آپ میں اور بڑے کاریں بدلتے ہیں، آپ بسیں بدلتے ہیں۔ اب تو کرکٹ کا جواء اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ میرا وسیم اکرم کو ذاتی مشورہ ہے کہ وہ کوئی چھوٹا موٹا ''کسینو'' کھول لیں--- میں نے میاں صاحب سے پوچھا۔

''کیا خیال ہے، ہاکی کی بجائے کرکٹ کو ہمارا قومی کھیل نہ قرار دے دیا جائے؟''

اطمینان سے بولے۔ ''حالات کی رو سے تو ''جواء'' قومی کھیل قرار دیا جانا چاہئے۔''

قارئین جی! وسیم اکرم نے جواء کھیلا یا نہیں، اس بات قطع نظر مجھے تو اس بات کی ہے کہ اس نے ''عزت سے کھیلنے'' کا اعتراف تو کیا---
واہ--- ''شیم---اکرم---!''

اللہ کے نام پہ بابا

استاد محترم عطاء الحق قاسمی فقیروں سے بہت پریشان ہیں۔ ان کا دفتر بھی پرانی اور نئی انارکلی کے درمیان میں ہے اور یہ جگہ فقیروں کی پسندیدہ ہے۔ کالم نگار لکھ لکھ کر تھک گئے ہیں کہ فقیروں پر پابندی لگنی چاہئے لیکن مجال ہے جو آج تک کسی کے کانوں میں جوں تک بھی رینگی ہو لہٰذا غور و فکر کے بعد میں نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا ہے کہ فقیروں کی بجائے بھیک دینے والوں پر پابندی لگا دینی چاہئے۔ جو شخص بھی بھیک دیتا ہوا نظر آئے، اسے 72 گھنٹوں کے لئے حوالات میں بند کر دینا چاہئے۔ سوچتا ہوں، اگر واقعی ایسا ہو گیا تو کیا منظر ہوگا؟--- پھر اخبارات میں کچھ اس طرح کی خبریں شائع ہوا کریں گی۔

☆ انارکلی پولیس نے چھاپہ مار کر بھیک دیتے ہوئے چار ملزم گرفتار کر لئے۔ بھیک پر لگی ہوئی رقم قبضے میں لے لی گئی۔

☆ سی آئی اے نے پانچ نوجوانوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جو عید کے موقع پر بھکاریوں میں بھیک تقسیم کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔

☆ مال روڈ کے ایک پلازہ میں چھاپہ--- بھیک سے بھرے دو تھیلے برآمد۔

☆ بھکاری کی رپورٹ پر سیٹھ چینی والا کے خلاف بھیک دینے کا مقدمہ درج کر لیا گیا۔

☆ شریف گھرانے کے دو نوجوان بھیک دیتے ہوئے موقع پر گرفتار--- پولیس کے لئے انعامات کا اعلان!

☆ تھانہ سمن آباد نے بھیک دینے والے ایک گروہ کو گرفتار کیا ہے جس نے دوران تفتیش بھکاریوں کے علاوہ ناداروں اور بیواؤں کو بھی بھیک دینے کا اعتراف کیا ہے۔

ایسی صورت حال قریب ہی نظر آ رہی ہے کیونکہ جہاں مساجد کے خطبوں پر پابندی اور کیبل پر مجروں کی اجازت دے دی گئی ہو، وہاں حالات یکدم تبدیل ہو جانا انوکھی بات نہیں۔

فقیروں پر میں نے بہت سے کالم لکھے ہیں لیکن کتنی زیادتی کی بات ہے کہ فقیروں نے آج تک مجھ پر ایک کالم بھی نہیں لکھا۔ استاد محترم فقیروں سے کم اور فقیرنیوں سے زیادہ پریشان ہیں کیونکہ انارکلی کی فقیرنیاں ہاتھ آگے کرتے ہی کہتی ہیں۔

''اللہ کے نام پر کچھ تو دے دو---''

اب کون انہیں سمجھائے کہ بعض اوقات کسی کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہر بندہ میری طرح ارب پتی تو نہیں ہوتا، نا!

ایک فقیر نے مجھ سے ایک روپیہ مانگا۔ میں نے دیا تو کہنے لگا۔
''مانگ کیا مانگتا ہے۔''

میں نے فوراً کہا۔ ''روپیہ واپس کر دو---''

جناب! ہمارے ہاں کے فقیر تو ویسے بھی بندے کو گھاؤں ماؤں کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وقت کی مناسبت سے انہوں نے اپنی دعاؤں کے الفاظ بھی بدل لئے ہیں۔ پچھلے کسی دور میں فقیر لڑکے کو دعا دیتے تھے۔

''جا، بچہ! اللہ تیری شادی کرائے---''

آج کہتے ہیں۔ ''جا، بچہ! کوئی خوبصورت لڑکی تجھے اپنے ایم ایس این میں ADD کرے--- جا، اللہ تیری ہارڈ ڈسک میں وائرس پڑے---''

کل پریس کلب کے قریب ایک فقیر مل گیا۔ فقیر کیا تھا، پورا

نوید ظفر کیانی

''شفقت چیمہ'' تھا--- بڑے جلال سے بولا۔

''اے، بابو---!''

میں نے بھی اسی طرح کہا۔ ''ہاں، بی بی---!''

کڑک کر بولا۔ ''نکال ایک روپیہ---''

''اچھا، جی---!'' میں نے اس کے کشکول میں ہاتھ ڈالا۔

''اے---اے---یہ---یہ کیا کر رہا ہے؟'' وہ اچھل پڑا۔

''بابا جی! آپ ہی نے تو کہا ہے کہ ایک روپیہ نکال---؟''

''اے، اپنی جیب سے نکال، میرے کشکول میں سے نہیں۔'' بابے نے دانت پیسے۔

''اوہ، آئی سی---''

میں نے کھسیانہ ہو کر اپنی جیب میں نظر ڈالی لیکن وہاں ایک روپے کا Chnage نہیں تھا۔ میں نے پانچ کا نوٹ پیش کر دیا۔ پانچ کا نوٹ دیکھتے ہی کھل اٹھے اور یکدم ہاتھ اوپر کر کے بولے۔

''جا، بچہ! تو نے مجھے پانچ روپے دیئے، اللہ تجھے پانچ کا کرے گا۔''

یہ سن کر میرے 16 طبق روشن ہو گئے۔ گھر آ کر میں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کیونکہ میں بابے کو پانچ کی بجائے ''پچاس'' روپے دینے والا تھا۔

- ڈاکٹر صاحب

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات ان کے مرغی خانے پر ہوئی تھی آپ نہایت منکسر المزاج ڈاکٹر ہیں طبیعت کی سادگی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ کئی کمزور دل مریضوں کو سرنج کے بغیر ہی انجکشن لگا دیتے ہیں--- آپ کا پورا نام ڈاکٹر ایم ایس این ہے۔ نام سے یہ مت سمجھئے گا کہ موصوف چیٹنگ کے بانی ہیں بلکہ ان کا نام ہے محمد سرور نعیم ہے۔ یہ جو آپ اکثر سنتے ہیں کہ انٹرنیٹ کا ''سرور'' خراب ہو گیا ہے، وہ ''سرور'' ڈاکٹر صاحب ہی ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو مونچھیں رکھنے کا بہت شوق ہے۔ ان کے بس میں ہو تو وہ کانوں اور ناک پر مونچھیں رکھ لیں--- ڈاکٹر صاحب پرہیز کی بھی بہت ہی یاد رہے کہ میں نے صرف پرہیز کہا ہے ''نمازی پرہیزی'' نہیں اور پرہیز کی بھی دو بڑے عجیب قسم کے ہیں۔ اصل میں انہیں پورا یقین ہے کہ جس دن بھی انہوں نے زیادہ میٹھا کھا لیا، ان کے اندر گنے اگنے لگیں گے--- ڈاکٹر صاحب خوش شکل بھی بہت ہی اتنے زیادہ کہ 45 سال کا ہونے کے باوجود آج تک بھی عورتیں انہیں دیکھ کر ''شکر'' کرتی ہیں--- چونکہ ڈاکٹر ہیں اس لئے نکلے ٹھیک کرنے میں ثانی نہیں رکھتے۔

ڈاکٹر صاحب کو آپ ہمیشہ لوگوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے پائیں گے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے مریض بہت زیادہ ہوتے ہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب زیادہ تر لاری اڈوں پر اپنا کلینک سجاتے ہیں۔ ان کا ''مختصر کلینک'' ان کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ ویسے تو وہ شوگر، دمہ، بواسیر، کالا موتیا، خارش، کھانسی، بخار اور موہیئے کے سپیشلسٹ ہیں لیکن انہیں بذات خود اپنی جس خاصیت پر ناز ہے، وہ یہ کہ انہیں ''اہم بیماریوں'' پر بھی عبور حاصل ہے۔ زیادہ تفصیل میں جاؤں گا تو بلاوجہ ڈاکٹر صاحب کی تشہیر ہو جائے گی لہٰذا دوسری طرف آتا ہوں۔

ڈاکٹر ایم ایس این بہت زیادہ انڈے کھاتے ہیں۔ اسی وجہ سے کئی مرغیاں ان سے ناراض ہیں۔ زیادہ انڈے کھانے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب عنقریب خود بھی کسی چھوٹے موٹے انڈے کی شکل اختیار کرنے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''انڈے کھانا ہمارا بنیادی حق ہے''--- ڈاکٹر صاحب کی اسی انڈہ خوری کی وجہ سے ان کے محلے کی کئی مرغیوں نے احتجاجاً انڈے دینا بند کر دیئے ہیں--- میں چونکہ عرصہ دراز سے ڈاکٹر صاحب کا معتقد ہوں اس لئے وہ مجھ پر خاص مہربان ہیں۔ یاد رہے کہ جب وہ کسی پر خاص مہربان ہوتے ہیں تو دوستی کا اظہار کے طور پر آفٹر شیو لوشن دیتے ہیں۔ شاید اسی لئے لڑکیاں ان سے دوستی کرنے سے

نمکین غزل

نہ سردی ، نہ ٹھنڈی ہواؤں نے مارا
اسے ڈاکٹر کی دواؤں نے مارا
بھروسہ بہت جن پہ وہ کر رہا تھا
تو آخر انہی آشناؤں نے مارا
نہیں آتا بیگم کو کھانا پکانا
اسے ہوٹلوں کی غذاؤں نے مارا
بھنور کی ، نہ اس میں خطا ناؤ کی تھی
اناڑی اسے ناخداؤں نے مارا
بہت ناز تھا اس کو طاقت پہ ، لیکن
بڑے باز کو فاختاؤں نے مارا
نہیں فائدہ تو نہ ان سے ہوا کچھ
نیاز! ان کو چٹنی غذاؤں نے مارا

نیاز سواتی

نوید ظفر کیانی

کتراتی ہیں۔

یہ آفٹر شیو لوشن ڈاکٹر صاحب کا اپنا تیار کردہ ہے۔ بقول ان کے، انہوں نے اس میں خالص عرقیات استعمال کئے ہوئے ہیں--- مجھے ایک دفعہ یہ لوشن لگانے کا اتفاق ہو چکا ہے۔ میں اس تلخ تجربے کو دہرانا نہیں چاہتا لیکن میرے خیال میں یہ بتانا ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا عطا کردہ آفٹر شیو لوشن لگانے کے بعد ڈیڑھ سال تک میں شیو کے لئے ترستا رہ گیا تھا۔

یہ سارا کالم ڈاکٹر صاحب پر لکھنے کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ آج کل ڈاکٹر صاحب ایمرجنسی دورے پر لاہور ہی میں ہیں۔ اگر کسی نے ٹائم لینا ہو تو بتایئے؟

بسنت اور سرخ بٹن

لاہور اس وقت پتنگ بازوں کے نرغے میں ہے۔ ہر گلی، ہر محلے، ہر گھر، ہر گاڑی پر آپ کو بسنتی نشانیاں لگی ہوئی ملیں گی۔ لاہور میں داخل ہونے والے چاروں راستوں پر بڑے بڑے پتنگ سجائے گئے ہیں۔ ریس کورس میں شاندار بسنت میلہ شروع ہے۔ اندرون شہر کی بڑی بڑی چھتیں پہلے ہی پچاس پچاس ہزار روپے میں ایک رات کے لئے بک ہو چکی ہیں۔ لاہور کی ہر سڑک پر پتنگ فروش موجود ہیں۔ بسنت کا یہ تہوار صرف امیر لوگ نہیں مناتے، اس میں ریڑھی والے سے لے کر کار والے تک "محمود و ایاز" ایک ہوتے ہیں--- بسنت کے موقع پر سیکنڈ ہینڈ پتنگوں کی فروخت بھی عروج پر ہوتی ہے۔ یہ وہ پتنگیں ہوتی ہیں جو "دکیرے" لوٹ کر آدھی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ اس وقت پورا لاہور شہر "ڈوروں" میں پرویا ہوا ہے۔ ہر دو منٹ بعد "ٹھاہ" کی آواز آتی ہے اور بجلی چلی جاتی ہے۔ خدا گواہ ہے کہ لاہوریئے عید اتنی خوشی سے نہیں مناتے جتنی خوشی سے بسنت مناتے ہیں--- اگرچہ پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی بسنت منائی جاتی ہے لیکن معروف شہروں میں لاہور، گوجرانوالہ اور قصور سرفہرست ہیں۔

میں نے اس بار بڑی خصوصی پتنگیں بنوائی ہیں۔ پچھلی بار اللہ کے فضل سے میں نے 30 پیچ لگائے تھے اور 32 پتنگیں کٹوائی تھیں۔ میرے ساتھ ہر دفعہ ہی ایسا ہوتا ہے۔ نہ مجھے پتنگ اڑانے کا تجربہ ہے، نہ پتنگ لوٹنے کا لیکن پتنگ اڑانے کا ایسا شوق ہے کہ پتنگ نہ بھی ہو تو میں پتنگ اڑا لیتا ہوں--- البتہ میاں صاحب پتنگ لوٹنے میں ثانی نہیں رکھتے۔ پتنگیں لوٹ لوٹ کر ان کا نام "لیٹرا" پڑ گیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے بسوں والے ابھی انہیں بٹھاتے ہوئے ڈرتے ہیں--- میاں صاحب کبھی بھی تندی کی مدد سے پتنگ نہیں لوٹتے بلکہ پتنگ لوٹنے کے لئے ان کا اپنا ہی طریقہ ہے۔ بسنت کے روز وہ بیس روپے دیہاڑی پر پانچ چھ بچے رکھ لیتے ہیں اور انہیں نائلون کی لمبی لمبی خصوصی "گاٹیاں" دے کر گلیوں میں بھیج دیتے ہیں۔ یہ بچے گلیوں میں گشت کرتے رہتے ہیں اور جونہی ان کی نظر اوپر سے گزرتی ہوئی ڈور پر پڑتی ہے، یہ نشانہ لے کر گاٹی پھینکتے ہیں اور ڈور قابو میں لے کر پتنگ پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اگرچہ اس "مشن امپوسیبل" میں اور لوگ شریک ہوتے ہیں لیکن چونکہ میاں صاحب ایک بزرگ کی حیثیت سے بچوں کے ساتھ ہوتے ہیں اس لئے کسی کو پھڈا ڈالنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

قارئین سر! سیاسی سطح پر جاری اس بسنت کا کوئی دن نہیں، کوئی وقت نہیں۔ یہ پورا سال چلتی ہے اور اللہ توکل چلتی ہے۔ اس میں ہر شخص کو یقین ہوتا ہے کہ میں ہی جیتوں گا۔ ہر شخص کا اپنا اندازہ ہوتا ہے، ہر شخص کی اپنی سمجھ بوجھ ہوتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان میں اکثریت کی عقل ان سردار جی جتنی ہوتی ہے جو ایک دفعہ اپنے دوست کے پاس لندن گئے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد جب کھانے کی باری آئی تو دوست نے کہا کہ سردار جی! ہاتھ منہ دھو لیجئے، کھانا تیار ہے--- لیکن خبردار، یاد رکھئے کہ واش بیسن پر دو بٹن لگے ہوئے ہوں گے۔ ایک سبز، ایک سرخ۔ آپ نے صرف اور صرف سبز بٹن دبانا ہے، غلطی سے بھی سرخ بٹن نہ دبایئے گا--- سردار جی سمجھ گئے اور واش روم میں گھس گئے۔ واش بیسن پر پہنچے تو دیکھا کہ واقعی دو بٹن لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے سبز بٹن دبایا۔ فوراً ہی فرفر پانی آنا شروع ہو گیا۔ سردار جی ہاتھ منہ دھو کر پلٹنے ہی والے تھے کہ اچانک دل میں آیا۔ ذرا سرخ بٹن تو دبا کر دیکھوں۔ انہوں نے بڑے اشتیاق سے سرخ بٹن پر انگلی رکھی۔ بٹن دبانے کی دیر تھی کہ بجلی کی رفتار سے سامنے کی دیوار سے ایک مکہ نکلا اور پوری قوت سے سردار کے منہ پر پڑا۔ سردار جی کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ تیورا کر فرش پر گرے، دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں، نبض ڈوبنے لگی، آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا، جسم پر کپکپی طاری ہو گئی اور کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ کافی دیر تک وہ اسی عالم میں رہے، پھر دس پندرہ منٹ بعد جیسے ہی کچھ ہوش آیا۔ وہ اٹھے، اپنے گال تھپتھپائے، آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے، خود کو سنبھالا اور لباس درست کرتے ہوئے باہر آ کر بڑی خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

دوست نے ویسے ہی پوچھا۔ "سردار جی! سرخ بٹن تو نہیں دبایا تھا، نا؟"

سردار جی فوراً بولے۔ "نہیں نہیں، سرخ بٹن دبا کر میں نے منہ تڑوانا ہے۔"

☆☆

موبائل فون اور ہم

☆ شاہد اطہر

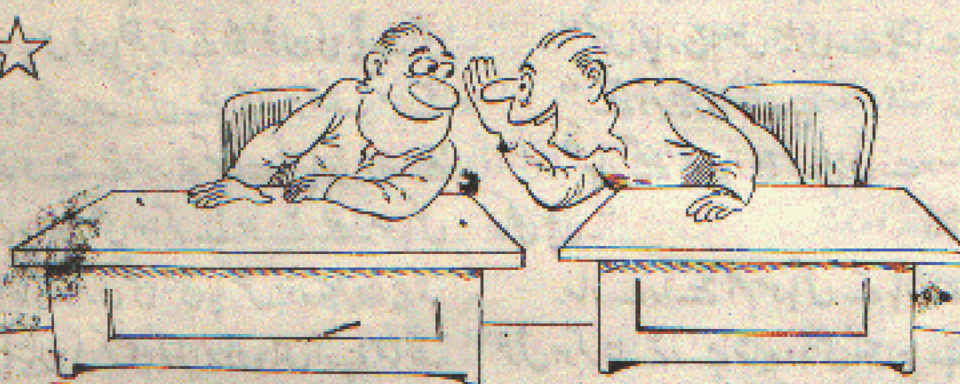

انسان نے انسان کو تکالیف پہنچانے کی خاطر بہت سی ایجادات کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہمیں اس سے کیونکر اختلاف ہو سکتا ہے' بس یہ نقطہ نظر میں رکھنا چاہئے کہ اس "ماں" کی اپنی بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں سو ایجادات کرنا اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ حسن اتفاق سے یہ فارمولا انسانی مادہ پر بھی لاگو ہوتا ہے ورنہ ایک ہی بچے کی پیدائش کے بعد وہ مزید "ایجادات" کی تکلیف کی متحمل نہ ہو سکتی تھی--- ہمارے ملک کے تو انداز ہی نرالے ہیں۔ یہاں فیشن ضرورت بن جاتا ہے اور ضروری اشیا کو فیشن بنانے والے دولت کے انبار لگا لیتے ہیں۔ "پر سانوں کی"--- موبائل فون کا آسیب 90 کی دھائی کے آغاز میں نازل ہوا تھا جسے ایک بڑی کمپنی نے مشرف با اسلام کرنے کی خاطر "پاک ٹل" کا نام دیا تھا۔ مزید چارم پیدا کرنے کی غرض سے افتتاح لیڈی ڈیانہ سے کروا دیا۔ یوں ہمارے پاک وطن میں "سیلولر فون" جسے غلط العام میں "موبائل فون" کہا جاتا ہے' کا آغاز ہو گیا۔ خیال رہے کہ لیڈی ڈیانہ کے افتتاح سے قبل اس بدبخت موبائل فون کا آغاز ہو چکا تھا اور قریباً دو سو نوابین یا بگڑے شہزادوں کے پاس یہ وبا سب سے پہلے پہنچی تھی۔ ہم نے سب سے پہلے سیلولر فون جسے اب ہم بھی موبائل فون ہی کہیں گے' غلام مصطفیٰ کھر کے پاس دیکھا تھا۔ موصوف ہوٹل میریٹ (اس وقت ہالیڈے ان) اسلام آباد کی لابی میں ایک ادائے بے نیازی سے گزر رہے تھے' ساتھ اُن کا ایک ملازم ایک بھاری بھرکم تھیلا اُٹھائے ہوئے تھا کہ اچانک اس تھیلے میں سے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ملازم نے تھیلا کھولا' کوئی بلی تو باہر نہ آئی البتہ فون کا ہینڈ پیس اُس نے صاحب کو پیش کیا جس پر اُنہوں نے بات کرنا شروع کر دی۔ ہم سمیت ہر شخص کی نظریں اُن کی جانب تھیں۔ یعنی "کبھی ہم اُن کو' کبھی تھیلے کو دیکھتے ہیں" والی کیفیت تھی۔ گھر آ کر بھی ہمیں چین نہ آیا اور وہی تھیلا ہمارے خوابوں میں نظر آنے لگا۔ ہمارے دل میں شدت سے خواہش جاگی کہ کاش! ہمارا ملازم بھی اس طرح تھیلا اُٹھائے ہمارے پیچھے چلے اور جب ہم فون سنیں تو دُنیا ہمیں دیکھے--- ایک بار نیند میں ہی تھیلا ہمارے منہ پر آن گرا اور بے غم کی آواز گونجی۔

"اُٹھیں اور اتوار بازار سے آلو پیاز لے کر آئیں---"

"تم خواب میں بھی ہمیں نوابوں والے شوق پورے نہ کرنے دیا کرو---"

بظاہر ہم شکر کرتے ہوئے ہی اُٹھے تھے کہ اگر تھیلے میں سچ مچ کا فون ہوتا تو ہماری ہی گھنٹی بج جاتی تھی--- بے غم دلچسپی لیتے ہوئے بولیں۔

"کیسا خواب دیکھ رہے تھے--- کیا میں ملکہ بنی ہوئی تھی؟"

- "نہیں' تھیلا--- دراصل ہم خواب میں موبائل فون دیکھ رہے تھے۔"

پھر ہم نے اُنہیں اس فون کی تفصیل سمجھائی اور یہ بھی بتایا کہ ہمارے من میں کیسی خواہش جاگ اُٹھی ہے۔ حد یہ ہو گئی تھی کہ اگر ہماری منکوحہ ہمیں دوسرے نکاح کی اجازت مرحمت فرما دیتیں اور موبائل فون کی پیش کش ہوتی تو ہم شاید یہ آپشن بھی قبول کر لیتے اس شرط کے ساتھ کہ جہیز میں فقط اک موبائل کا سوال ہے--- خیال رہے کہ اس زمانے میں "میٹرولا" کا پورٹ ایبل فون دو لاکھ روپے کا تھا جو ایک مناسب شادی کے جہیز کے لیے بہت ہوتا تھا۔ بہر حال' دو سال بیت گئے۔ اب

نوید ظفر کیانی

بھی فقط موبائل فون میرٹ ہوٹل کی لابی میں نظر آتا تھا۔ موبائل فون کی کم مائیگی دیکھیں کہ اس وقت فلموں میں بھی نظر نہ آتا تھا۔ بہرکیف دھیرے دھیرے ''ایگزیکٹو کلاس'' میں یہ بیماری سرایت کرنے لگی اور ہرادارے کے ٹاپ مین کے پاس فون نظر آنے لگا' فون کی قیمت بھی گرنے لگی اور صرف ساٹھ ہزار میں معہ کنکشن ملنے لگا البتہ مختلف قسم کے ٹیرف تھے جو لازماً ادا کرنے ہوتے تھے اور جو کم سے کم پانچ ہزار تھے' کال کرنے کے علاوہ سننے کے چارجز بھی ادا کرنے ہوتے تھے۔ موبائل اولیں دور میں دو کمپنیوں کی اجارہ داری تھی یعنی پاکٹل اور میٹرولا چونکہ ''دل تو ایک ہے'' دونوں پاکستان کی کرنسی کو ڈالروں میں اپنے ممالک میں منتقل کرتے رہے--- ہمارے مشاہدے میں یہ بات واضح طور پر آئی ہے کہ کچھوا خرگوش سے جیت جاتا ہے۔ جن کمپنیوں نے آغاز کیا' وہ خرگوش تھیں اور بعد میں آنے والی کچھوا' ان کا ذکر خیر آگے آئے گا لہٰذا جس زمانے کی ہم بات کر رہے ہیں' وہیں سے بات بڑھاتے ہیں۔ 90ء کی دہائی کے آغاز میں واپس چلیں۔

ایک انتہائی غیر سہانی شام کہ اس روز ہمارے باس محترم جو جی ایم کے عہدے پر فائز تھے' کراچی سے تشریف لا رہے تھے اور ہمیں فقط اس لیے ایئرپورٹ طلب کرلیا تھا کہ کچھ دفتری باتیں ہو جائیں گی جیسے ہی موصوف ٹرمینل سے باہر نمودار ہوئے ہمیں زور کا ایک جھٹکا لگا کیونکہ ان کے ہاتھ میں موبائل فون تھا اور ہر نئے نویلے کی طرح وہ بھی کسی سے بات کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ سلام دعا ہاتھ کے اشارے سے ہوئی اور کار تک وہ فون پر بات ہی کرتے رہے' ہم بھی ان کے بجائے فون کو دیکھتے رہے۔ قریب سے موبائل کے دیدار کا یہ پہلا موقع تھا بلکہ ہم اسے چھو بھی سکتے تھے۔ ان کو میرٹ ہوٹل ڈراپ کرنا تھا سو راستے میں ''کام'' کی باتیں شروع ہوئیں۔

''سر آپ نے یہ فون کب لیا---؟''

''پرسوں---'' انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''کون سا ہے---؟''

''میٹرولا کا ہے' پاکٹل سے لیا ہے---''

''اس کی کال کتنے کی پڑتی ہے---؟''

''بیس روپے منٹ--- اگر سنو تو بھی آٹھ روپے فی منٹ کے حساب سے کٹ جاتے ہیں---''

''کمپنی نے دیا ہے---؟''

''ظاہر ہے--- میں کیسے افورڈ کر سکتا تھا؟''

''سر اچھا تو آپ کو بھی موبائل چاہیے؟--- دو چار سال انتظار فرمائیں' کچھ کام کاج کریں۔ پھر دیکھا جائے گا---''

''یہ کس چیز سے چلتا ہے۔ میرا مطلب ہے' سیل پڑتے ہیں؟''

''نہیں' چارج ایبل بیٹری سے چلتا ہے۔''

''کتنے دیر بیٹری چلتی ہے---؟''

''چار گھنٹے' پھر چارج کرنا پڑتی ہے--- ویسے میں نے دو بیٹریاں رکھی ہیں۔''

سارے راستے ہم موبائل کے بارے میں پوچھتے رہے اور محترم خوش ہو کر بتاتے رہے' شاید وہ بھی یہی چاہتے تھے اب ہوٹل میں ڈراپ کرتے وقت ہم نے باقاعدہ ان کے موبائل کو چھو بھی لیا۔

وقت کی سب سے اہم خصوصیت ہے کہ یہ گزرتا جاتا ہے۔ کسی کے چاہنے سے بھی نہیں رکتا' یوں حسرت و یاس میں ایک سال بیت گیا۔ اب موبائل اکثر بڑے لوگوں کے پاس دکھائی دینے لگا تھا۔ پھر ایک نئی موبائل کمپنی 'انسٹا'' کے نام سے معرض وجود میں آ گئی۔ ہم نے باقاعدہ اس کی افتتاحی تقریب میں حصہ لیا اور ''نوکیا'' کے نام سے رکھے گئے موبائل فونز کو بڑے شوق و ذوق سے دیکھا۔ موبائل فونز کے قد اور قیمت میں بڑی حد تک کمی آ چکی تھی' سب سے سستا فون 35 ہزار میں دستیاب تھا۔ ہم اسے خریدنے کی سکت ضرور رکھتے تھے مگر بل ادا کرنے کا حوصلہ ہم میں نہ تھا۔ قصہ مختصر ایک دن ہمیں اپنے باس کا ''کانفیڈنشل لیٹر'' موصول ہوا۔ ہم گھبرا گئے کیونکہ اس قسم کے خط میں کوئی نہ کوئی سرپرائز لازمی ہوتا ہے۔ اولین گمان یہی گزرا کہ اس میں لکھا ہوگا' آپ کی سروسز کی کمپنی کو مزید ضرورت نہیں۔ کبھی اس قسم کے خط میں اچانک ہماری ترقی و تنخواہیں اضافے کی بھی خوشخبری ہوا کرتی تھی لیکن چونکہ یہ واقعہ کچھ عرصہ پہلے رونما ہو چکا تھا لہٰذا اب اس کی امید عبث تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ خط کھولا' لکھا تھا کہ کمپنی نے آپ کے لیے موبائل فون اپروو کر دیا ہے لہٰذا آپ کمپنی کے خرچے پر موبائل خرید لیں۔ ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ ایسی خوشی فقط ایک مرتبہ پہلے نصیب ہوئی تھی جب بے غم نے عظیم غلطی کرتے ہوئے ہم ایسے نابکار کا رشتہ قبول کر لیا تھا' بعد میں ہم دونوں کو ہی پتہ چل گیا کہ بڑی خوشی کے پیچھے بہت بڑی غلطی بھی چھپی ہوتی ہے--- خیر صاحب! 90ء کی دہائی میں 35 ہزار بڑی رقم ہوا کرتی تھی اور یہی خرچہ اٹھا تھا ایک عدد موبائل معہ پاکٹل کنکشن لینے پر۔ اس فون کا ماڈل ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔ وہ ظالم نوکیا 323 تھا' میڈ ان یو ایس اے معہ تمام تر اضافتوں کے--- جیسے ہی ہم فون لے کر دفتر میں وارد ہوئے' ہر طرف سے مبارکباد ملنے لگی۔ باقاعدہ اہل دفتر

کو مٹھائی کھلائی گئی اور سب کو آگاہ کر دیا گیا کہ جب بھی ضروری کام ہو ہم سے اس نمبر پر رابطہ کیا جائے--- سب سے پہلے ہم نے اپنی بے غم کو فون ملایا۔

"ہیلو--- ذرا بتاؤ تو ہم کس چیز سے بات کر رہے ہیں؟" ہم نے پوچھا۔

"ظاہر ہے فون سے ہی کر رہے ہیں۔" وہ بولیں۔

"ارے بھئی یہ عام فون نہیں ہے---"

"چلیے خاص ہو گا مگر ہے تو فون ہی نا---!"

"بھئی ہم موبائل سے بات کر رہے ہیں اپنے دفتر میں بیٹھ کر---"

"اوہ ویری گڈ۔ مبارک ہو--- ویسے موبائل سے دفتر میں بیٹھ کر فون کرنے کی کیا ضرورت تھی' کہیں باہر جا کر فون کرتے؟"

"ابھی کچھ دیر بعد باہر جاؤں گا' پھر فون کروں گا۔"

"ٹھیک ہے--- ایک طرح سے میرے لیے بھی اچھا ہوا' اب میں آپ کو ریس تو کر سکتی ہوں---"

ہمارا ماتھا ٹھنکا۔ یہ کیا مصیبت ہونے جا رہی ہے' یعنی اب ہم ہر وقت بے غم کی دسترس میں ہوں گے؟--- ہمیں پہلا فون جو موصول ہوا وہ ہمارے دفتر کے ڈرائیور ریاض کا تھا۔

"مبارک ہو سر---!"

"خیر مبارک---"

"سر میں باہر گیا ہوا تھا' مجھے مٹھائی نہیں ملی---"

"اس وقت کہاں ہو؟"

"جی دفتر میں ہی ہوں---"

"ہائیں--- پھر موبائل پر فون کیوں کر رہے ہو؟"

"پتہ چلا تھا' ضروری بات کرنا ہو تو موبائل پر کرنا ہو گی۔"

"نامعقول! موبائل پر فون سننے کے بھی پیسے دینے پڑتے ہیں۔"

"صاحب جی! اپنا فون تھا' سوچا کہ گھنٹی بجا دوں---"

"اچھا اچھا--- لیکن بے کار میں فون نہیں کرتا۔"

"جی اچھا--- لیکن میری مٹھائی؟"

"جاؤ اپنے لیے اور لے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد عام لائن پر ہائی بہادر کا فون نازل ہو گیا۔

"ہیلو--- کیا موبائل لے لیا؟"

"جی---"

"پھر ابھی تک مجھے نمبر کیوں نہیں دیا؟--- فون آپ کو دفتری کاموں کے لیے دیا گیا ہے۔ "اضافی بیگمات" سے گپھرے اُڑانے کے لیے نہیں---"

"سر! ابھی پانچ منٹ پہلے ہی تو دفتر آیا ہوں---"

"موبائل فون سے بات کرنے کے لیے دفتر آنے کی ضرورت نہیں ہوتی--- بندر کے ہاتھ میں ادرک لگ جائے تو اُسے سمجھ ہی نہیں آ رہا ہوتا کہ اسے استعمال کیسے کیا جائے؟"

"سر! آپ مجھے بندر کہہ رہے ہیں؟"

"نہیں' ہرگز نہیں--- البتہ میں موبائل کو ادرک کہہ رہا ہوں۔"

"شکریہ جناب! میں بندر کہلوانا ہرگز پسند نہیں کروں گا کیونکہ بندر کو موبائل کا استعمال نہیں آتا--- ویسے' سر! میں نے اس کی کتاب کا مطالعہ شروع کر دیا ہے' بے تحاشہ معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔"

"--- ویسے تو مجھے بھی پورا استعمال نہیں آیا۔ کتاب سے کچھ مفید معلومات ملیں تو مجھے بھی بتانا---"

انہوں نے ہمارا نمبر لے لیا اور--- اور پھر ہماری زندگی اجیرن ہوتی چلی گئی۔ نوکری کے اوقات دو گنے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گئے۔ اب ہر وقت ان کی دسترس میں تھے سوائے باتھ روم کے--- موصوف

عہد ملن

کتوں کے ساتھ ہو گئے ناکام مذاکرات
دوڑا کے سیٹھ کی گلی میں تمام رات
چھتر ، چھتری تو جیب میں رکھ کر نہ آئے تھے
پانچے لے اڑا جو چلائی کسی پہ لات
راہ فرار پائی ، نہ جائے پناہ کہیں
ہمدرد و خیر خواہ سے خالی تھی کائنات
کتوں کی راجدھانی فصیل شہر تھی
ٹھیکے ، ٹھڑے ، چھپڑے سب ان کی شاملات
چیخ و پکار ، آہ و فغاں گونجتی رہی
اپنی مدد کو ابھی نہ کوئی صدا ، نہ ہاتھ
بے ہوش ہوتے ہوتے یہ منظر نگاہ میں تھا
زانو ادھا رہا تھا ہمیں چودہ ٹیکہ جات
مسٹر جو چاہتا ہے بڑھانا صنم سے بات
سنگ ہائے شہر یار سے رکھے بنا کے بات

مسٹر ڈ ہگاں

نوید ظفر کیانی

کا فون آیا۔ ہم باتھ روم میں تھے' گھنٹی بجتی رہی--- پھر فون آیا۔

''فون کیوں نہیں اُٹھا رہے تھے؟'' ہماری پیشی پڑ گئی۔

''باتھ روم میں تھا---''

''موبائل باتھ روم میں لے جانے سے کیا آپ کا نشانہ خطا ہو جاتا---؟''

''بے غم کہتی ہیں کہ باتھ روم میں بولتے نہیں کیونکہ وہاں نیکی کا فرشتہ نہیں آتا۔ اُنہوں نے تو باتھ روم میں گانے سے بھی ہمیں روک کر ایک عظیم سنگر سے قوم کو محروم کر دیا ہے۔''

''یار! آپ فون ہر جگہ لے کر جایا کریں۔ پتہ نہیں' کب مجھے کوئی اچھوتا خیال آ جائے اور میں آپ سے بات کرنا چاہوں۔''

''جی' بہتر--- سر! اگر عین وقت نماز آپ کا فون آ جائے تو---؟''

''اول تو ایسا سال' دو سال میں ایک آدھ مرتبہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اگر خدانخواستہ ہو بھی جائے تو بٹن دبا کر آپ فون پر اُونچی آواز میں نماز پڑھنا شروع کر دیں' میں سمجھ جاؤں گا---''

''ٹھیک ہے' سر! اَب وہ بات بھی بتا دیں جس وجہ سے آپ نے چھٹی کے دن صبح ہی صبح فون کیا ہے؟''

''آپ کی بک بک میں وہ بات میں بھول گیا ہوں۔ جب یاد آئے گی پھر فون کروں گا---''

فون بند ہوتے ہی ہم نے سوچنا شروع کیا کہ ہم نے اول تو موبائل لے کر شاید بھول کی تھی' دوئم بڑے چاؤ سے اپنے وزیٹنگ کارڈ پر بھی موبائل نمبر چھپوا دیا تھا۔ اَب ہم ہر کسی کی دسترس میں تھے۔ اَب ایسے بھی فونز کا ہمیں جواب دینا پڑتا جن کو کمال ہوشیاری سے ہماری سیکریٹری کہہ دیتی تھی کہ ہم دفتر میں نہیں ہیں پھر عام فون پر جب کوئی کال کرتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ ہم دفتر میں ہیں مگر موبائل کے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔ مثلاً ان ہی دنوں کی بات ہے کہ ہماری سگی خالہ جان رحلت فرما گئیں کہ عین قبرستان میں دفناتے وقت موبائل بج اُٹھا۔ ایک خیر خواہ لائن پر تھے' چہک کر بولے۔

''مبارک ہو---''

''خیر مبارک---'' ہمارے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''آپ کا ٹینڈر پاس ہو گیا ہے۔''

اس دوران ہمارے بڑے کزن پہلی بار سامنے آئے تو ہم نے فوری اُن سے کہا۔

''بڑا افسوس ہوا' یونہی محسوس ہو رہا ہے جیسے میری ماں گزر گئی ہوں۔''

موبائل پر خیر خواہ بولے۔ ''کیا کہا' افسوس ہوا---؟''

''بھائی صاحب! بعد میں فون کریجئے گا' میں اس وقت قبرستان میں ہوں---'' ہم نے اُنہیں صورتحال بتانے کی کوشش کی۔

''شاہد صاحب! آپ کی مذاق کی عادت نہیں گئی---''

وہ بولے تو ہم نے فون بند کر دیا۔ یوں ہمیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ موبائل کو کام کے وقت بند بھی رکھا جا سکتا ہے۔ پھر شام تک مرحومہ کے گھر والوں کے ساتھ یہ خیال ہی نہ آیا کہ فون کھولنا بھی ہوتا ہے۔ رات کو جیسے ہی خیال آیا تو کھولا اور فوراً ہی گھنٹی بجی۔ ظاہر ہے' دوسری طرف ہمارے باس ہی تھے۔

''موبائل بند کیوں تھا---؟''

''ہم جنازے میں تھے---''

''یہ کیسا جنازہ تھا جو سات گھنٹے طویل تھا؟ ویسے اگر آپ اسی موبائل سے اطلاع فرما دیتے تو مجھے اتنی زحمت نہ اُٹھانا پڑتی--- کون مر گیا تھا اور ہاں' ''ٹینڈر کا کیا ہوا؟''

''خالہ فوت ہو گئی ہیں اور ٹینڈر مل گیا ہے---''

''اوہ' بہت افسوس اور بہت خوشی ہوئی--- میرا مطلب سمجھ گئے نا!''

''جی ہاں---''

پھر ایک دن ایک دوست خاور کی خوبصورت سیکرٹری کو ہم لنچ چائنیز میں دے رہے تھے اور بات چیت کچھ اس نوعیت کی ہو رہی تھی۔

''شاہد صاحب! آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی--- خاور صاحب بتا رہے تھے محبت میں بڑی چوٹ کھائی ہے آپ نے---؟''

''مس! شادی میں کیا رکھا ہے اور پھر ہم نے محبت میں ایسی چوٹ کھائی ہے کہ---

گزرے ہیں آج عشق میں ہم اس مقام سے
نفرت سی ہو گئی ہے محبت کے نام سے

''ویسے آپ بہت رومانٹک نظر آتے ہیں۔''

''ہاں' سامنے والا محسوس کرے تو--- ویسے رومانس کو کس کا دل نہیں چاہتا؟''

عین اس وقت بے غم کا فون آ گیا۔

''ہیلو' کہاں ہیں آپ---؟''

''ایک میٹنگ میں ہوں' بعد میں بات کرنا---'' ہم نے ٹالنا

نوید ظفر کیانی

چاہا۔

''بہت ضروری بات ہے --- بیٹے کو بہت تیز بخار ہے۔''

''دفتر کی گاڑی بھیج دوں ---؟''

''نہیں' آپ خود آئیں ---''

''ٹھیک ہے' میں ابھی آتا ہوں ---'' ہم نے کہا۔

''کہاں جا رہے ہیں ---؟'' اب وہ مس مخاطب ہوئیں۔

''گھر --- میرا مطلب ہے' دفتر ---''

''ابھی سامنے والا رومانس کی بات کرنا چاہتا ہے ---''

''دراصل دفتر میں ایک بڑا کلائنٹ آ چکا ہے' اس لیے مجھے جانا ہوگا۔ رومانس کی بات اگلے لنچ پر ---''

''مجھے محسوس ہوا جیسے آپ کسی لڑکی سے بات کر رہے تھے ---؟''

''اوہ ہاں' وہ میری سیکرٹری تھی ---''

مس مشکوک ضرور ہو گئیں البتہ بے غم کو کوئی شک نہ ہوا۔

ایک دن ہم معہ بے غم اپنے ایک عزیز کے گھر جا رہے تھے۔ اس عزیز سے ہم نے اپنا دیا ہوا قرضہ واپس لینا تھا۔ جب بھی فون کرتے' وہ یہی جواب دیتے یا دلواتے کہ کہیں باہر جا رہا تھا یا باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس روز ہم نے اپنی کار ان کے گیٹ کے آگے پارک کی اور موبائل سے فون کیا جواں کی زوجہ محترمہ نے اُٹھایا۔

''جی' السلام وعلیکم بھابی! میں شاہد بول رہا ہوں۔''

''وعلیکم السلام --- کیسے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک --- دراصل ہم لوگ آنا چاہ رہے تھے۔ کیا میاں صاحب گھر پر ہیں؟''

''دیکھتی ہوں ---'' یہ کہہ کر وہ گئیں اور کچھ دیر بعد آ کر بولیں۔

''گھر میں تو نہیں ہیں' کار بھی نہیں کھڑی۔ شاید کلب چلے گئے ہیں۔''

''چلئے کوئی بات نہیں۔ ہم پاس ہی ہیں' چکر لگا لیتے ہیں ---''

پھر ہماری گنہگار آنکھوں نے دیکھا کہ میاں صاحب جلدی میں فرار ہو رہے تھے اور وہی بھابی صاحبہ گیٹ کھول رہی ہیں۔ اب ہمیں سامنے پا کر کیا منظر ہوا ہوگا' آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ جمعہ بازار میں خریداری میں مشغول تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی' لائن پر ہمارے ہی آفس کی ٹیلی فون آپریٹر تھی۔

''السلام علیکم سر ---!''

''وعلیکم السلام --- کیا آج دفتر کی چھٹی نہیں؟''

''دفتر کی تو چھٹی ہے مگر مجھے آپ سے ضروری کام تھا۔''

''ہاں' کہو ---''

''مجھے بیس ہزار کی ضرورت پڑ گئی ہے ---''

''کیا شادی کر رہی ہو ---؟''

''نہیں' سر! دراصل ایک پلاٹ کی فوری پے منٹ کرنا تھی' سوچا کہ شاید آپ کے پاس ہوں۔''

''میں جمعہ بازار میں بیس ہزار لے کر تو نہیں پھرتا۔''

''گھر پر تو ہوں گے ---''

''نہیں --- ویسے بھی میں قرض اُدھار کا قائل نہیں ہوں' کہتے ہیں کہ قرض محبت کی قینچی ہوتی ہے۔''

وہ بجائے ناراض ہونے کے خوش ہو گئی اور چہک کر بولی۔

''اوہ' تو اس کا مطلب ہے --- اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھ سے ---''

''ہاں میں ہر اس شخص سے محبت کرتا ہوں جو مجھ سے قرض مانگ سکتا ہو اور پھر میں اس قینچی کو حائل نہیں ہونے دیتا۔''

''سر! آپ بڑے وہ ہیں ---''

''اچھا اب فون بند کرو' فون ریسیو کرنے پر ہمارے پیسے کٹ رہے ہیں۔''

''آپ کی مرضی ---''

ہم تلملا کر رہ گئے یعنی لوگ ہم سے قرضہ بھی مانگیں اور وہ بھی

واحد جائیداد

دوستوں کو ایک صاحب نے دیا اک شب ڈنر
باتیں ہونے لگ گئیں جس میں ہر اک موضوع پر
آخرش جب ڈائننگ پر گفتگو ہونے لگی
بھاری بھر کم میزباں کی بیوی یہ کہنے لگی
وزن میرا روز شادی صرف بارہ پونڈ تھا
اس پہ شوہر نے کہا اس کے ، لگا کے قہقہہ
بات بالکل ٹھیک ہے جو میری بیوی نے کہی
انتہا جس پر نہیں میری مسرت کی کوئی
بعد شادی یہ ہی جائیداد ہے واحد میری
ہو رہا ہے دوستو! جس میں اضافہ روز ہی

عاصمہ گل عصمی

ہمارے خرچے پر---نتیجہ یہ نکلا کہ پندرہ دن میں ہی بیلنس ختم ہو گیا اور فون بند ہو گیا۔ ہم نے بڑا سکون محسوس کیا' بے غم اور باس دونوں بے سکون ہو گئے۔

☆☆

کچھ عرصہ بعد ہم موبائل کو سمجھ گئے اور وہ ہمیں---شوشا اپنی جگہ کہ جدھر بھی جاتے' لوگ باگ موبائل کو نوٹس ضرور کرتے شاید اس لیے کہ موبائل کے سائز کی وجہ سے ہاتھ میں پکڑنے کا فیشن تھا اگرچہ اس وقت چند سو کے پاس ہی یہ مصیبت ہوا کرتی تھی۔ پھر انسٹا فون کے نام سے بھی ایک کمپنی کا ظہور ہو گیا اور ان کی بہتر مارکیٹنگ کی وجہ سے فونز کی سیل زیادہ بڑھ گئی لیکن ہم جیسوں کو موبائل فون کے بروقت استعمال کا ابھی شعور نہ آیا تھا جبکہ ماہر موبائلیے اِس وقت بھی خود ہی اپنے فون کی گھنٹی بجا کر ایسے باتیں کرتے جیسے اہم بات کر رہے ہوں۔ ہم ایک مرتبہ بقول ہمارے دوست کے' 'ایڈیشنل وائف کو ڈراپ کرنے جا رہے کہ گاڑی خراب ہو گئی۔ کچھ سمجھ نہ آئے کہ کیا کیا جائے؟ بہرحال' محترمہ کو ٹیکسی میں روانہ کیا اور خود دوسری ٹیکسی کی تلاش میں سڑک پر کھڑے تھے۔ اچانک خیال آیا کہ ہمارے پاس موبائل بھی ہے جو شاید ایسے ہی وقتوں کے لیے ہوتا ہے۔ ہم نے ورک شاپ فون کیا' مکینک آیا اور منٹوں میں گاڑی ٹھیک کر دی۔ بس ہمیں یہی ملال رہا کہ محترمہ کے پاس ابھی ڈراپ ہونے کے لیے دو گھنٹے باقی تھے۔

اب ہمیں موبائل کو بند رکھنے کی خاصی پریکٹس ہو چکی تھی' اِس طرح باس و بے غم سے تو ہم وقتی طور پر بچ جاتے تھے مگر ان کو پرابلم ہوتی تھی جن کے فون ہم بخوشی سنا کرتے تھے۔ اِس عظیم مسئلہ کا بھی ہم نے حل نکالیا اور ایک کنکشن اِنسٹا کا بھی اِسی فون کی لائن ٹو پر لے لیا۔ اب جب ہم پاکٹل سے اِنسٹا پر منتقل ہو جاتے تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا اور بقول ہمارے اپنے' سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی ٹوٹ گئی لیکن ہمیں خیال ہی نہ رہا کہ زیادہ چالاکی دونوں ٹانگوں سے پھنسواتی ہے۔ ایک بار فون کو اِنسٹا سے پاکٹل پر منتقل کرنا بھول گئے اور مجھے بھی کہ پاکٹل پر ہی ہے۔ ہم گھر میں شیو کر رہے تھے کہ فون بج اُٹھا۔ ہم نے بے غم سے کہا کہ فون سن لو اور اگر باس کا ہو تو کہہ دینا' ہم موبائل گھر ہی بھول گئے ہیں لیکن دوسری جانب سے ایک حسینہ بولی۔

''ہیلو جانو---!''

''وعلیکم ہیلو---'' بیگم نے چونک کر کہا۔

''جانو کہاں ہیں---؟'' سوال کیا گیا۔

''جانو شیو کر رہا ہے۔'' بے غم نے بتایا۔

''کیا اُن سے بات ہو سکتی ہے؟''

''ضرور ہو سکتی ہے مگر شیو کے بعد---''

''کیا وہ گھر پر ہیں---؟''

''جی ہاں---''

''آپ اُن کے گھر پر کیا کر رہی ہیں---؟''

''کچھ بھی نہیں---آپ کے جانو کے دفتر جانے کا اِنتظار کر رہی ہوں۔''

''اوہ' اچھا---آپ ہیں کون؟''

''آپ کے جانو کی بیوی---!''

باہر والے نے فوراً فون بند کر دیا' اَب گھر والی پھنکارتی ہوئی آئیں۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے---؟''

''شیو---'' ہم نے بتایا۔

''مَیں پوچھتی ہوں' وہ کون تھی---؟''

''کون' کون تھی---بات تم نے کی' پوچھ مجھ سے رہی ہو؟''

''کوئی لڑکی 'جانو جانو' کہہ رہی تھی۔''

''تمہارے علاوہ بھلا مجھے اِس نام سے کون پکار سکتا ہے؟'' ہم نے فون ہاتھ میں لیتے ہوئے دیکھا کہ وہ اِنسٹا پر ہے اور اطمینان سے بولے۔ ''فون کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' یہ تو کوئی اور ہی کنکشن شو کر رہا ہے۔ تم میرے سامنے فون کر کے دیکھ لو تمہاری غلط فہمی دُور ہو جائے گی---''

پھر بے غم جان نے کئی مرتبہ ٹرائی کیا' ناکام ہوئیں اور مطمئن سی ہو گئیں مگر اِس کے بعد ہم حد درجہ محتاط ہو گئے اور پھر کبھی فون کو غلط فہمی نہ ہونے دی۔

پھر جناب موبی لنک نے میدان میں قدم رکھا اور وہیں سے موبائل کی دُنیا میں اِنقلاب آنا شروع ہو گیا' اِکا دُکا موبائل کی دوکانیں بھی کھلنا شروع ہو گئیں۔ موبائل کنکشن کئی گنا سستا ہو گیا یعنی چند ہزار میں ملنا شروع ہو گیا۔ اٹھائیس روپے منٹ لوکل بات کرنے کا زمانہ بھی گیا۔ موبی لنک چونکہ GSM ہے اِس لیے SIM آ گئی جس کی وجہ سے موبائل سیٹ تبدیل کرنا آسان ہو گیا۔ اِنسان فطری طور پر تبدیلی کو پسند کرتا ہے۔ سب سے مشکل تبدیلی' زمان و مکان کی سمجھی جاتی ہے اگر زمان سے مراد بیوی ہی ہو---دیکھتے ہی دیکھتے موبی لنک' پاکٹل اور اِنسٹا فون کو پیچھے بلکہ بہت پیچھے چھوڑ گیا۔ ایک مرتبہ پھر کچھوا خرگوش کو مات دے گیا۔

ایک روز ہمارے دفتر کا ایک شرارتی انجینئر ہمارے کمرے میں وارد ہوا۔ اُس کا نام نامی شکیل تھا بلکہ اَب بھی اِسی نام سے کہیں ڈھول جھونک رہا ہوگا' اِنتہائی شرارت سے بولا۔

''سر! آپ کے پاس کون سا فون ہے---؟''

''نوکیا---''

''اوہ---اگر "Ericson" ہوتا تو مَیں آپ کے مزے کروا دیتا۔''

''ہائیں---اَب موبائل فون مزے بھی کروانے لگا ہے؟''

''جی ہاں' اور وہ بھی بالکل مفت---''

''مفت کا مزہ' ویری گڈ---جلدی بتائیں؟''

''سر! پہلے اریکسن کا فون لینا پڑے گا۔''

''بھائی! یہ 1999ء ہے' اَب فون اِتنے بھی مہنگے نہیں ہم کوئی استعمال شدہ فون اِس مزے کے لیے اضافی لے لیں گے۔''

''لیکن کنکشن بھی ہونا چاہیے---''

''اوہ ہو وہ بھی ہو جائے گا۔ پہلے وہ مزہ تو بتاؤ---؟''

شکیل نے اپنی جیب سے اریکسن کا فون نکالا اور کچھ دیر اِس سے کھیلنے کے بعد ہمارے ہاتھ میں تھما دیا۔ ہم نے کان سے لگایا تو دوسری جانب دو لوگوں کی گفتگو ہمیں سنائی دے رہی تھی۔

''بس' بہت ہوگئی۔ اِس (سسٹر) کو مَیں عدالت میں اِتنا گھسیٹوں گا کہ یاد کرے گا (سسٹر)---''

''لیکن تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے---''

''وہ مَیں دیکھ لوں گا' آخر کہاں جائے گا---''

''بھابی کیا کہتی ہیں---؟''

''بھابی (سسٹر) مجھے کیا کہے گی۔ سارے چکر کی ذمہ دار حمیدہ ہے' وہ پوری (سسٹر) ہے---''

''بھائی افضل تو ساتھ دیں گے' نا---!''

''ہاں ہاں بھئی---وہ کیوں ساتھ نہیں دیں گے۔''

ہم نے شکیل کو فون واپس دیتے ہوئے کہا۔

''دِلچسپ ضرور ہے مگر اِس طرح تو کوئی ہماری باتیں بھی سنتا ہوگا---''

''سن سکتا ہے مگر یہ طریقہ ایک دو کو ہی پتہ ہے---''

''شکیل! اِس کام کے لیے تو ہم فون نہیں خریدیں گے البتہ آپ اپنے فون سے ہی کبھی کبھی سنا دیا کرنا اگر کوئی دِلچسپ گفتگو ہو رہی ہو تو---''

''چلیں' ٹھیک ہے---''

اَب دفتری اوقات میں شکیل ہمیں اکثر ''مزے'' کروانے لگ گیا۔ اِس زمانے میں بھی موبائلئے زیادہ تر لڑکیوں سے ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک دِن شکیل نے ہمیں یہ کہتے ہوئے فون تھما دیا کہ مزہ نہ آیا تو پیسے واپس---ایک جوڑا محوِ گفتگو تھا۔ ظاہر ہے گفتگو ہم نے بیچ میں سے پک کی تھی۔

''تمہیں میری آنکھیں اِتنی کیوں پسند ہیں---؟''

''کیونکہ اِن سے تم مجھے دیکھتی ہو---''

''پورے اُلو ہو تم--- جب مَیں سوچتی ہوں' کوئی اچھی سی رومانٹک بات کرو گے تو تم بور سا جواب دے دیتے ہو---''

''بھئی مَیں پریکٹیکل شخص ہوں' مَیں صرف رومانٹک باتیں کرنے کا عادی نہیں بلکہ مَیں پریکٹیکل کرنے کا عادی ہوں۔''

''مثلاً کیا---؟''

''تم میری بانہوں---''

پھر مسٹر پریکٹیکل نے وہ باتیں شروع کیں کہ جنہیں ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ ہمیں زیادہ حیرت اِس بات پر ہو رہی تھی کہ محترمہ بھی اِسی فریکوئنسی پر بات کر رہی تھی۔ اِس قدر رو لگر گفتگو ہم نے نہ پہلے سنی تھی' نہ بعد میں کہ ہم نے وہ مشغلہ ہی ترک کر دیا۔

پھر ''یوں فون'' بھی میدان میں کود پڑا۔ ارے وہی جو کہتے ہیں کہ آپ کے پاس mms ہے؟ نہیں ہے نا!---آپ کے پاس GPRS ہے؟ نہیں ہے نا! پھر موبائل فون کا طوفان ہی آ گیا۔ فقط اِس بات سے اندازہ لگالیں کہ 1999ء میں پورے ملک میں 5 لاکھ کے قریب موبائل فون استعمال میں تھے' فروری 2005ء تک اِن کی تعداد 90 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے جس سے صرف موبی لنک کے پاس 75 لاکھ سے زیادہ کنکشن ہیں۔ پھر موبی لنک والے کیوں نہ کہیں ''اور سناؤ؟'' آخری GSM کی قسم پاکٹل نے خود کو زندہ رکھنے کے لیے متعارف کروائی ہے کیونکہ ''دِل تو ایک ہے''۔

SIM مفت میں تقسیم ہونے لگیں اور ہر شخص کے لیے موبائل ضروری ہونا شروع ہو گیا لیکن کام سے زیادہ اِس کا مقصد وہی رہا یعنی نمود و نمائش۔

☆☆

چھٹی کے دِن ہم اپنے دوست الیاس کی دوکان پر کچھ وقت کے لیے ضرور جاتے ہیں' دیگر دوست بھی وہیں آ جاتے ہیں۔ ایک گاہک صاحب کو ہم لوگوں نے نوٹس کیا کہ جب بھی وہ دوکان پر آتے' کان

نوید ظفر کیانی

سے موبائل لگا ہوتا۔ اُن کی ہر دم یہی کوشش رہتی کہ ہمیں متاثر کریں۔

ہم نے اِن کا توڑ کچھ یوں نکالا کہ جیسے ہی وہ اپنے سٹائل سے آتے' ہم چاروں پانچوں اپنے موبائل فون نکال کر فرضی باتیں شروع کر دیتے مگر اس ڈھیٹ نے قطعی نوٹس نہ لیا۔ پھر ہمیں ایک اور ترکیب سوجھی۔ ہم نے اپنا فون بھنگی کو دیتے ہوئے کہا کہ جیسے ہی ہم عام فون سے گھنٹی ماریں' تم اس فون سے بات کرتے ہوئے آ جانا۔ وہ مسکرایا اور بولا۔

"صاحب! اس کی کیا ضرورت ہے۔ میرے پاس اپنا موبائل ہے' اس پر فون کر دیجیے گا---"

بہر حال' وہ صاحب جب آئے تو ہم نے حسب پروگرام بھنگی کو فون ملایا۔ وہ پاس ہی کہیں تھا' آیا اور بولا۔

"صاحب! اس موبائل نے میری زندگی حرام کر دی ہے۔ جب بھی گٹر نالی صاف کر رہا ہوتا ہوں' یہ بجنے لگتا ہے---خیر آپ بتائیں' کیا بات ہے؟"

"یار! جب سے بھنگیوں نے موبائل رکھنے شروع کر دیے ہیں' ہمیں تو سکون ہو گیا ہے۔ ہمیں بھی گٹر ہی کھلوانا تھا۔"

"ٹھیک ہے---اس وقت تو میں بزی ہوں' بعد میں میرے موبائل پر فون کر لیجیے گا اور اگر فون بزی ہو تو میسج کر دیجیے گا---"

"وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔ اب ان صاحب کو دیکھو تو ایسے کہ کاٹو تو خون نہیں' رہی سہی کسر ہم نے الیاس کو مخاطب کر کے پوری کر دی۔

"یار! جب سے بھنگیوں نے فون رکھنے شروع کر دیے ہیں' ہمیں تو موبائل استعمال کرتے ہوئے شرم آنے لگی ہے اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ تو شو شا ہی کرتے ہیں جبکہ بھنگی موبائل کا ٹھیک استعمال کر رہا ہے---"

اس دن کے بعد ہم نے اس موبائلیے کو نارمل ہی پایا۔

☆☆

"اب چاہو کچھ بڑھ کے"---لیجیے' ایک اور موبائل کمپنی "ٹیلی نار" بھی میدان میں آ گئی ہے۔ اس کمپنی کو وجود میں آنے کے لیے نو ماہ لگے ہیں۔ اللہ رحم کرے' اب کمپنیاں بھی نو ماہ میں پیدا ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ صدر پرویز مشرف نے ناروے کے وزیر اعظم کو پہلا فون کر کے اس کا باقاعدہ افتتاح کیا اور کہا کہ ہم دہشت گردی کا خاتمہ کر کے رہیں گے جبکہ ہمارے خیال میں موبائل فون خود ایک دہشت گردی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کمپنی نے قطعی نئے انداز میں پبلسٹی کمپین چلائی۔ پندرہ دن یہی کہتے رہے کہ فون سروس ناروے سے چل پڑی ہے پھر اٹلی' ترکی وغیرہ سے ہوتی ہوئی "جلدی آ رہی ہے" بس اس آخری جملے نے پاکستانیوں کے دل جیت لیے اور پھر جس طرح ٹیلی نار کے دفاتر پر پاکستانیوں نے یلغار کی' یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر کنکشن کے ساتھ ایک خوبصورت نارویجین حسینہ بھی دی جائے گی---"دیکھنے ہم بھی گئے' پر تماشہ نہ ہوا" ایک لڑکی کو تو ہم نے یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ مجھے کیسے ملے گا؟ یقیناً اس کی مراد کنکشن سے ہی ہو گی---رش کا وہ عالم تھا جو فقط بحریہ ٹاؤن کے فارموں کے حصول کے لیے ہوا کرتا ہے یا پھر ان سینما ہاؤس میں نظر آتا تھا جہاں "ٹوٹے" چلائے جاتے ہیں۔ اشتہارات کی وجہ سے ٹیلی وژن اور اخبارات کی چاندی بلکہ سونا ہو چکا ہے ایک ہی وقت میں کئی اشتہارات چل رہے ہوتے ہیں "اب چاہو کچھ بڑھ کے"---"اور سناؤ"---دل تو ایک ہے" وغیرہ وغیرہ۔

ٹیلی نار کے اس فقید المثال استقبال میں زیادہ ممد و معاون یہی "اور سناؤ" کمپنی ہے جس کے پاس 80 لاکھ سے زیادہ صارفین ہیں آپ کے بیلنس میں سے رقم منہا کرنا ان کی اعلیٰ کارکردگی کی اعلیٰ مثال ہے۔ ذرا سوچیں کہ اگر ایک دن میں فقط ایک روپیہ ناجائز کاٹ لیا جائے تو 80 لاکھ روپے بغیر کسی زحمت کے حاصل ہو جاتے ہیں اور کہتے بھی جاتے ہیں "اور سناؤ" جبکہ سنانے والی کی کوئی نہیں سن رہا---ستم ملاحظہ ہو کہ اب 100 والا کارڈ نکال دیا ہے جسے آپ لوڈ کر کے بیلنس چیک کریں تو رقم تین ہندسوں سے گزور سے دو ہندسوں میں باقی رہ جاتی ہے۔ ہمارا "جولا" کہتا ہے کہ اعلیٰ افسران کی "شرکت" بلکہ اشتراک کے بغیر یہ ممکن نہیں---قصہ مختصر نئی کمپنی کا اسی طرح استعمال کیا گیا جیسے ہر نئی آنے والی حکومت کا کیا جاتا ہے۔ اُمید واثق ہے کہ نئی کمپنی سے بھی عوام کو وہی کچھ ملے گا جو نئی حکومتوں سے ملتا ہے۔ بہر حال' ہم بھی ٹیلی نار کا کنکشن لینے گئے تھے کیونکہ ہم نے ہر قسم کی سم رکھ چھوڑی ہیں اور جس کو فون کرنا ہو وہی سم ڈال کر فون کر لیتے ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ کثیر سرمایہ بچایا جا سکے۔ اگرچہ اس حرکت سے کئی کمپنیوں کے کارڈ لوڈ کرنے پڑتے ہیں اور بچت سے زیادہ ٹیکس کٹ جاتا ہے۔ پھر جب ہم خود کو ابوجہل کا مرید کہتے ہیں تو کچھ لوگوں کو بُرا بھی لگتا ہے---ہم رش دیکھ کر ہی واپس آ گئے تو بے غم گویا ہوئیں۔

"ٹیلی نار کا کنکشن لے آئے---؟"

"جی نہیں' ابھی ہم یورپین اسٹینڈرڈ سے محروم ہی ہیں---"

"ارم کا منگیتر ٹیلی نار میں ہے' اُسے کہہ کر لے لیں۔"

"اجی چھوڑو اس کنجوس کو' اُس نے تو اپنی منگیتر کو بھی موبائل تو کیا' ایک سم کا تحفہ بھی نہیں دیا حالانکہ آج کل پہلا تحفہ موبائل فون ہی ہوتا ہے---"

نوید ظفر کیانی

"میں اپنے لیے تو لے آئی ہوں۔"

"ہائیں---کب' کیسے' کہاں سے---؟"

"اپنی پرچون کی دوکان سے---"

"حد ہوگئی---بغل میں بچہ' گلی میں ڈھنڈورا۔"

"آپ کو بھی ہر نئی شے کی طلب ہوتی ہے---"

"ایسا نہ کہو بے غم! تم تو خاصی پرانی ہو چکی ہو۔"

"بیوی اور کنکشن میں کوئی فرق نہیں---؟"

"ہے---بیوی کا کنکشن زیادہ پیسوں میں ملتا ہے۔ سم حاصل کر کے آپ بولتے ہیں' پہلی صورت میں بیوی بولتی ہے۔ سم آسانی سے بدلی جا سکتی ہے' بیوی نہیں۔ سم گم ہو جائے تو دوسری مل جاتی ہے اور بیوی اوّل تو کوشش کے باوجود گم نہیں ہوتی' اگر ہو جائے تو پھر نہیں ملتی---"

"اچھا بازار جائیں تو میرے فون سیٹ کی جتنی بھی کیسنگ ملیں' لے آیئے گا---آج کل فیشن ہو گیا ہے کہ جس رنگ کے کپڑے جوتے پہنو' اسی رنگ کا موبائل ہونا چاہیے۔"

"لو جی' یہ کسر رہ گئی تھی---"

"ولید بیٹے کو بھی دوسرا فون لے کر دیں' کہتا ہے کہ اِس کے فون میں گیمز اچھی نہیں۔"

"یہ موبائل فون کیا بن گیا ہے' فیشن یا کھیلنے کی شے' مجھے دیکھو' اِس کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ کوئی اِسے کیمرے کے طور استعمال کر رہا ہے' کوئی میوزک سننے کے استعمال میں لے آیا ہے۔ کوئی ویڈیو دیکھ رہا ہے تو کوئی MP3 چلا رہا ہے۔"

"بھئی' ماڈرن زمانہ ہے اور فون تو اَب ٹائم پاس کرنے کے لیے بھی بہترین چیز ہے۔"

"جانتی ہو' ایک دن میں 5 کروڑ روپے یہ موبائل فون کھا رہا ہے---ملک میں ایک کروڑ کنکشن ہیں۔ اگر ایک شخص فقط 5 روپے خرچ کرے تو سمجھ لو بات کہاں جا رہی ہے---"

"اُو یاد آیا۔ بازار جائیں تو 1000 روپے والا کارڈ لے آیئے گا' میرا بیلنس ختم ہو رہا ہے۔"

"اِسے کہتے ہیں بھینس کے آگے بین بجانا۔"

"آپ کی اُردو ہمیشہ سے خراب ہے' بین سانپ کے آگے بجائی جاتی ہے---"

بے غم نے ہماری اصلاح کی اور ہم اُن کی اصلاح کی خاطر اُن کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

☆☆

چند سالوں سے موبائل فون کی "ضرورت" خواتین میں بے حد بڑھتی جا رہی ہے۔ اوّل اوّل پاکستان کی فلمی ہیروئینز کو اِس کی ضرورت پیش آئی۔ پھر غیر شریف بیویوں کو موبائل کی افادیت کا پتہ چلا۔ شریف بیبیاں کیوں پیچھے رہتیں' اُنہوں نے اِسے فیشن کا حصہ بنا لیا۔ اسلام آباد کی ہر دوسری فی میل کے پاس موبائل فون ہوتا ہے اور زیادہ مشغول و مصروف خصوصاً کام کرنے والیوں نے تو دو دو فون رکھے ہوئے ہیں' دوسرا فون صرف سننے کے لیے ہوتا ہے اور یہ نمبر دفتر اور گھر والوں کے پاس نہیں ہوتا پہلا فون نمبر "اِن" کے پاس نہیں ہوتا---ایک عاشق نے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

"جان! تم نے مجھے اپنا دوسرا موبائل نمبر نہیں دیا ہوا---"

"اِس لیے کہ تم میرے باپ نہیں ہو---" جواب ملا۔

موبائل فون کا زیادہ زنانہ استعمال قطعی شریف خواتین و لڑکیاں کر رہی ہیں' تقریباً 90 فیصد۔ شکر ہے کہ ابھی دوسری شرح دس فیصد ہی ہے---چند دِن ہی پہلے میرٹ ہوٹل میں ہم اپنے ایک دوست کو ہائی ٹی پیش کر رہے تھے' برابر والی ٹیبل پر ایک مس دو نمبر بیٹھی تھیں۔ ہماری طرح اکثر لوگ ایک نمبر اور دو نمبر میں بخوبی فرق محسوس کر لیتے ہیں۔ مس قابلِ دید تھیں' صرف قابلِ دید---مس ہمارے اِس قدر قریب تھیں کہ ہم اِن کے موبائل کا ماڈل تو دیکھ ہی رہے تھے جو نوکیا 6230 تھا اور نوکیا 6600' 7510 کی طرح کیمرے' بلو ٹوتھ' ویڈیو ریکارڈنگ سے لیس۔ وہ کبھی ایک گانا اِس پر دیکھتی' کبھی دوسرا۔ پھر اُس نے کسی کو فون ملایا' ستم ظریفی یہ تھی کہ ہم صرف ایک طرفہ بات چیت سن سکتے تھے یعنی

بے لاگ تبصرہ

☆ "دامن میں داغ لگا بیٹھے"---تو پھر جلدی سے سَرف سے دھو لیجیے۔

☆ "یہ جھکو زلف سے پانی"---کہ یہ وگ گر جائے گی۔

☆ "تیری گلیوں میں نہ رکھیں گے قدم"---کیوں، کیا گلی کے کتے پہچان لیتے ہیں؟

☆ "جو بات تجھ میں ہے، تیری تصویر میں نہیں"---کیونکہ آج میں نے بیوٹی پارلر سے میک اپ کروایا ہے۔

☆ "آج کی رات کیسی رات کہ ہم کو نیند نہیں آتی"---تو بھی، نیند کی گولی کھا لو فوراً آ جائے گی۔

☆ "دل کی آواز بھی سن"---ارے بھائی! بیوی کو سننے سے فرصت ملے تو دل کی سنیں نا!

☆ "گھر کب آؤ گے"---جب تمہارے "وہ" نہیں ہوں گے۔

☆ "میں زندگی میں ہر پل روتا ہی رہا ہوں"---کس نے تم سے کہا تھا کہ شادی کرو؟

☆ "دیکھا ہے پہلی بار"---ساجن کے منہ میں نسوار!

☆ "مجھے نیند نہ آئے، مجھے چین نہ آئے"---بہتر ہے بیگم کو کچھ دن کیلئے میکے بھیج دو۔

☆ "کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے"---کاش، میں کنوارہ ہوتا۔

نوید ظفر کیانی

وہ جو کچھ بول رہی تھی۔

"پتہ نہیں کہاں مر گیا ہے---لو ایسے ہی آ جاؤں---اور سناؤ' کیا حال چال ہے؟ بڑے دنوں بعد بڑا امر عاہاتھ لگا ہے' ہر وقت بزی رہتا ہے لیکن میرے لیے وقت نکال لیتا ہے---بھئی' میرٹ میں ہوں اور کہاں؟ نہیں' یہاں کے علاوہ کہیں کھاتا پیتا نہیں---ہاں ہاں' اس دن کمرا بھی یہاں ہی لیا تھا۔ سیف ہوتا ہے نا!---نہیں' یہ میں نے نہیں پوچھا---بھئی' مجھے اس سے کیا' میرا تو بڑا خیال رکھتا ہے مگر آج نہ جانے کہاں بزی ہو گیا ہے---میں نے تو ابھی کچھ کھایا بھی نہیں۔ سچ میں' بڑی بھوک لگ رہی ہے---یہاں اکیلی بیٹھی بہت بور بھی ہو رہی ہوں---اچھا او کے' اللہ حافظ! پھر بات ہو گی۔"

مس پھر ادھر اُدھر دیکھنے اور موبائل سے کھیلنے لگی۔ کچھ دیر میں اوب گئی تو ویٹر کو بلا کر بولی۔

"میں ذرا واش روم ہو کر آتی ہوں' یہ جگہ ریزرو ہی رکھنا---"

"اچھا' میڈم---!"

"---اور یہ میرا موبائل ذرا تھوڑی دیر چارج پر لگا دو' کہیں بیٹری جواب نہ دے جائے اور میرے امپورٹینٹ فون مس نہ ہو جائیں---"

"اچھا' میڈم---!"

دس منٹ بعد مس واش روم سے فریش میک اپ کی تہہ جما کر واپس لوٹ آئیں اور آتے ہی ویٹر سے اپنا فون طلب کیا' پھر فون ملایا۔

"دو گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں' کیا مجھ سے دل بھر گیا ہے؟---پھر ابھی تک آئے کیوں نہیں' اب اور کتنا انتظار کروں؟---بھئی' میں بور ہو گئی ہوں۔ نہیں آتا تو بتا دو' میں واپس چلی جاتی ہوں---میں نے تمہاری ہائی ٹی کے چکر میں لنچ بھی نہیں لیا---یہ کیسے ہو سکتا ہے' میں یہاں اکیلی ٹھونسنے نہیں آئی' بس فوراً آؤ' میں دس منٹ اور انتظار کروں گی۔"

فون بند کر کے وہ پھر فون سے کھیلنے لگی۔ ویسے بھی آج کل فون کام سے زیادہ تفریح کا سامان ہو چکا ہے۔ ہم خاصی دیر سے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ لباس انگریزی اور انتہائی چست۔ دھان پان سی' اپنے وزن کے برابر میک اَپ چڑھایا ہوا تھا۔ بار بار اپنے بیش قیمت موبائل کی طرف دیکھتی۔ اکیلی تھی جس کا مطلب تھا کہ کسی کے انتظار میں ہے۔ ہم نے اپنا کھانا پینا شروع کیا اور وقت کے ساتھ اس کی بڑھتی بے چینی بھی دیکھتے رہے۔ ہمارے مہمان نے ہم سے پوچھا۔

"لڑکی تو زبردست ہے مگر بڑی بے چین نظر آ رہی ہے---"

"بے چین وہ بھوک کی وجہ سے ہے' اس کا میزبان ابھی تک نہیں آیا---" ہم نے کہا۔

پھر مس نے خود ہی موبائل سے کسی کو فون کیا۔ اُلٹے سیدھے چہرے کی تاثرات بنائے' منگتی ہوئی اُٹھیں اور ڈھیر سارا کھانا کھانے کو لے آئیں۔ کچھ دیر بعد ایک اور ہی نظارہ ہو گیا۔ ان مس کے میزبان نے شاید اپنا موبائل بند کر دیا تھا اور بل دینے کے لیے مس کے پاس پیسے نہ تھے اور ان کی پریشانی قابلِ دید تھی۔ اب ان کا موبائل بے کار ہو گیا تھا لیکن پھر وہی موبائل فون ہی ان کے کام آ گیا جس کو اس نے ضمانت کے طور پر کاؤنٹر پر جمع کروایا اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے روانہ ہوئی۔ ہوٹل والوں نے بھی سارا کام اس آہستگی اور خوش اسلوبی سے کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی' ہماری اور بات تھی کہ ہم تو سب کچھ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

اسلام آباد کی "موبائلوں" (لڑکیوں) کے تو انداز ہی نرالے ہیں۔ شریف ہیں لہٰذا کپڑوں کی طرح محبوب نہیں بدلتیں' موبائل بدلتی ہیں۔ ذرا ملاحظہ ہو---جناح سوپر مارکیٹ کی ایک بڑی موبائل شاپ پر ہم کھڑے ہیں کہ چار عدد الٹرا ماڈرن لڑکیاں داخل ہوتی ہیں۔ اب ان کی دوکاندار سے بات چیت شروع ہوتی ہے۔

"آپ کے پاس کوئی اچھا سا فون ہے---"

"جی آپ کون سا چاہتے---؟"

"بس جو اچھا سا ہو---"

"مثلاً' نوکیا 3100 دیکھ لیں۔ اس میں پولی فونک ٹونز ہیں۔ MMS ہے' GPRS ہے۔"

"نہیں' یہ سب نہیں۔ بس فون اچھا ہو اور نوکیا نہ ہو۔ میں نوکیا بہت استعمال کر چکی ہوں' بور ہو گئی ہوں۔"

"پھر یہ سونی ایرکسن دیکھیں P700i یہ 18000 کا ہے اور یہ P500i' 12000 کا ہے۔"

"سیمنز کا کوئی دکھائیں---"

"یہ دیکھیں' یہ L65 ہے۔ بڑا زبردست فون ہے۔"

"کوئی اور---"

"یہ سینڈ دیکھ لیں' کیمرہ کے ساتھ صرف 5500 کا ہے یا پھر LG یا Betel کا دیکھ لیں---"

"وہ سامنے کون سے ڈبے پڑے ہیں۔"

"جی سام سنگ کے ہیں۔ اس کا X120 نیا آیا ہے۔"

"مجھے سام سنگ کا X600 دے دیں---کتنے کا ہے؟"

نوید ظفر کیانی

''جی بارہ ہزار کا صرف---''

''میرا فون کتنے کا لیں گے---نوکیا 2100 ہے' پچھلے ماہ 4500 کا لیا تھا۔''

''اِس کے مَیں 1500 دے دوں گا---ڈبہ کھل چکا ہے' نا!''

''نہیں نہیں' یہ بہت کم ہیں۔ کم از کم دو ہزار تو دیں۔''

پھر دوکاندار نے حیل و حجت کر کے اِس کے فون کے 1800 لگا دیئے اور پوری منافع بخش قیمت پر اپنا فون بھی بیچ دیا۔ ایک اور لڑکی نے بھی اِسی قسم کا سودا کیا' باقی دو نے نہیں کیا کیونکہ اُن کے فونز کو ابھی ایک ماہ بھی نہ ہوا تھا۔

☆☆

چند سال پہلے اچانک ہماری بے غم کو بھی موبائلی یعنی اہلِ موبائل ہونے کا شوق چڑھا۔

''ایک موبائل مجھے بھی لے دیں---''

''ضرور لے دیں گے مگر تمہیں اِس کی کیا ضرورت ہے؟''

''نہیں---لیکن مجھے چاہئے۔''

''صرف فیشن میں---؟''

''بالکل---اِب تو جس کو دیکھو موبائل لیے پھرتا ہے۔''

''چلو بھئی' تم بھی فیشن پورا کرلو---کون سا فون چاہئے؟''

''یہی جو نیا آیا ہے' نوکیا 1100---''

''فون ہی لینا ہے تو کوئی بڑھیا والا لو ورنہ چند دِن بعد تبدیل کرتی پھرو گی---یوں کرو' نوکیا 6100 لے لو۔ خالص خواتین کا فون ہے جو مرد بہت خوشی سے لیے پھرتے ہیں۔''

''نہیں---مجھے نوکیا 1100 ہی پسند ہے۔ اِس کی گریپ اچھی ہے' ٹارچ بھی ہے---''

''تمہاری مرضی---ہم تو تمہیں زیادہ اچھا والا فون لے دیتے۔''

پھر اُنھوں نے نوکیا 1100 ہی لیا جو لیڈیز فون ہی ہے۔ جب سے اِن کے پاس فون آیا ہے' سارے خاندان والیوں کو گھنٹیاں مارتی ہیں اور جواب میں وہ سب اِن کو گھنٹیاں مارتی رہتی ہیں اور یہ کام اِس قدر مستقل مزاجی سے ہو رہا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

☆☆

خواتین موبائلوں کی بات ہو رہی ہو اور گولڈ میڈلسٹ زن مرید انصر مہدی کی بیوی کا ذکر نہ ہو' یہ کیسے ممکن ہے---بیگم انصر ملازمت کرتی ہیں جہاں سے اُنھیں 3500 لمٹ والا موبائل فون ملا ہوا ہے۔ پھر دفتر کا فون بھی مفت اور ڈائریکٹ ہے۔ دوسری طرف انصر صاحب کے پاس بھی سہولیات من و عن ہیں۔ دونوں میاں بیوی پاگل ہرگز نہیں کیونکہ پاگل اِتنے بھی پاگل نہیں ہوتے جتنے یہ میاں بیوی ہیں۔ ایک دِن میں بیوی صاحبہ پورے 20 فون کرتی ہیں اور انصر صاحب 20 سے 25 فون کرتے ہیں۔ اَب اِس کو 365 دِن سے ضرب آپ خود دے لیں اور آخر موبائل کمپنیاں ایسے ہی تو کروڑوں روپے یومیہ نہیں کما رہیں۔ اَب اِتنے فون ملائے جائیں گے تو باتیں کیا ہوتی ہوں گی' اِن کی جھلک بھی دیکھ لیں---بیگم کراچی اور موصوف اِسلام آباد میں ہیں۔

''ہیلو' انصر! کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہوں---تم نے بجلی کا بل جمع کروا دیا تھا؟''

''ہاں---اچھا' جانو! مَیں پھر فون کرتی ہوں۔'' ایک گھنٹے بعد پھر فون کیا۔

''ہیلو' انصر! کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہوں---تمہارا بس اِس وقت کیوں چلتا ہے جب تم مجھ سے بات کر رہی ہوتی ہو؟''

''منحوس ہے---ذرا ہولڈ کرو یا پھر آدھ گھنٹے بعد فون کر لینا۔''

آدھے گھنٹے بعد انصر صاحب فون کرتے ہیں۔

''آدھا گھنٹہ ہو گیا---؟''

''شاید---کیا تمہارے پاس گھڑی نہیں ہے؟''

ہزل

تغافل سے کرو توبہ، قیامت آنے والی ہے
کنوارے پن کی آزادی ختم ہو جانے والی ہے

میاں بچھڑے! اچھلنے کودنے کے دن گئے تیرے
پنجالی کے شکنجے میں یہ گردن آنے والی ہے

اچانک دنیا بھر کے رنج و غم لگنے لگے اپنے
تصور میں چھری ، کھونٹا ، رسی لہرانے والی ہے

دل اتنا درد سہنے کا کیوں عادی ہوتا جاتا ہے
خدانخواستہ ، لگتا ہے ، شادی ہونے والی ہے

مصیبت پہ مصیبت ، آزمائش ہر گھڑی ہر سو
نصیب دشمناں ، لگتا ہے ، بیوی آنے والی ہے

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے جان مسٹر کو
اگرچہ صورت حالت بہت گھبرانے والی ہے

✡ مسٹر ڈ بکلاں

نوید ظفر کیانی

"تم کہنا کیا چاہتی ہو---؟"

"کچھ بھی نہیں---گھڑی رکھو تاکہ تمہیں اپنی اوقات یاد رہے۔"

"تم بدتمیز ہو---"

"تم سے کم---"

"انصر صاحب غصے میں فون بند کر دیتے ہیں' پھر دس منٹ بعد فون کرتے ہیں۔

"تم نے مجھ سے مذاق کیا تھا؟"

"ہاں---"

"سوری بولو---"

"تم نے فون بند کیا تھا' تم سوری بولو---"

انصر صاحب پھر فون بند کر دیتے ہیں۔ آدھے گھنٹے بعد محترمہ کا فون آتا ہے۔

"ہیلو' انصر! کیا حال ہے؟"

"تم سوری نہیں بولو گی تو میں بات نہیں کروں گا۔"

"اچھا بابا' سوری---"

"اب محترمہ نے فون بند کر دیا--- گھنٹے بعد انصر صاحب فون کرتے ہیں۔

"میں سوری کیوں بولوں---؟"

"کیونکہ تم نے فون بند کیا تھا---"

"اچھا بھئی' سوری--- وہ یاد آیا' بجلی کا بل جمع کروا دیا تھا---؟"

"انصر! باس نے بلوایا ہے' بعد میں بات ہو گی۔"

موبائل پھر بند ہو گئے تھوڑی دیر کے لیے۔

☆☆

موبائل فون کی اب اپنی ایک دنیا بن چکی ہے' لاکھوں لوگوں کا روزگار اس سے منسلک ہے۔ اب وہ دن بھی دور نہیں جب ٹھیلے پر آوازیں لگا کر موبائل سیٹ فروخت ہوا کریں گے اور بعید نہیں کہ آپ کو اس قسم کی آوازیں سنائی دیں۔

"موبائل لے لو' موبائل لے لو--- نوکیا ہے' سیمنز ہے' سونی اریکسن ہے' بھائی! ہر فون صرف ہزار روپے میں مع کنکشن--- موبائل لے لو۔ پرانا فون دے دو' نیا فون لے لو--- موبائل لے لو۔"

پاکستانی موبائلیوں کو موبائل فونز کا بخار چڑھا ہوا اور دہشت گرد اس سے استفادہ نہ اٹھائیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا جرائم کی دنیا میں موبائل کو وہ مقام ملا جو جوان مرد کی آنکھ میں قابل دست انداز حسینہ کے لیے ہوتا ہے۔ قانون جرم سے ہمیشہ پیچھے ہوا کرتا ہے اسی لیے پہلے جرم ہوتا ہے پھر اس کے تدارک کے لیے قانون بنتا اور حرکت میں آتا ہے۔

"ایزی" سسٹم یعنی انسٹا اور پاکٹل کو قانون آسانی سے ٹریس کر لیا تھا مگر GSM موبی لنک کو ٹریس کرنے کا ساز و سامان نہ تھا' موبی لنک کی مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی رہی ہو' "اور سناؤ؟"--- کراچی میں ایک طویل عرصے کے لیے موبی لنک کی سروسز کو حکومت نے جبری بند کروا دیا۔ پھر مشینری آئی اور جب حکومت کو اطمینان ہو گیا کہ اب وہ ہر شہری کی گفتگو سن سکتی ہے تو پھر سروسز بحال کر دی گئیں۔ اب ہر شخص کی ایک ماہ کی گفتگو یا پیغامات کا مکمل ریکارڈ رکھنا ان کمپنیوں کی لازمی ذمہ داری ہے۔ پھر SIM میں ڈالے گئے تمام نمبر کمپنیوں کے ریکارڈ میں محفوظ ہوتے ہیں گویا کہ ایک موبائل کے استعمال سے آپ نے اپنی تمام "پرائیویسی" ختم کر ڈالی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان اقدامات سے خاطر خواہ افاقہ بھی ہوا ہے البتہ لڑکے لڑکیوں کی فونز کالز ابھی دہشت گردوں کی لسٹ میں نہیں آئیں ورنہ اظہار محبت بھی قابل دست اندازی پولیس ہو جاتا کیونکہ "دل تو ایک ہے" اور پولیس پوچھتی "آپ کے پاس شرم و حیا ہے؟ نہیں ہے نا!"--- ایک ٹیلی فون کمپنی ہے "تھورایا" یہ ایک سٹلائیٹ کنکشن ہے جس کا کنکشن مہنگا بہت ہے مگر تمام موجودہ ہائی ٹیک ٹیکنالوجی بھی اس کا توڑ نہیں نکال سکی۔ اس سسٹم کو شہرت دوام مسٹر اسامہ بن لادن نے پہنچائی۔ اُن کے زیر استعمال یہی کنکشن رہا مگر امریکہ بہادر جن کا دعویٰ تھا کہ وہ افغانستان کے پہاڑوں میں چھپے چوہے کو بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں' وہ اسامہ کو اس فون کے باوجود ٹریس نہ کر سکے۔ ادھر امریکہ اُسامہ کے مرنے کا اعلان کرے' اُدھر اسامہ "تھورایا" فون سے پریس کانفرنس کر دے۔ حیرت اس بات کی ہے کہ امریکہ نے اس کمپنی کو ختم کیوں نہ کیا اور ظاہر ہے اس لیے کیونکہ وہ کسی مسلمان ملک کی کمپنی نہیں۔

موبائل فون کا کام پہلے صرف کال کرنا اور کال سننا ہوا کرتا تھا مگر آج کل موبائل کیا کرتے ہیں--- ٹریفک کے بیک گراؤنڈ میں صاحبزادے اپنی فوٹو کھینچ کر باس کو MMS کر دیتے ہیں۔

"باس! ٹریفک میں پھنس گیا ہوں---"

پھر ہلے گلے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ واللہ! نئی نسل کو کیسی زبردست تربیت دی جا رہی ہے۔

آج کل کے فون' فون کرنے کے علاوہ اور کیا کچھ کرتے ہیں اس کی جھلک ہم آپ کو اپنے موبائل فون سے ملوا کر دیتے ہیں۔ موصوف کا اسم شریف نوکیا 6670 ہے' جدید ٹیکنالوجی کا شاہکار ہیں۔ ایک پیغام

نوید ظفر کیانی

اگر 100 لوگوں کو ارسال کرنا مقصود ہو تو بس ایک بٹن دبائیں' باقی کام وہ خود کرتے ہیں۔ ویڈیو فلم بناتے ہیں' تصاویر بناتے ہیں۔ پھر فون میں ہی سہولت ہے کہ ایڈٹنگ کر لیں' بیک گراؤنڈ میوزک ڈال لیں۔ ویڈیو گانے اور MP3 میوزک سے لیس ہیں---512MB کی میموری کارڈ میں پوری چار انگلش یا دو انڈین فلمیں ڈل جاتی ہیں جو دورانِ سفر وقت کاٹنے کا اچھا ذریعہ ہیں۔ رابطہ میں ایک آدمی کا پورا تاریخ جغرافیہ رکھا جا سکتا ہے یعنی دس قسم کے ٹیلی فون نمبر' تین ای میل ایڈریس' تین ویب سائیٹ ایڈریس' دفتر اور گھر کے مکمل پتے' سالگرہ' نوٹس وغیرہ وغیرہ وغیرہ اور اہم قسم کی 5000 انٹریز کی گنجائش ہے۔ رنگ ٹونز' وال پیپرز اور اسکرین سیورز کا شمار ہی نہیں۔ مکمل کمپیوٹر ہے جس میں Word, Excel, PowerPoint موجود ہیں۔ گیمز اتنی ہیں کہ بچوں کو کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ تمام ڈیٹا عام پرنٹر سے لگا کر پرنٹ کیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ قسم کے کلکولیٹر کے علاوہ شاہکار قسم کا ''کنورٹر'' بھی ہے۔ ایک ہی وقت میں پاکستانی کرنسی دیگر 50 ممالک سے کنورٹ کر کے بتا دیتا ہے۔ ویسے دُنیا کے ہر ملک سے مطابقت کی گنجائش ہے۔ ہر قسم کے پیمانوں' درجہ حرارت' فاصلے' اوزان وغیرہ کو احسن اسٹائل میں کنورٹ کر دیتا ہے۔ وائس ریکارڈنگ' وائس کمانڈ کا یہ عالم ہے کہ موبائل کا ہر فعل آپ کی آواز سے چلتا ہے۔ انٹرنیٹ کا استعمال عام کمپیوٹر کی طرح کرتا ہے۔ اپنا ذاتی ''موڈیم'' ہونے کی وجہ سے دورانِ سفر انٹرنیٹ کا بآسانی استعمال فراہم کرتا ہے۔ کوئی سی بھی سائٹ پر آرام سے لے جاتے ہیں۔ اپنے ای میل چیک کرنا یا ای میل کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ ہر قسم کی ڈاؤن لوڈنگ کی صلاحیت کی وجہ سے مزید سافٹ ویئر ایڈ کرتے رہتے ہیں۔ موصوف میں ''لائف بلوگ'' نام کا سسٹم بھی ہے جو آپ کی ہر Activity کو محفوظ رکھتا ہے جب تک اسے کمپیوٹر پر منتقل نہ کر دیا جائے اور یہ سب کچھ کمپیوٹر کے ساتھ منسلک ہے۔ ہم کمپیوٹر میں نام پتے ڈالیں' وہ فون پر آٹومیٹک منتقل ہو جاتے ہیں۔ ہم فون سے ای میل بھیجیں' ویڈیو بنائیں' کچھ کریں' وہ کمپیوٹر پر منتقل کر دیتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ''بلوٹوتھ'' کی وجہ سے یہ تمام کام بغیر کسی تار (وائرلیس) کے ہی ہوتے ہیں۔ جو بھی فون یا ڈیوائس ''بلوٹوتھ'' رکھتی ہو' ہم اس سے کچھ بھی اپنے فون پر منتقل کر سکتے ہیں یا اسے ارسال کر سکتے ہیں بغیر پیسوں کے--- سو سال کا پروگرام ایبل کیلنڈر ہے گویا ہم اپنی وفات کے بعد کے 75 سالہ پروگرام بھی اس میں ڈال سکتے ہیں۔ بیسیوں قسم کے الارم۔ قصہ مختصر اس فون میں اس سے بہت کچھ زیادہ ہے جو بیان کیا گیا۔ رہی بات فون وصول کرنے کی تو اس بیش قیمت فون پر بھی پیغام وہی ملتا ہے جو چند ہزار کے فون پر ملتا ہے یعنی بے غم کہتی ہیں' واپسی پر آلو پیاز لیتے آئیے گا۔

موبائل کی دُنیا میں ایک جدت ''وارنٹی'' کے نام سے بھی بیماری کی طرح پھیل چکی ہے--- چند ذہین لوگوں نے دولت کے انبار لگانے کے لیے ''وارنٹی'' کا نعرہ لگا کر فون فروخت کرنے شروع کر دیئے۔ بغیر وارنٹی کے اَب وہی فون میسر ہیں جو پاکستانی بھائی یورپ سے چوری کر کے لے آتے ہیں۔ یورپ میں ''اورنج'' ''ایپل'' وغیرہ کے کنکشن کے ساتھ فون مفت ملتا ہے اور کنکشن بھی قسطوں پر۔ یار لوگ ایک قسط دے کر فون پاکستان لے آتے ہیں اور اسے فروخت کر دیتے ہیں۔ کمپنیوں نے وہ فون لاک کیے ہوتے ہیں مگر پاکستانی ''ماہرین'' ہر قسم کا لاک کھول دیتے ہیں۔ چین کے اقتصادی انقلاب نے تباہی مچا دی ہے اَب نیا فون ہی صرف اصلی ہوتا ہے۔ اِس کی کیسنگ' بیٹری' چارجز' ہینڈ فری' ہر شے میڈ اِن چائنہ ہوتی ہے۔ ہمیں تو اس دِن کا انتظار ہے جب میڈ اِن چائنہ بیویاں بھی مارکیٹ میں آ جائیں گی۔ ایک زمانہ تھا کہ گورے کی بڑی ویلیو ہوا کرتی تھی۔ اَب وہ زمانہ ہے کہ گورا بھی چائنہ کے مال کی قدر کرتا ہے۔ ''سونی اریکسن'' کے تو تمام فون ہی چائنہ میں بنتے ہیں--- ''سینڈو'' جو ہالینڈ کا بنا ہوا فون ہے' اس کی بیٹری پر لکھا ہے انگلینڈ کی بنی ہوئی' جس میں اصلی سیل چائنہ کا استعمال کیا گیا--- پیسے کی ریل پیل کے کاروبار میں بے ایمانی بہت جلد سرایت کر جاتی ہے۔ دوکاندار جی کھول کر گاہک کو لوٹ رہے ہیں' گاہک خوشی سے لٹ رہے ہیں۔ کمپنیاں گاہک کو لوٹ رہی ہیں' وہ خوشی سے لٹ رہے ہیں۔ کسی نے نیا فون خریدا' پسند نہ آیا۔ دوسرے دِن تبدیل کرنے گیا تو دوکاندار نے 35 فیصد کاٹ لیے۔ فون میں کارڈ ڈلوا کر بیلنس چند دِن بعد چیک کیا تو کئی سو روپے کٹے ہوئے' کوئی پوچھنے والا نہیں اور پوچھنے والوں کے موبائل مفت چل رہے ہیں۔ اِس موبائلی دَور میں سلامی میں موبائل پیش کیا جاتا ہے' رشوت میں موبائل نذر کیا جاتا ہے' تحفہ میں موبائل دیا جاتا ہے' محبوبہ کو موبائل دیا جاتا ہے۔ الغرض موبائل ہی موبائل ہو گیا ہے۔ بچے نے امتحان پاس کیا' موبائل دیا۔ شادی میں کیا دیں؟ موبائل دیں۔ سالگرہ پر کیا دیں' بڑی آسامی ہو تو موبائل ورنہ کنکشن دینے کا بھی فیشن ہے۔

اگرچہ ہم موبائل فونز کے استعمال کرنے والوں میں بہت پرانے ہیں مگر اَب جی اُوب سا گیا ہے کیونکہ موبائل کے وائرس نے ہمارے معاشرے کو بُری طرح جکڑ لیا ہے۔ دُنیا کی اکانومی میں ہمارا شمار

لطیفے ہی لطیفے

☆ دو چاہنے والے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چپس کھا رہے تھے۔ لڑکی شرما کر بولی۔

"آپ اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"تم مجھ سے زیادہ کھا رہی ہو--- بھوکی!" لڑکے نے جواب دیا۔

☆ پہلا لڑکا: (دوسرے سے) یار! لڑکی کو آئی لو یو کہنے کی سب سے اچھی جگہ کون سی ہے؟

دوسرا: کوئی بھی دربار!

پہلا: وہ کیوں؟

دوسرا: کیونکہ وہاں لڑکیوں نے جوتے نہیں پہنے ہوتے۔

☆ شاہ جہان جدید نے اپنے تاج محل کی ہر کھڑکی، ہر دیوار اور ہر مینار کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"ماں قسم! بہت خرچہ ہوگیا بچی کے چکر میں---"

☆ ایک بہت اونچی دیوار کے اوپر، یعنی کسی عمارت کی دوسری منزل پر ایک بکری کا بچہ کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ قریب کے جنگل سے ایک بھیڑیا آکر نیچے کھڑا ہوا ہے اور اس کی جانب دیکھ رہا ہے۔ پہلے تو بکری کا بچہ بہت گھبرایا، پھر پرسکون انداز میں بولا۔

"چچا جان! اسلام عرض کرتا ہوں۔"

بھیڑیے نے جواب دیا۔ "بیٹا! یہ تو نہیں بول رہا، بیس فٹ اونچی دیوار بول رہی ہے۔"

☆ ایک بندہ ایک وقت میں بیس روٹیاں کھاتا تھا۔ اسے سرکس والوں نے ہائر کرلیا۔ پہلا شو ہوا اس نے بیس روٹیاں کھالیں۔ اگلا شو ایک گھنٹے بعد ہوا، اس نے پھر بیس روٹیاں کھالیں۔ لوگ بہت حیران تھے اسی لئے تیسرے شو کے لئے بھیڑ مزید بڑھ گئی۔ اگلا شو دو گھنٹے بعد ہونا تھا۔ جب دو گھنٹے گزر گئے تو پتا چلا کہ وہ بندہ غائب ہے۔ اس کو ڈھونڈتے ہوئے لوگ اس کے گھر پہنچے، دیکھا تو وہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ جب اس سے وجہ پوچھی تو بولا۔

"ہاں، میں شو ہی کرتا رہوں، کھانا نہ کھاؤں۔"

☆ وہ: لو میرج اور ارینج میرج میں کیا فرق ہے؟

دوسرا: سمپل ہے یار! لو میرج میں بندہ اپنی گرل فرینڈ سے شادی کرتا ہے اور ارینج میرج میں کسی اور کی گرل فرینڈ سے۔

☆ یار! ایک لڑکی مجھے مِس کر دیکھتی ہے۔

دوسرا: کنفرم کرلو کہ مِس کے دیکھتی ہے یا دیکھ کر ہنستی ہے۔

☆ یار میں نے سوچا ہے کہ اپنی برسالگرہ پر ایک بکرا ذبح کروں۔

دوسرا: غلطی تم نے کی ہے اور سزا اس بیچارے کو کیوں دو گے؟

☆ ایک آدمی کے گھر کے سامنے ایک گدھا مرا پڑا تھا۔ اس نے میونسپل کمیٹی کو فون کیا۔

"میرے گھر کے سامنے گدھا مرا پڑا ہے، اسے اٹھوائیں۔"

جواب ملا۔ "وہیں دفن کردو۔"

وہ آدمی کچھ دیر تو خاموش رہا پھر جل کر بولا۔ "دفن تو میں کردیتا ہوں مگر میں نے سوچا کہ مرحوم کے خاندان والوں کو تو خبر کردوں۔"

☆ ایک غریب نیگرو ایک مال دار امریکی کے باغ کی زمین کھود رہا تھا۔ کام پورا ہونے کے بعد اسے پیٹ بھر کر روٹی ملنے کی امید تھی۔ کھدائی کرتے کرتے اسے دس سینٹ کا سکہ ملا۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ چند منٹ کے بعد اسے ایک اور سکہ ملا، اس نے وہ بھی جیب میں ڈال لیا۔ پھر ایک اور--- یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ اس کے بعد اچانک اس پر یہ بھید کھلا کہ اس کی پتلون کی جیب میں سوراخ تھا۔

فلک ناز۔ سرگودھا

اکیسویں نمبر پر آتا ہے مگر حیرت ہے کہ موبائل کے استعمال میں ہم پانچویں نمبر پر ہیں۔ بچہ بچہ بلکہ بچی بچی موبائل سے کھیل رہی ہے۔ اس کی افادیت سے انکار نہیں لیکن اس کا استعمال زیادہ تر غلط ہو رہا ہے جیسے ایک روز ایک چہکتی ہوئی اور وہ بھی زنانہ ہمارے موبائل پر آئی۔

"شاہد صاحب بول رہے ہیں---؟"

"جی ہاں---"

"آپ نے مجھے پہچانا؟"

"کیا آپ میری کوئی پرانی دوست ہیں---؟"

"جی ہاں---"

"کون---؟"

"یہ نہیں بتاؤں گی' آپ خود پہچانئے۔"

"آپ کی آواز بے حد خوبصورت ہے۔ لگتا ہے حال میں سُنی بھی ہے لیکن سمجھ نہیں آرہا کہ آپ کون ہیں؟"

"کیا آپ مجھ سے ملنا چاہیں گے---؟"

"کیوں نہیں--- کب کہاں؟"

"سنا ہے آپ کی بیگم بڑی سخت ہیں۔ انہیں پتہ چل گیا تھا---؟"

"ارے وہ تو اللہ میاں کی گائے ہیں اور پھر میں نے آج تک پکڑائی نہیں دی۔ جلدی بتائیں' کہاں ملیں گی؟"

"آپ بتائیں---؟"

"یوں کریں' میریٹ ہوٹل آجائیں--- لیکن نہیں' وہاں کوئی دیکھ لے گا---"

"تو دیکھ لے--- پھر کیا ہوا؟"

"آپ ایسا کریں' شکر پڑیاں پارک میں ایک ٹی اسٹال ہے' آپ وہیں آجائیں---"

"جی اچھا--- جلدی آیئے گا۔"

ہم بھاگم بھاگ اس طرف روانہ ہوئے تو وہ ہم سے پہلے وہاں پہنچی ہوئی تھیں۔ ہم نے انہیں فوراً پہچان بھی لیا' وہ بے غم کی سہیلی تھیں اور باقاعدہ مسکرا رہی تھیں۔ برابر میں ہماری بے غم اُن کا وائس ریکارڈنگ والا فون تھامے بار بار ہماری گفتگو ری وائنڈ کر کر کے سن رہی تھیں۔ یوں کہہ لیں کہ سیانا موبائلیہ پھنس گیا تھا اور وہ بھی دونوں ٹانگوں سے--- موبائل فون واقعی بیکار چیز ہے' ہم سنجیدگی سے سوچ رہے تھے کہ اب اسے ترک کر ہی دیا جائے۔

☆☆

نوید ظفر کیانی

نیکی کر، مری کو جا

(تیسری اور آخری قسط)

☆ سید ابرار بخاری

صبح تک ہم انہی بدبودار رضائی اور بستر میں سرتاپا غرق جوانی کی نیند سو رہے تھے۔ "جوانی کی راتیں، مرادوں کے دن" تو عرض ہوا، داغ مفارقت دے چکے تھے، یہ جو واپسی ہوئی تھی، یہ "اللہ بخشے" اللہ بخش صاحب کی مرہون منت تھی۔

"صاحب جی--- صاحب جی! صبح ہو گئی، اٹھ جایئے۔"

کوئی مسلسل عالم غیب سے ہمارے خوابوں میں آوازیں دے رہا تھا۔ یکبارگی کسی نے ہمیں زور زور سے جھنجھوڑنا شروع کر دیا، ہم نے فوراً آنکھیں کھول کر رضائی سے سر باہر نکالا تو اللہ بخش کو مسکینی صورت بنائے دیکھا، ہمیں جاگتے، دیکھ کر اس نے فوراً ماتھے تک ہاتھ لے جا کر ہم کو خوشامدی سلام کیا۔

"کیا ہے، اللہ بخش---؟" ہم نے کسلمندی سے پوچھا۔

"صاحب! صبح ہو گئی۔" اللہ بخش والا۔

ہم نے کمرے میں پھیلے ملگجے سے اُجالے کو دیکھ کر کہا۔ "یار، اللہ بخش! ہم شہری لوگ ہیں۔ ہماری ہاں، اتنی صبح صرف مرغ اذان دینے اٹھتا ہے یا مولوی نماز پڑھانے کے لئے---"

"صاحب! صبح کے نو بج گئے ہیں اور آپ---"

اس نے ایسے لب و لہجے میں کہا جیسے والدہ محترمہ ہمیں سکول کے زمانے میں یہ کہہ کر اٹھایا کرتی تھی کہ ابرار! اٹھ جا، نو بجنے کو آئے، کیا سکول نہیں جانا--- اور جب ہم منہ ہاتھ دھو کر اور ناشتہ کر کے سکول کی راہ لیتے تو پتہ چلتا کہ ابھی تو صبح کے ساڑھے سات بجے ہیں اور ہم بھولپن سے سوچا کرتے، ہمیں سچ بولنے کی تلقین اور خود امی کتنا جھوٹ بولتی ہیں۔

"یار! سچ کہہ رہے ہو؟" ہم نے بے یقینی سے پوچھا۔

"بالکل سچ، صاحب! باہر برف باری ہو رہی ہے اس لئے اندھیرا سا چھایا لگتا ہے۔"

"اچھا تو ہمارے منہ ہاتھ دھونے کا انتظام کرو--- اور ہاں، ذرا بٹ صاحب کو بھی خواب غفلت سے جگا دو۔"

ہم نے بستر میں ہی ایک لمبی چوڑی انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ اللہ بخش نے بٹ صاحب کی چارپائی پر نگاہ کی، بیچارگی سے مسکرایا اور بولا۔

"صاحب! یہ کار خیر آپ ہی سرانجام دیں---"

"متکلم" ہیں عام لوگوں سے کب مخاطب کریں ہیں خاص کو ہم

کچھ اس شعر سے ملتی جلتی بات کہی اور ہماری پاکیزگی اور طہارت کا انتظام کرنے باہر نکل گیا۔ ہم گھوڑے، گدھے بیچ کر سوئے ہوئے بٹ صاحب کو بیدار کرنے لگے۔ جب منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہو گئے تو اللہ بخش بولا۔

"صاحب! ناشتہ تیار کرواؤں یا---؟"

"ناشتہ فری ہو گا یا---؟" بٹ صاحب نے بھی اپنی بات "یا" کہہ کر ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں، صاحب! اس کے پیسے الگ سے ہوں گے--- کمرہ کرائے پر اٹھایا ہے، آٹے اور گھی کا کنسرن نہیں۔" اللہ بخش نے رکھائی سے کہا۔

"تو پھر تمہیں زحمت دینے سے کیا فائدہ، ہم خود ہی زحمت اٹھا کر ہوٹل سے کر لیں گے--- ہمارے سامان کا دھیان رکھنا، اب ہم شام کو ہی لوٹیں گے۔"

باہر نکلے تو ہلکی ہلکی برف گر رہی تھی۔ شجر و حجر نے روئی کا لباس زیب تن کر رکھا تھا، مقامی لوگ رضائیوں میں لپٹے آگ سے جسموں کو گرم کر رہے تھے اور سارے بیرونی خانہ بدوش باہر نکل کر خوشی سے کدکڑے لگاتے پھرتے تھے--- ایک اچھا سا ہوٹل دیکھ کر بٹ صاحب اس میں جا گھسے۔

"بھئی، ناشتے میں کیا ہے؟" بٹ صاحب نے ویٹر سے پوچھا۔

"سب کچھ ہے، صاحب!" ویٹر نے ادب سے جھک کر کہا۔

''سری پائے ہیں؟'' بٹ صاحب نے پوچھا۔

''نہیں، صاحب---!'' ویٹر نے نفی میں گردن ہلا کر کہا۔

''چنے کوفتے---؟''

''نہیں، صاحب---!''

''حلوہ پوری---؟''

''کھنڈ کلچے---''

''نہیں، صاحب---!''

''چل، یار! پھر ''نہیں صاحب'' کی ہی دو پلیٹیں لے آ۔''

بٹ صاحب نے تنگ آ کر کہا۔ جواب میں ویٹر کھی کھی کر کے ہنسنے لگا۔

''جاؤ، یار، ناشتے میں جو کچھ ہے، وہی لے آؤ۔'' ہم نے آڈر دیتے ہوئے کہا۔

دس منٹ بعد ویٹر سوپ کے دو پیالے، ایک میڈیم سائز پیزا، چار چھ جلے ہوئے توس اور چار عدد کوارٹر بوائل انڈے رکھ گیا۔ ناشتے کے آغاز سے لے کر انجام تک ہم فیصلہ نہ کر پائے کہ کون سی چیز دوسروں سے زیادہ بدمزہ ہے۔ ہر چیز ذائقے میں لاجواب تھی، یعنی اس جیسا ذائقہ مری کا، پورے پاکستان میں ملنا امرِ محال تھا---خیر، منہ بنا بنا کر ناشتہ زہر مار کیا، فارغ ہوئے تو ویٹر دو کپ چائے کے لے آیا۔ ایک کپ ہمارے سامنے رکھا اور دوسرا بٹ صاحب کے۔ واپسی کے لئے مڑا تو بٹ صاحب نے آواز دی۔

''اوئے! پا---!''

''جی، صاحب---!'' ویٹر مؤدب انداز میں بولا۔

''یار! ادھر دیکھو---'' بٹ صاحب نے ہمارے چائے کے کپ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا دیکھوں، صاحب---؟'' ویٹر نے حیرانی سے پوچھا۔

''غور سے دیکھو، اس کپ کی چائے کیسا ''لیلیٰ'' کی رنگت کو زمین چٹوا رہی ہے اور اِدھر میرے چائے کے کپ کو دیکھو، صرف ''لیلیٰ'' کے ہم رنگ---دیکھو، بھائی! یہ بے ایمانی نہیں چلے گی۔ جا، جلدی سے میرے کپ میں آدھ چمچ ''کالا کولا'' اور ڈال کر لا---'' بٹ صاحب نے الفاظ چبا چبا کر طنز سے کہا۔

''بس، صاب! چائے کا پانی ذرا زیادہ کھول گیا۔'' ویٹر نے آہستگی سے کہا۔

''---اور اس جوشاندے کی بدولت جو میرا دماغ کھول رہا ہے، اس کی بھی خبر ہے تجھے؟'' بٹ صاحب غصے سے بولے۔

''فکر نہ کریں، صاحب! آپ چائے پی کر تو دیکھیں، چار چھ منٹ بعد ہی آپ کے سارے شکوے اور شکایتیں ختم ہو جائیں گے، برف کے گولے کی طرح ٹھنڈے ٹھار ہو جائیں گے آپ---''

ویٹر اتنا کہہ کر کسی دوسرے گاہک کا آڈر لینے چلا گیا۔

جب کاؤنٹر پر بل دینے کی باری آئی تو رقم سن کر ہم دونوں کے سر سے لے کر پاؤں تک ایک ٹھنڈی سی لہر بجلی کی رو کی مانند دوڑ گئی۔ بل فقط سات سو روپیہ بنا تھا۔ بٹ صاحب نے بٹوا نکال کر ہزار کا نوٹ نکالا، ایک آہ بھر کر حسرت سے اسے دیکھا اور کیشئر کے حوالے کرتے ہوئے گنگنائے۔

''بٹ کی دعائیں لیتا جا
جا، تجھ کو کسی کنجوس کا پیار ملے''

باہر نکل کر بٹ صاحب ہوٹل والوں کی شان میں گستاخیاں کرتے ہوئے بولے۔

''شاہ جی! اپنے گوجرانوالہ میں دو سو روپوں سے ایسا ٹھیک قسم کا ناشتہ پیٹ بھر کر کرتے کہ اگلی صبح تک بھوک کو دیس نکالا مل جاتا، ادھر تو ہوٹل سے نکلتے ہی پیٹ کے کونے کھدروں سے احتجاج کی صدائیں بلند ہونا شروع ہو گئی ہیں۔''

''لعنت ڈالیں، بٹ صاحب! ذرا جانفزا فضاؤں، ہواؤں اور مناظرِ قدرت پر نگاہ ڈالیں، کتنی جاذبیت ہے ان میں۔ یوں لگتا ہے، جیسے جنت زمین پر اُتر آئی ہو۔''

''فکر نہ فاقہ، کیا کرے گا کاکا---آپ کو بھلا کیا لینا دینا، آٹے دال کا بھاؤ تو تب معلوم ہوتا ہے جب ''کماؤ ابا'' اچانک راہیِ عدم ہو جاتا ہے---کل جب ہم گلشن کی سیر کو نکلے تھے تو میرا بٹوا میرے پیٹ کی طرح پھولا ہوا تھا اور اب خرچ کر کر کے ایسا پچک گیا ہے کہ بٹوے سے زیادہ آپ کا منہ لگتا ہے۔''

انہوں نے ہوٹل والوں پر آئے غصے کو ہم پر یوں جھاڑا جیسے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہیں۔ ہم بھلا ہنسنے کے سوا کیا کر سکتے تھے اس لئے خوب ہنسے۔

''شاہ جی! کیا خیال ہے، شیو نہ کروالی جائے؟''

بٹ صاحب نے ایک حجام کی دوکان کو دیکھتے ہوئے کہا جس نے دوکان کے ماتھے پر ''بیوٹی پیلس'' کا نام جلی حروف سے لکھوا رکھا تھا۔ ہم نے رخساروں پر الٹا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''بٹ صاحب! ابھی کل صبح کر کے ہی تو نکلے تھے، ابھی ضرورت تو نہیں لگتی---''

"سرکار! یہ گوجرانوالہ نہیں جہاں آپ تین تین ہفتے کی بڑھی شیوے کو شل مجنوں اس کی سڑکوں کی مٹرگشت کیا کرتے ہیں---قبلہ! یہ مری ہے جہاں کی مال روڈ پر پورے پاکستان سے آئی حسینائیں کیٹ واک کرتی پھرتی ہیں اور ابا یا بھائی کے ڈر سے کچھ اس طرح سے دیکھتی ہیں۔"کہیں پہ نگاہیں، کہیں پہ نشانہ"---سوچیں، ذرا آپ کا جھاڑ منہ دیکھ کر انہیں کتنا دلی صدمہ ہوگا؟"

"بٹ صاحب! انہیں کیا صدمہ ہوگا "صدمات مسلسل" تو ہم پر وارد ہوں گے کہ کاش، پچیس سال پہلے مری کا چکر لگایا ہوتا۔" ہم نے آہ بھر کر کہا۔

شیشے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو گمان گزرا جیسے ہم نائی کی دوکان کی بجائے کسی نگار خانے میں گھس آئے ہوں۔ دیواروں پر ہالی وڈ اور بالی وڈ کی تمام قابل قدر حسینوں کے قد آدم پوسٹر کمزور ایمان والوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کو موجود تھے۔ ایک دیوار پر اگر ایشوریہ رائے سولہ سنگھار کیے پورے کپڑوں میں دعوت نظارہ دے رہی تھی تو اس کے ساتھ میڈونا عالم غربت میں دو دھجیاں اپنے پُر شباب بدن پر لگائے دعوت گناہ دے رہی تھی۔ ایک طرف اگر کترینہ کیف اپنے ہونٹوں پر ملکوتی مسکراہٹ سجائے شربتی آنکھوں سے مسکرا کر اپنے حسن کی بجلیاں گرا رہی تھی تو دوسری طرف برٹنی سپیئر اپنے آتشی بدن سے دیکھنے والوں کے سلگتے جذبات کو بھانبڑ کی صورت دے رہی تھی۔ غرض اس بات کا پورا انتظام کیا گیا تھا کہ باہر کی یخ بستہ فضاؤں سے اندر داخل ہونے والوں کے سرد بدنوں کو ان کے حسن جاں سوز سے حدت پہنچنے کا اہتمام کیا جائے۔

"آیئے، سر! تشریف رکھیے---"

دوکاندار نے ایک جہازی سائز کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی چاپلوسی کی ساری مٹھاس شامل کرتے ہوئے کہا۔ قطار میں لگی کرسیاں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ سنہری، روپہلی، چمکتی دمکتی۔ آدمی بیٹھے تو چھ انچ اس میں ہی دھنس جائے۔ قسم ہے، ایسی کرسیاں ہم نے دانتوں کے ڈاکٹر کے ہاں یا فلموں میں جہازوں میں ہی لگی دیکھی تھیں۔ ہم نے ایک لمحے کے لئے ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا، ہائے! بوئنگ بنانے والوں پر کیا ادبار آ گیا کہ اب انہوں نے نائیوں کی کرسیاں بنانی شروع کر دیں---محترم جدید نائی عرف باربر صاحب بھی اپنی مثال آپ تھا، نک سک سے درست، پینٹ شرٹ میں ملبوس، کلین شیو، سر کے بال کسی ماڈرن حسینہ کی طرح کندھوں کو چھوتے ہوئے۔ نائی سے زیادہ وہ کسی پاپ میوزک گروپ میں زور زور سے پاؤں مارتا، اچھل کود کرتا، سٹیج کی ایسی تیسی کرتا ہوا گٹار بجانے والا گٹارسٹ لگتا تھا۔

"شیو کروانی تھی، بھائی---!" بٹ صاحب نے کہا۔

"جی، تشریف رکھیے۔ ابھی کر دیتے ہیں۔" نائی نے کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"چلیے، شاہ جی! پہلے آپ کروا لیجیے، میں تب تک رسائل کی ورق گردانی کر لیتا ہوں۔" بٹ صاحب نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا۔

ہم کرسی پر تشریف فرما ہوئے تو اس نے ہمارے رخساروں پر اپنی انگلیوں کو پانی میں ڈبو ڈبو کر نادیدہ بالوں کو نرم کرنا شروع کر دیا۔ قسم ہے پاک پروردگار کی، اُس کی انگلیوں کسی شوخ، البیلی، پُر شباب گلبدن کی حنائی انگلیوں سے بھی نرم تھیں، ہمیں گدگدی سی ہونے لگی۔ ذرا دیر کو یہ مشق ناز جاری رہی، پھر اس نے ایک اسٹیل کے کپ میں پانی ڈالا، اس میں دو چار چھوٹی موٹی شیشوں سے چند قطرے آبی محلول کے ٹپکائے، پھر اس میں برش کو دو چار بار گھما کر کیمیاوی عمل کو مکمل کیا۔ ہمارے منہ پر ایک ٹیوب سے دو چار ننھی منی لکیریں کھینچیں اور برش کو پیار اور رسان سے ہمارے گالوں پر پھیرنے لگا---نائی کی قینچی اور زبان بھلا کب تک چپ رہ سکتے ہیں؟ آہستہ آہستہ اس کی زبان بھی چالو ہو گئی۔ کہاں سے تشریف لائے ہیں، سے جو شروع ہوا تو ہمارے فارغ ہونے تک وہ ہمارے ناموں، بچوں کی تعداد زندہ مردہ، رشتہ داروں کی زیادتیوں اور مہربانیوں تک سے آگاہ ہو چکا تھا اور بٹ صاحب کے منہ پر جھاگ بنانے تک وہ امریکہ کی یاری، اپنوں کی غداری اور حکمرانوں کی نانجاری کو خاص شائستہ اور شستہ گالیاں نکال چکا تھا۔ ہاں، ہوں کرتے بٹ صاحب کو پتہ نہیں کیا سوجھی، پوچھنے لگے۔

"کیوں، یار! مری میں دو چار بندروں پر نگاہ پڑی ہے۔ لگتا ہے، مری میں بندر بہت ہیں۔"

اس نے شاید عالبیات میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی، طنز اور تمسخر آمیز لہجے میں بٹ صاحب کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں، صاحب! باہر سے آ جاتے ہیں۔"

بٹ صاحب اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے چیخے۔ "اوئے، شرم کرو، تم ہمارے شاہ صاحب کو بندر بنا رہے ہو؟---دل کرتا ہے، تمہارے استرے سے تمہارا گلہ کاٹ کر تمہارا مردہ شاہ صاحب کے گلے ڈال دوں۔"

"یہ خوب رہی، کرے کوئی اور بھرے کوئی---"

ہم نے نائی کا مردہ یوں خود پر منڈھنے پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے کہا۔

"اجی، خوب تو سرکار! آپ کررہے ہیں--- میں آپ کے پیچھے بندہ کاٹ رہا ہوں، آپ میرے پیچھے جیل نہیں کاٹ سکتے؟--- بدی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" بٹ صاحب اپنا رخ روشن ہماری طرف موڑتے ہوئے بولے۔

"حضور! یار رکھیں، اُسترا آپ کی بجائے میرے ہاتھ میں ہے۔" نائی نے اطلاع بہم فرمائی۔

اس نائی کی اولاد نے بٹ صاحب سے تگنی فیس وصول کی حالانکہ اتنی ہی فیس میں ہمارا ذاتی نائی شیو، کٹنگ کے ساتھ ساتھ بغلیں تک مونڈ دیتا ہے--- دوکان سے باہر آ کر بٹ صاحب نے مری کی مہنگائی اور سومیل دور بیٹھی ہوئی لڑاکا ہمسائی کو جی بھر کر کوسا۔ جب ذرا معیاری اور غیر معیاری گالیاں دینے سے قرار ملا تو بولے۔

"شاہ جی! عالم بچپن میں بڑے بٹ صاحب ہم چاروں بھائیوں کو شیرانوالہ باغ کے فٹ پاتھیے نائی کے پاس لے جاتے تھے جو بچوں کی حجامت اُن کے سروں کو اپنے گھٹنوں میں دبا کر کیا کرتا تھا۔ قینچی، اُسترا اور زبان ایک جیسی رفتار سے ہی چلاتا تھا۔ ایک روپے میں ہم چاروں بھائیوں کا مونڈن ہو جاتا، گھر آ کر ہم چاروں بھائی اپنے بالوں میں بنی "پوڑیاں" (سیڑھیاں) گنتے۔ جس کی پوڑیوں کی مقدار زیادہ نکلی، اس کی باقی تینوں مل کر ٹھکائی کرتے۔ اگلے دن گنتی میں سب سے کم پوڑیاں رکھنے والے کو سزا میں لیٹ لیٹ کر گھونسے کھانے پڑتے اور تیسرے، چھوٹے دن باقی دونوں کا بھی حساب بیباق کیا جاتا۔

"لیکن یہ مار پیٹ کرتے کس وجہ سے تھے آپ لوگ---؟" ہم نے حیرانی سے پوچھا۔

"وجہ کوئی نہیں---" پھر مسکراتے ہوئے بولے۔ "میرے نزدیک اگر وجہ تھی تو یہی کہ ٹھکائی کرنے والے کو ٹھکائی کا---- ہاں جی، ٹھکائی کا بہانہ چاہیے---"

آسمان سے برف روئی کے گالوں کی طرح گر رہی تھی لیکن اس کی شدت میں خاصی کمی آچکی تھی۔ ایک کھلے میدان میں بہت سے لوگ جمع تھے جو برف کے بڑے بڑے گولے بنا کر ایک دوسرے پر پھینک رہے تھے اور بچوں کی طرح خوش ہو رہے تھے۔ سچ ہے، بچپنا انسان کی قبر تک اس کا ساتھ دیتا ہے۔

"شاہ جی---" بٹ صاحب نے ہمیں مخاطب کیا۔

"جی---؟" ہم نے خوش باش لوگوں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے، ہم بھی ذرا دیر کو ان بے فکروں کی منڈلی میں نہ شامل ہو جائیں؟"

"دل کے خوش کرنے کو خیال اچھا ہے۔" ہم نے خوشدلی سے کہا۔

"تو چلیئے، بسم اللہ--- آپ بھالو کی معصوم صورت بنا کر اکڑوں بیٹھیں، میں برف کے گولے بنا بنا کر آپ پر چاند ماری کی مشق کرتا ہوں۔"

بٹ صاحب نے نیک صلاح دی۔ ہم ان کی خوشی کے لئے دس فٹ دور برف پر بھالو بن کر بیٹھ گئے۔ دس منٹ بعد ہم سچ مچ کے سفید بھالو کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ جب ان کے شوق کی تسکین ہو چکی تو ہماری کپڑوں اور ڈاڑھی مونچھ سے برف کو جھاڑتے ہوئے بولے۔

"شاہ جی! اس حالت میں تو آپ سچ مچ کے بھالو دکھائی پڑتے ہیں--- کاش! آپ کی ناک میں نکیل ہوتی۔ اس میں ڈالی ہوئی رسی کا سرا میرے بائیں ہاتھ میں ہوتا اور میرے دائیں ہاتھ میں مداریوں والا "ڈبرو" ہوتا تو واللہ، تماشبین آپ کے ناچ سے کس قدر محظوظ ہوتے---" ہم نے منہ بنایا تو ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "شاہ جی! ادھر نگاہ کیجئے، کیا سبزہ ہے۔ قسم سے بتایئے، کبھی ایسی ہریالی آپ کی نگاہ سے گزری؟"

ہم نے گردن گھما کر ادھر دیکھا جہاں ایک ڈھلوان پر برف میں گھرا سبزہ دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ ہم نے نظر بھر کر اسے دیکھا تو ہلا شیری دیتے ہوئے بولے۔

"قبلہ، براستہ آنکھوں کے اسے قلب و روح میں اتار لیجئے، اب بھلا ایسا موقعہ آپ کو کب میسر آئے گا--- شہری کیا جانے سبزے کی بہار؟"

"آپ بھی تو ہماری طرح شہری ہی ہیں؟" ہم نے اپنی طرف اڑنگا لگایا۔

"اجی، ہماری بات اور ہے۔ ہم تو عید قربان پر بکرا خریدتے ہیں تو اس کا چارہ بھی خرید کرتے ہیں، دو چار دن تو اس سبزے سے نور نظر کو تیز کرنے کا موقعہ مل ہی جاتا ہے۔"

"یہ موقعہ تو ہمیں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔" ہم نے جواب میں عرض کیا۔

"شاہ جی! یہ موقعہ انہی کے نصیب میں ہوتا ہے جنہوں نے بکرا اور چارہ خود خرید کیا ہوتا ہے۔ آپ جیسے تو پرائے دھن پر نظریں جمائے ہوتے ہیں، وہ بھی چارے کی بجائے بکرے کے تن پر کہ دیکھیں، اس بار کون سی بوٹی نصیب ہوتی ہے۔ ران کی، سینے کی یا گردن کی---؟"

ہمارے بنے ہوئے منہ کو مزید بنتے دیکھا تو دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''پیر جی! یہ بتائیں، وہ کون سا درخت ہے؟''

ہم ادھر دیکھا جہاں لاتعداد درخت آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ پھر بٹ صاحب کی طرف گردن موڑ کر سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا کہ صاحب، کون سا درخت---؟

''ارے، صاحب! وہ جو سب سے الگ تھلگ ابوجہل کی طرح گردن میں سریا فٹ کیے اپنی اکڑ اور رعونت دکھا رہا ہے۔''

ہم نے دوبارہ اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بٹ صاحب! یہاں تو سب کے سب شجر قریش کے سرداروں کی صورت بنائے کھڑے ہیں۔''

''ارے، صاحب! وہ والا درخت جس کے نیچے دو پریمی، دشمن سماج سے رات کی تاریکی میں فرار حاصل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔'' بٹ صاحب نے نشانی بتائی۔

ہم نے درختوں کی چوٹیوں کی بجائے ان کے تنوں پر نگاہ ڈالی تو فوراً اس درخت کو پا لیا جس کی طرف بٹ صاحب اشارہ فرما رہے تھے۔ ہم ٹھہرے میدانی علاقے کے باسی جن کا مبلغ علم دھریک، ٹاہلی اور سفیدے سے آگے نہیں بڑھتا اس لئے خاموشی سے بٹ صاحب کو دیکھنے لگے۔ بٹ صاحب ایسے مسکرائے جیسے ہماری کوتاہ علمی کا ماتم کر رہے ہوں، پھر جو انہوں نے اپنے علم وفضل اور عرفان کے دریا بہائے تو ہم نے دانتوں میں انگلیاں داب لیں۔ اس درخت کو تو چھوڑیے، انہوں نے اردگرد کے تمام درختوں کے نام تک بتا ڈالے۔ کچھ کے نام ہم نے درسی کتب میں پڑھ رکھے تھے، کچھ کے نام انہوں نے اپنے قطب الزمان ہونے کے دعویٰ میں خود ہی رکھ لیے---ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

''شاہ جی، یہ مروا کا درخت ہے---''

ہم نے اس درخت کو دیکھا جس کی صورت سے ہم بھی آشنا تھے، یہ ہمارے سکول کے زمانے میں اس کے لان میں اُگے ہوئے تھے۔ سکول کا مالی بلاناغہ ایک بڑی سی قینچی سے ان کی چھدرائی اسی بیدردی سے کیا کرتا جس طرح سرکاری ماسٹر صاحبان عوامی بچوں کی دھلائی کیا کرتے تھے۔

''لیکن یہ تو سرو ہے؟''

ہم نے بٹ صاحب کے گوش گزار کیا۔ بٹ صاحب نے ہنس کر ہمارے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے پہلے تو ہماری جہالت اور لاعلمی کی داد دی اور پھر بولے۔

''سرکار! جس طرح چار نسلوں کے بعد دولت ہاتھ آنے پر شجرہ نسب کا عیدو، عید محمد اور اللہ دتہ، اے ڈی چودھری بن جاتے ہیں اور جس طرح حضرت انسان خدا کی خدائی میں دخل دے کر گدھے اور گھوڑی کو ایک ہی اصطبل میں باندھنے کے بعد خچر پیدا کروا لیتے ہیں۔ اسی طرح سینکڑوں سالوں کے تغیر وتبدل کے بعد اس نے بھی اپنی جون بدل لی ہے۔ اب یہ سرو نہیں، مروا ہے۔''

''---اور یہ لڑو کہاں ہے؟'' ہم نے ضد میں آ کر پوچھا۔

ٹھک سے ہمارے آگے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولے۔

''قبلہ! اگر آپ یہ قانونی اور غیر قانونی موشگافیاں نہ فرمایا کریں تو آپ کے دماغ پر اچھا اثر پڑے گا۔ آپ کو مروا کا بتایا تو آپ لڑو کا پوچھنے

نمکین قطعات

کچھ لوگ کہہ رہے ہیں قصائی کی عید ہے
شب بھر کھلی دکان تو نائی کی عید ہے
بیگم کی عید ہوتی ہے شاپنگ کے ساتھ ساتھ
شوہر کی صرف جیب صفائی کی عید ہے

○

آئی ہے بقر عید بڑی دھوم دھام سے
منسوب ہو گئی ہے جو بکرے کے نام سے
بچے بھی خوش ہیں اور ہیں بیگم بھی مطمئن
بس میرے ہوش اڑ گئے بکرے کے دام سے

○

چشمہ، گھڑی کی چاہ میں طفلی کی عید تھی
عہد شباب آیا تو صرف اس کی دید تھی
بکرا کیا تو کھال کے خود مستحق بنے
بچپن کی عید وہ تھی، یہ پچپن کی عید تھی

○

عید قرباں پہ ہمیں قربانی دینا چاہیے
جیب کٹ جائے تو پھر یہ زخم سہنا چاہیے
مولوی صاحب سے ہم کو پوچھنا ہے یہ سوال
ہم کو بکرے کی جگہ کیا مرغ دینا چاہیے

مرسلہ: ایس امتیاز احمد، کراچی

نوید ظفر کیانی

گے، اب لڑو کا بتایا تو آپ عیدو کا بھی پوچھنے لگیں گے۔

''ہاں جی، کڑی سے کڑی تو ملنی چاہیے، نا---!'' ہم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اپنے علم کے باب کو بند کرتے ہوئے بولے۔ ''سرکار! میں سکریپ کا کام کرتا ہوں، نیشنل جغرافیک چینل کے لئے تحقیق کا نہیں---''

سوال وجواب کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے ہم نے دوبارہ مری کی سیر شروع کر دی۔ فضا میں ایسی پاکیزگی اور خوشبو تھی کہ ہمیں سانس لینے میں دشواری ہونے لگی، اس بات کا ذکر بٹ صاحب سے کیا تو بولے۔

''شاہ جی! مری میں زیادہ نہیں تو دس بارہ دھواں چھوڑتے رکشہ ضرور چلنے چاہئیں ورنہ ہم جیسے شہروں کے پروردہ لوگوں کی اندرونی اور بیرونی بیماریوں کے لاتعداد نفع بخش جراثیم تو حرام موت مارے جائیں گے۔''

''نفع بخش---؟'' ہم نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں جی، لمبی لمبی ڈگریوں والے ڈاکٹر صاحبان کے لئے---'' انہوں نے جواب میں فرمایا۔

آہستہ آہستہ آسمان سے برف گرنا بند ہو گئی۔ گلیوں اور بازاروں میں چہل پہل پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی تھی۔ بٹ صاحب بار بار ایک طرف گردن موڑ موڑ کر دیکھ رہے تھے۔ ہم نے اُن کی گردن کو جو یوں بے قراری سے بل پہ بل کھاتے دیکھا تو پوچھ ہی بیٹھے۔

''بٹ صاحب! ہم اِدھر جا رہے ہیں اور آپ کا کدھر کا خیال ہے؟''

منہ پر مسکراہٹ سجا کر بولے۔ ''شاہ جی! میں اصل میں ان ''فرنگن بیبیوں'' کو دیکھ رہا تھا جنہیں ذرا طالبان کا خیال نہیں--- کیسے اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس اہل مسلم کے ایمانوں پر اپنے کافر بدنوں کی تلواریں چلا رہی ہیں۔''

ہم نے غور سے ان غیر ملکی حسینوں کی طرف دیکھا تو کچھ ایسا منظر دکھائی دیا جیسے وہ نیک بیبیاں شہد کی کٹوریاں ہوں جن پر مکھیاں پرے بنا بنا کر گر رہی ہوں۔ جو بھی اُن کے قریب سے ہو کر گزرتا، ذرا دیر کے لئے رُک کر اپنی پنڈلی ضرور کھجلاتا۔

کیا خیال ہے، ذرا قریب سے ہو کر اپنے ذوق اور شوق کی تسکین نہ فرمالیں؟'' بٹ صاحب نے مشورۃً عرض کیا۔

ہم نے اُن کی ہاں میں ہاں ملا کر قدم مے کدے کی طرف بڑھائے تو بٹ صاحب حکمیہ انداز میں بولے۔

''دیکھئے، شاہ جی! کوئی ایسی ویسی حرکت نہ فرمایئے گا جس سے ان کی عزت اور پاکستان کے سبز ہلالی پرچم پر حرف آئے۔ ذرا خیال رہے، ان سے ذرا ہرج موج ہوگا تو ان کے ملک کا پورا سفارت خانہ ان کی پیٹھ پیچھے ہوگا اور آپ کی پیٹھ پیچھے بھلا کیا ہوگا، سوائے پولیس کے---؟''

''بروٹس! کیا تم بھی نہیں ہو گئے؟'' ہم نے آہ بھر کے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بروٹس کون ہے؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''اگلے زمانے کے ایک فرنگی بادشاہ کا یارِ غار اور مصاحب تھا جس نے بادشاہ سلامت سے غداری کر کے باغیوں کے ساتھ مل کر اُسے عالم بالا کو روانہ فرمایا تھا۔'' ہم نے عرض کیا۔

''تو اس کے لئے بروٹس میاں کو زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی، یہ میر جعفر اور میر صادق کس دن کام آئیں گے؟''

انہوں نے اُن ولائتی بیبیوں کے پاس رک کر پنڈلی کھجلاتے ہوئے کہا۔ ہم نے ان پریوں کی طرف نظر بھر کر دیکھا تو ایسے لگا، ہمارے پورے جسم پر گرمی دانے نکل آئے ہوں--- تھوڑا سا آگے بڑھے تو بٹ صاحب پوچھنے لگے۔

''شاہ جی! اتنی سردی میں انہوں نے اتنے کم کپڑے کیوں پہنے ہوئے ہیں۔ انہیں سردی نہیں لگی؟--- ہمیں دیکھیں، ہم لوگوں نے گرم کپڑوں پر سویٹر، جیکٹ اور پتہ نہیں کیا کچھ پہن رکھا ہے اور پھر بھی گھٹنے اور دانت آپس میں سر پھٹول کر رہے ہیں۔''

''سرکار! وہ اس لئے کہ وہ سرد علاقے کی رہنے والی ہیں، انہیں سردی ذرا کم ہی لگتی ہے۔'' ہم نے دلیل دی۔

''اس کلیئے کی رو سے تو آپ کو جہنم کی آگ بھی گلنار ہی لگے گی کیونکہ آپ گرم علاقے کے رہنے والے ہیں۔'' انہوں نے اصولی فیصلہ صادر کیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم دوبارہ ان مدوشوں کے سامنے تھے اور دونوں زور وشور سے اپنی اپنی پنڈلیاں کھجلا رہے تھے۔

''ہیلو---!''

ان میں سے ایک گلبدن اپنی مترنم آواز میں ہاتھ ہماری طرف اٹھا کر اس کی انگلیاں ہلاتے ہوئے بولی۔ ہم دونوں نے بیک وقت گردن موڑ کر اپنے پیچھے دیکھا لیکن ہمارے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ ہم نے اپنے سینے پر اپنی انگشت شہادت دیکھ کر سوالیہ انداز میں سر کو ہلایا کہ کیا آپ ہم غریبوں سے مخاطب ہیں؟

''او، یس مین! یو---'' اس نے نقرئی دانتوں کی نمائش کرتے

نوید ظفر کیانی

ہوئے کہا۔

بٹ صاحب کا رنگ فق ہوگیا، ہماری کان میں منمناتے ہوئے بولے۔

''شاہ جی! کوئی غلط حرکت تو نہیں کر بیٹھے آپ---؟'' ہم نے نفی میں گردن ہلائی تو گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''اللہ کی قسم! میں نے بھی صرف ٹانگ پر خارش کی ہے۔''

''چلیئے، چل کر پوچھ لیتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوگیا کہ سوئے دار بلائے جا رہے ہیں۔'' ہم نے کہا۔

''یس---؟'' ہم نے قریب جا کر پوچھا۔

ہم نے ہاتھ آگے بڑھایا جسے ہم نے فوراً بصد عجز و نیاز اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنی خوش قسمتی کو شاباش دی۔ بٹ صاحب نے جو یہ دیکھا کہ یہاں تو معاملہ ''صلاح عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے'' جیسا ہے تو فرداً فرداً سب حسینان فرنگ کے دست حنائی کو کمال شفقت سے اپنے ہاتھوں کے سایہ عاطفت میں زبردستی لے آئے، ان کا بس چلتا تو نکاح میں لانے سے بھی نہ چوکتے۔ قوس قزاح کے سارے رنگ اُن کی آنکھوں سے جھلکنے لگے، گمان غالب ہے کہ دل میں انار بھی چھوٹ رہے ہوں گے۔

''یس، میڈیم---؟'' ہم نے اپنے لہجے میں شیرینی گھولتے ہوئے پوچھا۔

''تم لوگ ہم کو یوں گھور گھور کے دیکھا کیوں مانگتا؟'' اس رشک حور نے سوال کیا۔

''میڈیم! کیا آپ اردو بول سکتی ہیں؟'' ہم نے حیرانی سے کہا۔

''یس، ہم اردو بول سکتا--- ادھر ہم اردو سیکھنے ہی تو آیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اردو سیکھنے آئی ہیں آپ، ہمارے کنٹری میں---؟'' ہم نے حیرانی سے پوچھا۔

یس، یس--- ادھر ہم لاہور کی یونیورسٹی سے اردو کر رہا ہے۔ پہلے ہم برلن یونیورسٹی کے اردو ڈیپارٹمنٹ میں اردو سیکھتا تھا لیکن ابھی ہم پورا اردو نہیں سیکھا، آدھا سیکھا---'' اس حور شمائل نے جواب دیا۔

ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ابھی اردو آدھا سیکھا ہے، پورا نہیں ورنہ گھور گھور کے دیکھنے کے بعد ''تیرے گھر میں ماں، بہن نہیں ہے'' کا لاحقہ ضرور لگا دیتی۔

''جی فرمایئے، کیا حکم ہے؟'' بٹ صاحب نے دمکتے چہرے کے ساتھ پوچھا۔

''ابھی ہم نے تم کو اس لئے بلایا کہ ہم تم سے پوچھنا مانگتا کہ ادھر ہم نے جس کو بھی دیکھا، اسی کو ٹانگوں پر خارش کرتا دیکھا۔ کیا ادھر سب پاکستانی لوگ کا خون خراب ہے---؟'' دوسری بی فرنگن جو ابھی تک خاموش بیٹھی تھی، حیرانی سے پوچھنے لگی۔

بٹ صاحب جھینپتے ہوئے بولے۔ ''نہیں جی، ان کا خون خراب نہیں---'' پھر ہمیں آنکھ رسید کرتے ہوئے بولے۔ ''ان کی نیت خراب ہے۔''

''واٹ، نیت---؟'' اس نے حیرانی سے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''جی، نیت--- یعنی کہ ان کا مطلب ہے، پاکستان ایک گرم اور خشک علاقے میں واقع ہے تو ادھر یہ مری ہمارے ملک کا سوئٹزر لینڈ ہے، ٹھنڈا اور یخ بستہ علاقہ--- جب گرم علاقے سرد علاقے میں آتے ہیں تو کچھ سائیڈ افیکٹ، یعنی خارش وغیرہ ہو جاتے ہیں۔'' ہم نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

''لیکن ہم نے نوٹ کیا کہ یہ سائیڈ افیکٹ ہمارے سامنے گزرنے والوں کو ہی ہوتا۔ ادھر آدمی سائیڈ پر جاتا، اس کا خارش ختم ہو جاتا۔'' تیسری نے بھی منہ کھولا۔

''جی، یہ سائیڈ افیکٹ تبھی ہوتا ہے جب ''فیکٹ'' نظروں کے سامنے ہو۔'' بٹ صاحب نے نکتہ طرازی سے کام لیا۔

''او، آئی تو میں! تھینکس---''

پہلی نے بات ختم کرتے ہوئے کہا جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اب آپ عزت سے دفع ہو سکتے ہیں--- ہم نے بٹ صاحب کا ہاتھ دبا کر چلنے کا اشارہ کیا کہ جناب، یہاں سے عزت و آبرو سے رخصت ہوا جائے تو پاک جرمن دوستی کے لئے بہتر ہوگا--- تھوڑی دور جا کر ہم نے کہا۔

''بٹ صاحب! یہ اصل میمیں نہیں تھیں، یہ تو ہٹلر کے دیس کی جرمن حسینائیں تھیں۔''

بٹ صاحب نے ترحم آمیز نگاہوں سے ہمیں دیکھا اور ملامت آمیز لہجے میں بولے۔

''شاہ جی! ضروری نہیں کہ میم انگلستان کی ہی ہو۔ فرانس کی بھی ہو سکتی ہے، یونانی اور جرمن بھی--- جس کے بدن پر بھی سنہری چمڑا منڈھا ہوا ہو، وہی ہمارے لئے عزت مآب ہے۔''

''یعنی بدن کی رنگت فضیلت کا معیار ہے؟'' ہم نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں، آپ کہہ سکتے ہیں لیکن ان یورپ اور امریکہ والوں کی

نوید ظفر کیانی

7/8

عزت کو چار چاند لگانے میں ان کی علم سے لگن نے بھی حصہ ڈالا ہے۔ یہ ملک محنت، تحقیق اور علم کے بل بوتے پر ہی ترقی کی معراج پر پہنچ گئے اور ہم صرف یہی قول دہراتے رہے کہ "علم مومن کی گمشدہ میراث ہے" کبھی وارث بننے کی کوشش ہی نہیں کی اور ادھر روز روز نئی ایجادات رجسٹر ہوتی ہیں۔" انہوں نے طویل تقریر جھاڑی۔

"ہمارے یہاں بھی کئی ایجادات رجسٹرڈ ہوتی رہتی ہیں۔" ہم نے کٹ حجتی سے کہا۔

"ہاں جی، کیوں نہیں اس بات کی گواہی تو اسلام آباد کا وہ ادارہ بھی دیتا ہے جو ان ایجادات کو رجسٹرڈ کرتا ہے--- کیا ہوا جو ان ایجادات میں سو فیصد حصہ مردانہ قوت کی گولیوں، معجونوں، کشتوں اور ہاضمے کی پھکیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔"

بٹ صاحب نے منہ بنا بنا کر جواب دیا--- پھر پتہ نہیں ہم کتنی دیر تک مری کے باغ کی سیر کرتے رہے، وقت کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا، وہ تو بٹ صاحب نے اپنے پیٹ کے طبلے پر تھاپ لگاتے ہوئے اعلان کیا کہ اُن کا پیٹ ہمارے کاسۂ سر کی طرح خالی ہو گیا ہے، اب اسے بھرنے کا انتظام کرنا چاہیے--- ہم دونوں پھرتے پھراتے مال روڈ پر آ گئے۔ پھر کسی ایسے ہوٹل کی تلاش شروع ہوئی جس کی سنگ و خشت سے بنی عمارت بھلے سے اچھی نہ ہو لیکن کھانا ضرور اچھا ہو۔ ابھی شہر تھوڑی تھا۔ کہ علم ہوتا کہ سری پائے کھانے ہوں تو جی ٹی روڈ پر حاجی عبدالغنی کی دوکان اپنے ذائقے کی بدولت سب سے لاجواب ہے۔ چڑیوں، بٹیروں پر ظلم کی تلوار چلانی ہو تو جی ٹی روڈ پر کون سا "حاجی" اہل شہر کے نزدیک پکا جنتی ہے۔ کباب اور تکے سب سے اچھے "حیاتیاں تکہ شاپ" پر محمد حیات بناتا ہے جنہیں کھا کر ایسے لگتا ہے جیسے بندے کو "لمبی حیاتی" مل گئی ہو۔ ادھر مری میں ہماری طرح ہر کوئی نو وارد تھا اس لئے فیصلہ ہوا کہ ہر ہوٹل کے آگے سے گزرا جائے اور جہاں سے اچھی اور سوندھی خوشبو آئے، وہیں دھونی رمالی جائے۔

مری کے مال روڈ پر اودے، نیلے، پیلے، سرخ، قرمزی آنچل ہواؤں میں اڑتے پھر رہے تھے۔ سڈول اور سانچے میں ڈھلے بدن، نشیلے نینوں سے تیر چلاتے۔ حسن کے عاشقوں کو چھلنی کرتے، چھمک چھمک اور ڈھمک ڈھمک کی چال چلتے غنچہ دہنوں سے ہنسی کے فوارے چھوڑتے اردگرد سے بے نیاز آ جا رہے تھے اور مریدان باصفا ان کے قدموں کے نشانوں کو چومتے چاٹتے ان کے پیچھے لڑھک رہے تھے--- اب حال یہ تھا کہ ہم ہوٹلوں سے اٹھنے والی خوشبوؤں کو سونگھ رہے تھے اور بٹ صاحب حسینوں کے بدنوں سے اٹھنے والی خوشبوؤں کو اپنی مشام جاں میں اُتار رہے تھے۔

ہماری بدقسمتی اور بٹ صاحب کی خوش قسمتی کہ سامنے سے آنے والی ایک چھیل چھبیلی نار جو عشاق کے سینوں پر اپنی سینڈل کی اونچی ایڑی ٹھک ٹھک کرکے بجاتی محوخرام تھی، بٹ صاحب کی بدنظری کی بدولت اس کی ایڑی جو عموداً کھڑی تھی، وہ شمالاً جنوباً لیٹ گئی۔ وہ ثانی قلوپطرہ لڑکھڑائی، پھر فوراً سنبھل گئی لیکن اتنی سی دیر میں ہی بٹ صاحب کے پورے وجود میں شادیانے بج اٹھے کیونکہ اس شعلہ جوالہ کا سب سے نرم حصہ جسم بٹ صاحب کے دائیں بازو کو عمر بھر کی خوشی عطا کر گیا تھا۔ اس پیکر حسن نے خود کو فوراً سنبھالا اور پھر شرماتا، بل کھاتا سنگین سڑک پر چل دیا لیکن بٹ صاحب کی آنکھوں میں خمار اور چال میں ایسی مستی در آئی جیسے ووڈکا کی ساری بوتل موصوف کے پیٹ میں اُتر گئی ہو--- بٹ صاحب نے ہمارے افسردہ اور اُترے ہوئے منہ کو دیکھا، اپنے بازو پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور پھر شاید ہمیں چڑانے یا کسی نفسیاتی وجوہ کی وجہ سے اس "فیض یافتہ" ہاتھ کو سارے بدن پر اس طرح پھیرنے لگے جیسے کبھی ہمارے اباجی نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگنے کے بعد دعا والے ہاتھ پورے بدن پر حصول برکت کے لئے پھیرا کرتے تھے۔

"بٹ صاحب! شرافت بڑی چیز ہے۔" ہم نے بلا سوچے سمجھے بٹ صاحب پر چوٹ کر ڈالی۔

خود رکتے اور ہمیں روکتے ہوئے بولے۔ "ہاں، جی! آپ تو اس پٹھان سے بھی زیادہ شریف ہیں جو سر پر ٹی وی اٹھائے سڑک پر بگٹٹ بھاگا جا رہا تھا۔ ایک شخص نے اسے روکا اور یوں بھاگنے کی وجہ پوچھی تو دھونکنی کی طرح چلتے سکڑتے سینے کو ذرا آرام دیتے ہوئے بولا، اوئے یارا! ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہم ادھر سڑک پر کھڑا تھا، ایک لڑکی آئی اور بہانے سے ہمیں اپنے گھر لے گئی۔ پہلے اس نے بوتل پلایا۔ پھر اس نے سرخی پاؤڈر لگایا۔ پھر ہمارے پاس بیٹھا، پھر اپنا دوپٹہ اُتارا۔ پھر ایک زبردست انگڑائی لیا اور مسکرا کر ہمیں دیکھتے ہوئے بولی کہ خان! ہم گھر میں اکیلا ہے، ہمیں لوٹ لو اور ہم اس کے گھر سے ٹی وی لوٹ لایا ہے--- اجی، قبلہ! جسے حرام کھانے کا موقعہ نہ ملے، وہی محفل میں بیٹھ کر اکل حلال کمائی کی فضیلتیں بیان کرتا ہے۔ آپ تو شریفوں کے دادا گیر ہیں، آپ کی شرافت کو شریعت اڑنگا نہ لگائے تو آپ تو اپنی بیگم کو بھی کہہ دیں کہ باجی! ذرا ہٹ کر بیٹھیں، میں شریف ہوں---"

"ہمارا خوف نہیں تو کم از کم شرم ہی کھا لیا کریں۔ آپ کی شرافت کا حال بھی اس مولوی جیسا ہے جو محلے کی مسجد میں جمعہ کے خطبے میں چار فقروں کے بعد یہی فقرہ دہرا رہا تھا کہ "لوگو! مینوں شرفیاں نال پیار

اے'' اگلے جمعہ کو نہ محلے میں شریفاں بی بی تھی اور نہ مسجد میں مولوی---'' ہم نے دانت پیس کر جوابی حملہ کیا۔

''فوری بدلہ لینا کوئی آپ سے سیکھے، حضرت! مری کی مال روڈ پر سٹیج ڈرامہ کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ جس کام سے نکلے ہیں، وہی کیا جائے۔ بتایئے، ابھی تک آپ کی جدی پشتی زکام زدہ ناک نے کچھ سونگھا بھی ہے یا شڑوک شڑوک ہی کیئے جا رہے ہیں؟'' انہوں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

ایک دوکان کے ماتھے پر ایک دوکان کے سائز کا ہی اشتہاری بورڈ آویزاں تھا جس پر ''سپیشل فرائی فش'' کے حروف لکھے ہوئے تھے۔ بٹ صاحب اس کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے بولے۔

''کیا خیال ہے، شاہ جی! مچھلی سے منہ ماری نہ کی جائے؟''

ہم نے جواب میں کندھے اچکائے تو ہمارا ہاتھ پکڑ کر دوکان کے اندر داخل ہو گئے۔ ساری دوکان میز کرسیوں اور آدمیوں سے بھری ہوئی تھی، ایک میز خالی دیکھ کر ہم بھی بیٹھ گئے۔ فوراً ایک بیرا کسی جن کی طرح ''کیا آڈر ہے، میرے آقا؟'' کہتا حاضر ہو گیا۔

''یار! ''ٹراؤٹ'' ہے؟'' بٹ صاحب نے پوچھا۔

''یس سر---!'' بیرے نے مسکرا کر کہا۔

''تو جاؤ، یار! ڈیڑھ کلو لے آؤ---'' انہوں نے آڈر دیا۔ بیرا چلا گیا تو بولے۔ ''شاہ جی! ''ٹراؤٹ'' اپنے رنگ روپ اور سواد میں سب مچھلیوں کی سردار ہے۔ یوں سمجھئے، یہ مچھلیوں کی مختلف نسلوں میں سب سے اعلیٰ نسل ہے۔''

''شاید اسی لئے بیچاری کی سب سے زیادہ شامت آتی ہے۔'' ہم نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''ہاں جی، ہم اہل مسلم کا عقیدہ ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہو، اسے ہی تیروں میں پرو ڈالو۔ خنجروں، بھالوں اور تلواروں کی باڑ پر رکھ لو، کاٹ پیٹ کر قبر کے پیٹ میں یا اپنے پلیٹ میں اتار ڈالو، ستر گنا سے بھی کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے---''

بٹ صاحب نے ایسے انداز میں کہا کہ ہم فیصلہ نہیں کر سکے کہ وہ مذاق سے کام لے رہے ہیں کہ تاریخ کا ماتم کر رہے ہیں؟

''بٹ صاحب! ہم نے تو جس مچھلی فروش کو بھی دیکھا، اسے یہی آواز لگاتے ہوئے پایا کہ ''تازہ مچھلی اے، تازہ مچھلی اے'' لیکن خود اپنی گنہگار آنکھوں سے انہیں ہفتوں مچھلیوں کو برف کی ٹکور کرتے دیکھا ہے۔ آخر کیسے پتہ چلے کہ کون سی مچھلی تازہ ہے اور کون سی باسی؟'' ہم نے پوچھا۔

''لو جی اس میں کون سی مشکل ہے بھلا؟--- مچھلی کی تازگی کا اندازہ کرنے کے لئے آپ زور سے اس کے جسم پر اپنی انگشت شہادت رکھ کر دبائیں، پھر اٹھا کر اپنی انگلی کے دباؤ سے پڑنے والے گڑھے کا نظارہ کریں۔ اگر تو گڑھا فوراً بھر جائے تو اس کا مطلب ہے، مچھلی تازہ ہے اور اگر وہ گڑھا غریب کے پیٹ کی طرح کسی طور بھرنے کا نام ہی نہ لے تو سمجھ لیں کہ مچھلی باسی ہے یا کسی وزیر مشیر کے فش فارم کی ہے کہ اُن کی ساری عادتیں اور علامتیں بھی مچھلیوں میں آ گئی ہیں کہ جتنی مرضی حرام خوری سے کام لو، نیت اور پیٹ نہیں بھرتا۔''

ابھی ہم باتوں میں مصروف تھے کہ ''خدائی خدمتگار'' ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے آ گیا۔ ایک ایک کر کے اس نے ساری پلیٹیں میز پر سجا دیں۔ ساری میز پلیٹوں سے بھر گئی، دو بڑی پلیٹوں میں تو مچھلی تھی۔ ایک چھوٹی پلیٹ میں ٹشو تھے، دوسری پلیٹ شاید کانٹے جمع کرنے کے لئے تھی۔ تیسری پلیٹ میں نان تھے۔ دو عدد بڑی رکابیوں میں دہی کا رائتہ تھا اور دو چھوٹی رکابیوں میں ٹماٹر کیچپ تھی۔ جب برتن بھانڈے لگ اور سج گئے تو بٹ صاحب کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھے اور ہاتھ آپس میں ملتے ہوئے بولے۔

''چلیئے، شاہ جی---!'' اس سے پہلے کہ ہم اپنے ہاتھ اور منہ چلاتے ہمیں ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے بولے۔ ''ذرا ٹھہریئے، سرکار---!''

پھر بیرے کو آواز دیتے ہو بولے۔ ''اوئے، یار! ذرا ادھر تو آنا---''

پینشن کی وصول یابی

تازہ پینشن لے کے بابو سے ہم نے یہ کہا
اب گزشتہ سال کی پینشن بھی ہم کو دیجئے
وہ یہ بولا، تب ملے گی سابقہ پینشن حضور!
آپ پچھلے سال بھی زندہ تھے، ثابت کیجئے

پینشرز کی حالت زار

یہ بھی ہیں مخلوق رب ذوالجلال
بھوکا مرنے سے بچا لیجے انہیں
پیٹ یہ اک دن تو اپنا بھر سکیں
اتنی پینشن تو عطا کیجے انہیں

نیاز سواتی

"جی سر---!" بیرا قریب آ کر بولا۔

"یار، سینکڑوں بار مچھلی کھائی لیکن یہ "سر سلامت" رکھے مچھلی پہلی بار دیکھی--- دیکھو، کیسے اپنی خوفناک آنکھوں سے مجھے گھور گھور کر دیکھ رہی ہے جیسے اس کے ماں باپ میری وجہ سے ہی "روغن زرد" میں لال بھبوکا ہوئے تھے۔

"سر! یہ چائنیز فرائی فش ہے۔" بیرے نے مسکرا کر کہا۔

"پیارے! میں اور مری دونوں پاکستان کا حصہ ہیں--- جاؤ، اس کا حلیہ بھی پاکستانیوں جیسا بنا کر لاؤ یعنی سر اور دماغ کے بغیر---"

بیرا پلیٹیں لے کر چلا گیا تو بٹ صاحب ہم سے مخاطب ہوئے۔

"غضب خدا کا، چین نے تو پاکستان میں ویسی ہی دراندازی شروع کر دی ہے جیسی دراندازی کا الزام ہم پر انڈیا لگایا کرتا ہے۔ یہ کھلونوں سے شروع ہوئے تھے اور اب ہر جگہ جا گھسے ہیں۔ مجھے تو خدشہ ہے کہ کل کلاں نکاح خواں بھی چائنہ سے آیا کریں گے۔ چا، چی، چوں کر کے نکاح پڑھایا کریں گے اور دولہا، دلہن، شا، شی، شو کر کے ایجاب وقبول کی منازل طے کیا کریں گے اور ان کی سہاگ رات بجائے شرعی کام کرنے کی ایک دوسرے سے "چاں چاں" کرتے ہی گزرے گی۔ سال بعد اگر اللہ نے کرم کر دیا تو بیگم صاحبہ لیڈی ڈاکٹر سے دوران چیک اپ فرمائیں گی کہ دیکھئے، ڈاکٹر صاحبہ! میرا ہونے والا کل کو تھنا بالکل چائنیز ہو---"

اس سے پہلے کہ بٹ صاحب کچھ اور گل افشانیاں فرماتے، بیرا چائنیز مال کو دیسی صورت دیئے چلا آیا یعنی بقول بٹ صاحب سر اور دماغ کے بغیر--- ہمیں زندگی میں پانچ سات بار ہی مچھلی کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ ہماری طبیعت نے ہمیشہ اس سے مغائرت برتی ہے۔ گھر میں اگر کسی نے صلاح دی کہ کیوں جی، آج مچھلی نہ پکائی جائے؟ تو ہم نے فوراً آلو کی شان میں قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے۔ مچھلی پر آلو کو ترجیح دینے کی وجہ ہماری سمجھ میں صرف یہی آتی ہے کہ آلو میں کانٹے نہیں ہوتے۔ ہمارے ایک مغفور عزیز جو ہماری طرح ہی مچھلی کھانے سے الرجک تھے، اپنا سنہری قول دوہرایا کرتے تھے کہ مچھلی اس وقت کھانی چاہئے جب ٹی، این، ٹی ڈاکٹر کے کلینک کا شٹر اٹھا ہوا ہو ورنہ ساری رات انسان حلق میں اٹکے کانٹے کی بدولت بیوی بچوں اور مچھلی پر غرغر کر کے غراتا رہے گا۔ ہمارے وہ بزرگ کچھ اور ارشادات بھی مچھلی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے جو بوجہ طوالت قلم زد کیے جاتے ہیں البتہ جو مچھلی زبان حال سے اُن کے سامنے عرض گزار ہوتی کہ "میں تیرے گھڑے دی مچھی آں مینوں"--- تو اس پر اپنے سارے اصول پس پشت ڈال کر یوں لپک جھپک کر پڑتے جیسے مرغا "کھنگار" پر پڑتا ہے--- کہنے کو تو ہم نے بٹ صاحب کی ہاں میں ہاں ملا دی تھی لیکن اب مچھلی کے کانٹے اپنی پلکوں سے چن رہے تھے۔ نوالہ منہ میں رکھ کر اتنی آہستگی سے منہ چلاتے جیسے ساری لکھنوی تہذیب نے ہمارے منہ میں ڈیرے جمالئے ہوں۔ ادھر نوالہ حلق سے اترتا، ادھر ہم خدا کی حمد وثنا کرتے۔ زبان کو سارے منہ میں سرگشت کروا کر چیک اپ کرتے کہ "کہیں کانٹا آر پار ہوا تو نہیں ہے"--- بٹ صاحب تھے کہ اردگرد سے بے نیاز مسلسل منہ چلا رہے تھے، ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کی پلیٹ سے مچھلی ان کے پیٹ میں منتقل ہو رہی تھی۔ ہمارے سامنے ہی انہوں نے دہی کے رائتے والی رکابی شڑوک کر کے اپنے پیٹ میں اتار دی تو ہم نے ویسے ہی کہا۔

"بٹ صاحب! سنا ہے، مچھلی کے ساتھ دودھ پینے اور دہی کھانے سے انسان کے جسم پر پھلبہری ہو جاتی ہے، بندہ چاک جیسا سفید ہو جاتا ہے"

وہ ویٹر کو مزید رائتہ لانے کا کہہ کر اپنی مونچھیں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے بولے۔

"شاہ جی! پڑھے لکھے ہو کہ بونگیاں نہ ماریں، اگر مچھلی اور دودھ میں ایسی کرامت ہوتی تو امریکہ میں کوئی کالا نہ ملتا سوائے اوباما کے---"

"اوباما پر ہی یہ کرم فرمائی کیوں---؟" ہم نے حیرت سے پوچھا۔

"چین کی خرابی--- وہ مچھلی کھا کر اوپر سے دودھ پی لے تو اسے پھلبہری کی بجائے کلبہری ہو جائے گی۔"

"کلبہری--- یہ کون سی بیماری ہے؟" ہم نے پوچھا۔

"او جی، یہ بیماری چند مہینے پہلے ہی دریافت ہوئی ہے۔ اس بیماری میں چہرے کی رنگت کالی بجائے "کالی سیاہ" ہو جاتی ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں سالم مچھلی مشت استخواں کی صورت پلیٹ میں کانٹوں کی صورت بکھری پڑی تھی۔ سچ کہہ گیا ہے کوئی کہنے والا کہ اہل مسلم جس سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں، اسے ہی اپنے پیٹ میں جگہ دے دیتے ہیں کیونکہ اُن کے دل کو جانے والا رستہ ان کے پیٹ سے ہو کر جاتا ہے--- بٹ صاحب ٹشو سے ہاتھوں کی انگلیاں صاف کرتے ہوئے بولے۔

"مچھلی خاصی لذیذ اور خستہ تھی لیکن اپنے گوجرانوالہ کے معراج مچھلی فروش کی فرائی مچھلی کی تو بات ہی کچھ اور ہے--- ہائے! مجیرا

نوید ظفر کیانی

مزہ مجھوڑے چوبارے، نہ ملخ نہ بخارے"

"آپ کو معلوم ہے، یہ مجھو کس کا نام تھا؟" ہم نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہوگی کوئی طرحدار طوائف، اور ہوگا اس کا چوبارہ جہاں سے مشاقان دید کا اٹھنے کو جی ہی نہ چاہتا ہوگا۔"

"بٹ صاحب! یہ مجھو تھی نہیں بلکہ "تھا"۔ لاہور شاہ عالمی دروازے کے باہر اس کا ڈیرہ تھا، یعنی چوبارہ تھا۔ بھگت نما چیز تھے موصوف، ساری زندگی "رام، رام" کرتے گزار دی اور "ہائے، رام" کہنے والی کو نہ کبھی منہ لگایا، نہ اس سے پھیرے لئے۔ ساری عمر مجرد گزار دی۔ ہندو اور مسلمان اس کے چوبارے پر آپس کے مناقشوں کو پس پشت ڈال کر مجلس جمایا کرتے تھے۔ جو ایک بار شریک محفل ہو جاتا، پھر اس کا اٹھنے کا دل نہ چاہتا اور جو اٹھتا، اگلے دن حاضری کا ارادہ باندھ کر اٹھتا اسی لئے اس کی محفلوں میں شامل ہونے والے لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "جیہوا مزہ مجھوڑے چوبارے، نہ ملخ نہ بخارے---"

بٹ صاحب ٹھیک سے دونوں ہاتھوں جوڑتے ہوئے بولے۔

"اوئے، بس بس کر ملو، یار! اتنا علم بھلا کس کام کا کہ جو سارا رومانی مزا کرکرا کر ڈالے۔ میں تو ساری زندگی مجھو کو کوئی طرحدار طوائف جان کر مزے لیتا رہا، آپ نے ایک ہی لمحے میں میرے تصورات کے سارے محل بنیادوں تک کھود ڈالے اور میرے خیالوں میں بس مجھو کے گوٹے کناری والے کپڑے اُتار کر اسے دھوتی پہنا دی---واہ، شاہ جی! واہ---"

"ہم نے تو حقیقت سے آپ کو آگاہی بخشی ہے۔" ہم نے احتجاج کیا۔

"سر! اگر آپ فارغ ہو گئے ہوں تو براہ مہربانی بل کاؤنٹر پر ادا کریں۔"

بیرا ہاتھ باندھ کر ہماری آپسی گفتگو میں دخل در معقولات کرتے ہوئے ادب سے بولا۔

"اچھا، یار! دیتے ہیں بل بھی--- ہم کوئی بھاگے تھوڑا ہی جا رہے ہیں؟" بٹ صاحب منہ بنا کر بولے۔

"ہاں جی، کتنا بل ہوا؟" بٹ صاحب نے بٹوا نکالتے ہوئے کاؤنٹر پر جا کر پوچھا۔

"آٹھ سو اسی روپے---"

کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے شخص نے کہا۔ بٹ صاحب نے بٹوے میں چند لمحوں کے لئے جھانکا، ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ہزار کا نوٹ کاؤنٹر والے کو دے دیا۔ اس نے ایک سو بیس روپے بقایا ادا کر دیئے۔

بٹ صاحب نے سو کا نوٹ بٹوے میں ڈالا اور بیس کا نوٹ اس بیرے کو تھما دیا جو ہماری میز کو پلیٹوں سے بھرنے پر معمور تھا اور اب ہمارے پیچھے کھڑا مسکین نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

باہر نکلے تو مری کا مال روڈ، پہلے سے بھی زیادہ مالا مال تھا۔ حسن کی فراوانی کا عالم یہ کہ بس کچھ نہ پوچھیے، بٹ صاحب کا حال اس ندیدے بچے جیسا تھا جو میلے کی سیر کو آ نکلا ہو اور ہر چیز کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہو۔ بٹ صاحب کی نگاہ جس قتالہ عالم پر بھی پڑتی، اس کی حشر سامانیوں کا دیدہ عبرت نگاہ سے بغور جائزہ لیتے اور زور سے "لاحول ولا قوۃ" پڑھتے۔ جب دس پندرہ بار یہ ورد کر چکے تو ہم سے نہ رہا گیا۔

"بٹ صاحب! صبح کے نکلے ہوئے ہیں، اب تو تھکاوٹ سی محسوس ہونے لگی ہے۔ کیا خیال ہے، اپنے عارضی ٹھکانے کو نہ چلا جائے؟" ہم

بجٹ کے خالقوں کو مشورہ!

آتے جاتے موسم پہ، دن رات پہ ٹیکس لگا دو
زندہ رہنا ہے تو اب ہر بات پہ ٹیکس لگا دو
اب تو لاکھوں لوگ کریں گے تم پہ انگشت نمائی
انگلی کے بدلے پورے ہاتھ پہ ٹیکس لگا دو
روزانہ ہر شخص ہزاروں سانسیں بھی لیتا ہے
ذات تو سب سے مہنگی شے ہے، ذات پہ ٹیکس لگا دو
کاغذ پر تو ٹیکس لگانے سے کم فائدہ ہو گا
خبریں پڑھنے والے سب حضرات پہ ٹیکس لگا دو
قلم و احساسات قیامت برپا کر دیتے ہیں
قلم پہ ٹیکس لگا دو، احساسات پہ ٹیکس لگا دو
ہنسنے پہ ہوں خرچ قہقہے اور رونے پہ آنسو
ہر اک میت پہ، ہر بارات پہ ٹیکس لگا دو
مذہب اور سیاست میں، کہتے ہیں، فرق نہیں ہے
ایسی سوچوں، ایسے احساسات پہ ٹیکس لگا دو
رکھنی ہے محفوظ جو اپنی عزت، اپنی کرسی
تو سب کی اوقات، بسر اوقات پہ ٹیکس لگا دو
ناداروں کی شریانوں کا خون بھی چوس ہی لینا
پہلے اپنے شاہی اخراجات پہ ٹیکس لگا دو

مرسلہ: ✿ سعید خانزادہ

نوید ظفر کیانی

نے کہا۔

رُک کر ہمیں دیکھتے ہوئے بولے۔ ''سرکار! آپ کے کل پرزے تو کب کے جواب دے چکے۔ آپ کے متعلق ہی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے---

عہد پیری شباب کی باتیں
ایسے ہیں جیسے خواب کی باتیں

آپ کی جوانی کو تو ''پالا'' مار گیا ہے۔ ادھر ہماری طرف تو ابھی تک یہ حال ہے کہ ''ساقیا! اور پلا، اور پلا--- خدا کی قسم، مال روڈ کی سڑک پر مورنی کی چال چلتے، مست الست پرشباب جوانیوں کو دیکھ کر تو ہمارا دل خود بخود مائل بہ بدی ہونے لگا ہے۔''

''توبہ توبہ---'' ہم نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

رکتے ہوئے بولے۔ ''سرکار! آپ تو کسی پری پیکر کو دیکھنے سے یوں ڈرتے ہیں جیسے ''سگ گزیدہ'' پانی سے ڈرتا ہے۔ قسم مولا پاک کی، اگر آپ کی ایک عدد بیگم اور پانچ عدد بچے نہ ہوتے تو آپ کو کسی نوے سالہ سنیاسی باوا سے ملوانے ضرور لے جاتا کہ آپ کی ساری علامات نوجوانی کی غلط کاریوں کا شاخسانہ لگتی ہیں۔''

مال روڈ کے دو تین چکر لگا کر جب انہوں نے جی بھر کر حسن کی سرکار سے حسن کی خیرات اپنی جھولی میں بھر لی تو بولے۔

''شاہ جی! کیا خیال ہے ان فٹ پاتھیے دوکانداروں سے کچھ لین دین نہ کیا جائے، بچارے کا کیسے ہر آنے جانے والے کو یتیم اور مسکین نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں؟''

ہم نے سڑک کنارے دوکانداری سجائے کاروباری افراد کو دیکھا۔ اُن میں سے کسی نے بچوں کے کھلونے سجائے ہوئے تھے، کسی نے بچوں کے ریڈی میڈ ملبوسات اور کچھ فٹ پاتھ پر کپڑے بچھائے کشمش، انجیر، بادام، پستہ اور خوبانی بیچ رہے تھے۔ بٹ صاحب ایک کشمش بیچنے والے کے پاس ہمیں لے کر اکڑوں بیٹھ گئے۔ پانچ سات دانے بغیر اس سے پوچھے تاچھے منہ میں ڈالے۔ جبڑوں کے دونوں پاٹ چلائے، تھوڑا سا منہ بنایا۔ پھر مٹھی میں پانچ سات دانے پکڑے اور ہماری طرف بڑھا کر بولے۔

''شاہ جی! ذرا چیک کریں، ان کا سودا کھٹا میٹھا لگتا ہے۔''

ہم نے کشمش منہ میں ڈال کر اُن کا ذائقہ چکھا اور کہا۔

''بٹ جی! میٹھی تو ہیں---''

جواب میں انہوں نے ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈالی اور پھر تک چڑھی ڈومنی کی طرح منہ ٹیڑھا کر کے بولے۔ ''بندر کیا جانے ادرک کا سواد--- سرکار! یہ سارا مال کچا ہے---'' پھر اک آہ بھر کر بولے۔ ''پر آپ کو کیا پتہ، ساری زندگی تو آپ نے تازہ اور رس بھری کشمس دیکھی نہیں، لے دے کر اگر دیکھی ہے تو وہ نام نہاد کشمس جو شادی بیاہ میں ''بد'' میں تمک پورے کرنے کے لئے ڈالی جاتی ہے اور جس کی شکل و صورت پر پھٹکار برس رہی ہوتی ہے۔ آپ جیسے وہ بھی ایک ایک دانہ کر کے اس میں سے نکال کر محفوظ کر لیتے ہیں کہ قسمت کا مارا کوئی مہمان آ نکلے تو اسے حلوے میں ڈال کر کھلائیں اور ساری زندگی جب بھی موقع ملے، دوسروں کے سامنے اس کی بدگوئی کرتے ہوئے کہہ سکیں کہ وہ تو ہے ہی احساس فراموش حالانکہ جب بھی ہاتھ لگتا تا آیا، ہم نے اسے گری، بادام اور کشمش والا دیسی گھی میں تر تراتا حلوہ کھلایا۔'' پھر ہمیں دیکھتے ہوئے ماتھے تک ہاتھ لیجاتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولے۔

''ارے، غریب! تجھے سلام---''

وہاں سے اٹھے تو ایک خوبانی والے کے ہاں جا پڑاؤ ڈالا۔ دست دراز کر کے خوبانیوں سے دست درازی کی، از راہ لطف و کرم ہمیں بھی دو چار خوبانیوں سے چھیڑ خانی کا سنہری موقعہ عطا کیا۔ بھاؤ پوچھ کر کانوں کو ہاتھ لگایا، اتنا زیادہ منافع کمانے پر غریب دوکاندار پر ''فی النار'' ہونے کا فتویٰ لگایا۔ ایک خوبانی کی گٹھلی توڑ اس کا ''بادام'' منہ میں رکھ کر چبایا، پھر آخ تھو کر کے اُسے باہر تھوکا اور دوکاندار کو جہنم کے آخری درجے کی بشارت دیتے ہوئے ہمارا ہاتھ پکڑ کر چلائے۔ پھر بادام، آخروٹ، انجیر، غرض جو بھی چیز فٹ پاتھ یا سڑک پر خشک میوہ جات کے نام پر بک رہی تھی، اس کی خامیوں کو دوکاندار کے سامنے کھا کھا کر اُجاگر کیا۔ جب ہر فٹ پاتھیے کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر چکے تو چمکتی آنکھیں ہمارے نیم تاریک چہرے پر جماتے ہوئے بولے۔

''شاہ جی! بھلا جو ہم نے کیا ہے، اسے کیا کہتے ہیں؟''

''سینہ زوری اور حرامخوری---'' ہم نے گی لپٹی رکھے بغیر فوراً کہا۔

ہونٹ ملا کر انہیں بھینچتے اور اندر کو کرتے ہوئے بولے۔ ''یہاں بدلہ وفا کا بے وفائی کے سوا کیا ہے---''

''بندہ پرور! جتنی چیزیں آپ نے اس حرامخوری کی بدولت کھائیں ہیں، اگر روپیہ دھیلا خرچ کر کے کھاتے تو آپ کی جیب آپ کے ہلکے پیٹ سے بھی زیادہ ہلکی ہو جاتی۔ کبھی خدا توفیق دے تو پستے اور چلغوزے کا ریٹ بھی پوچھیے گا بلکہ چھٹا نک آدھ چھٹا نک مزید بھی لیجیے گا۔ ان کی گنتی کے بعد آپ کو پتہ چلے گا کہ فی عدد آپ کو پانچ روپے کا پڑا ہے۔ قسم مولا پاک کی، آپ اس کو کھانے کی بجائے ان گنتی کے

نوید ظفر کیانی

دانوں پر صبح اٹھ کر درود ابراہیمی پڑھا کریں گے کہ ثواب زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکیں۔"

"چوہدری صاحب---چوہدری صاحب---!"

یہ اللہ بخش تھا جو دور سے ہمیں دیکھتا، پکارتا اور ہاتھ ہلاتا ہماری طرف آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے، اللہ بخش---؟" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"جناب! آپ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ شکر ہے، آپ لوگ مل گئے۔" اللہ بخش پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان اٹک اٹک کر بولا۔

"کیا بات ہے، یار---؟" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"صاحب! رات بہت ہوگئی۔ گھر چلیئے، میں آپ کو گھر سے ڈھونڈنے نکلا تھا۔" اللہ بخش جواب دیتے ہوئے بولا۔

"اگر ہم ذرا دیر سے آئیں تو---؟" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"صاحب! رات آٹھ بجے تک گھر والی کا ٹائم ہے، لیٹ آنے پر---" اللہ بخش اپنی بات بیچ میں ہی چھوڑتے ہوئے بولا۔

"کیا لیٹ آنے پر، یار---؟" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"جناب! اپنا اصول ہے کہ جو بھی رات آٹھ بجے تک گھر نہیں پہنچتا، اس سے اضافی چارجز وصول کیے جاتے ہیں۔"

"یار! تم یہاں کیوں بھاڑ جھونک رہے ہو، تمہیں تو وزارت بجلی و پانی میں ہونا چاہیے تھا جہاں تم نت نئے چارجز لگا لگا کر عوام کو ویسے ہی نچوڑتے جیسے کبھی خان صاحب نے ... کو نہلا کر نچوڑا تھا۔"

"چلیئے، بٹ صاحب! چلتے ہیں---سچ کے تھکے رات ہوگئی، ذرا تھکن سے چور اپنے جسموں کو آرام بھی دینا چاہیے۔" ہم نے کہا۔

"آپ کہتے ہیں تو یونہی سہی---" بٹ صاحب نے بغیر کسی قیل وقال کے ہماری بات پر صاد کیا۔

گھر کے صحن میں داخل ہو کر ہم نے بدبو کے بھبکوں سے بچنے کے لئے اپنی اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیے لیکن ہم نے محسوس کیا کہ بدبو پہلے سے کم ہے۔ صحن پر نگاہ ڈالی تو غلاظت اسی طرح بکھری پڑی تھی، شاید بدبو اور ہماری ناک کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم ہو رہا تھا۔ گمان اغلب تھا کہ دو چار دن مزید اسی جگہ گزارتے تو ہماری مشام جاں میں اُترنے والی بدبو میں سے "بد" اُڑ جاتا اور صرف "بو" ہی رہ جاتی---کمرے میں داخل ہو کر بٹ صاحب نے بیچارگی سے چاروں طرف دیکھا اپنے رخسار پر بوسہ لینے والے مچھر کو چٹاخ سے تھپڑ رسید کیا، انگلیوں سے اسے اپنے رخسار پر ہی "رول" کر کے جہنم رسید کیا اور بولے۔

"شاہ جی، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اللہ پاک نے مجھے آپ کے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے نہاں لا ڈالا ہے---او بھائی، اللہ بخش! ان جنت کی کھڑکیوں کو بند کرنے کی سبیل کرو جہاں سے جنت کی ٹھنڈی ٹھار ہوا ہمیں "جنتی" بنانے کے لئے اندر داخل ہو رہی ہے---" پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو بغلوں میں دباتے ہوئے بولے۔ "یار! باہر سے دگنی مجھی تو یہاں ٹھنڈ ہے، کم از کم کوئی انگیٹھی ہی جلا دو---"

"جناب! انگیٹھی تو نہیں ہے؟" اللہ بخش نے صاف جواب دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہے---تو چل، یار! پھر ایدھی والوں کو ابھی سے فون کر دے، صبح صبح ہماری نمونیہ زدہ لاشیں اٹھانے کے لئے انہیں آنے میں خاصی تکلیف ہوگی۔"

بٹ صاحب نے کانپتے کپکپاتے لہجے میں کہا۔ بٹ صاحب تو سوال وجواب میں مصروف تھے اور ہم خاموشی سے بستر میں گھس کر اپنے سرد جسم کو گرم کرنے کی تگ ودو میں لگ گئے۔ اللہ بخش نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا اور پھر یونہی مسکراتا ہوا واپس چلا گیا۔

"مہنگا روئے اِکبار، سستا روئے بار بار---"

ہم نے لحاف سے گردن نکال کر بٹ صاحب سے کہا اور پھر اُن کا جواب والجواب سنے بغیر شتر مرغ کی طرح لحاف میں گردن ڈال کر سونے کی کوشش کرنے لگے---پتہ نہیں کس ظالم نے کہا تھا کہ خواب میں انسان وہی کچھ دیکھتا ہے جس کی خواہش اس کے لاشعور میں چھپی ہوتی ہے یا جو وہ کرنا اور دیکھنا چاہتا ہے لیکن دنیا اور عاقبت کے خوف سے کر اور دیکھ نہیں سکتا، دنیا کو دکھاتا ہے کہ دیکھ لو، دنیا والو! میں کتنا شریف ہوں لیکن حالت خواب میں اس کی شرافت کے سارے پرزے، پرزہ پرزہ ہو جاتے ہیں۔ ضرور یہ بات آنجناب فرائڈ نے ہی کی ہوگی کہ ایسی عقلی خرمستیاں اسے ہی سوجھتی تھیں۔ ہم بھی ساری عادات خواب میں حسینوں سے کھل کھیلتے رہے۔ جس کلی اور پھول کو دیکھتے، سیٹی بجاتے ہوئے اسی کے پیچھے ہو لیتے۔ دو چار کے پیچھے چلتے ہوئے تو ہم نے اپنی نادیدہ دم کو بھی ہلا دیا اور ایک آدھ کے تو ہم گلے کا ہار بھی ہو لئے۔ ایک ہتھ چھٹ سے جو ہم نے اظہار محبت کرنا چاہا تو اس نے چٹاخ سے ہمارے رخسار پر تھپڑ جڑ دیا۔ ہماری فوراً آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ ہمارا پورا ہاتھ اپنے دائیں رخسار پر دھرا ہے اور آہستہ آہستہ نیچے پھسل رہا ہے، یعنی ہم کسی طرح ثانی مچھر کو جہنم رسید کے بعد اسے ڈی کی شکل دے رہے ہیں۔ غرض ساری رات حسینوں کی عبرت انگیز نظاروں میں ہی تمام ہوئی اور ہم حالت خواب میں ہی گنگناتے رہے---

نوید ظفر کیانی

دل اپنا کس کو دیں، کوئی دلدار تو ملے
ہم دل کو بیچتے ہیں، خریدار تو ملے

صبح تک ہم گناہوں کی کمائی میں اپنے بٹ صاحب کو کوسوں میل پیچھے چھوڑ چکے تھے---صبح صبح اللہ بخش گزری صبح کی طرح دوبارہ الٰہ دین کے جن کی مانند حاظر ہو گیا۔

''جناب! اٹھ جائیں---'' اس نے دور سے ہانک لگائی۔

ہماری تو ساری رات عشق اور عاشقی میں گزری تھی، سو فوراً آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے جیسے پکی نیند سوئے ہوں۔ اللہ بخش نے جب دو چار بار زور زور سے بٹ صاحب کے کانوں کے قریب اپنا بھونو بجایا تو بٹ صاحب نے بمشکل آنکھیں کھول کر پوچھا۔

''کیا ہے، یار---؟''

''صاحب! صبح ہو گئی---'' اللہ بخش نے صبح ہونے کی نوید دی۔

''یار! مجھے تو لگتا ہے کہ روزوں کے مہینے میں تو ٹین کا کنستر بجا بجا کر بے روزوں کی نیند خراب کرتا رہا ہے۔'' بٹ صاحب نے بستر میں اٹھ کر بیٹھتے ہوئے غصے سے کہا۔

''جناب!'' نیکی کا کام ہی تو کرتا رہا ہوں---'' اللہ بخش نے ہاتھ باندھ کر مسکین مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر ہم نے یخ پانی سے قطروں میں منہ ہاتھ دھویا، یعنی آہستہ آہستہ۔ پھر کمرے میں آ کر تولیے سے ہاتھوں اور چہرے کو خشک کیا۔

''جناب! آج بھی ناشتہ باہر سے کریں گے یا---؟''

''یار! اگر گھریلو ساختہ ناشتے اور کھانے سے ہی پیٹ کی آگ سرد کرنی ہوتی تو گھر کیا بُرا تھا؟'' بٹ صاحب نے جواب میں سوال کا تڑکا لگا کر کہا۔

''جیسی آپ کی مرضی، صاحب---!''

اللہ بخش نے یہ کہا اور باہر نکل گیا۔ جب ہم دونوں تیار ہو گئے تو بٹ صاحب نے ہمارا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا کہ چلو، شاہ جی! چلیں---

ہم دونوں ناشتے کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ دو کانیں اور ہوٹل تو بہت سے کھلے تھے لیکن بٹ صاحب کل صبح کے تجربے سے سبق پا کر اب کسی ریڑھی یا پھٹے کی تلاش میں تھے جس پر مرغ چنے یا نہاری بک رہی ہو لیکن مایوسی مقدر میں لکھی تھی، کہیں بھی ایسا پھٹہ یا ریڑھی نظر نہ پڑی جس پر لوگ مکھیوں کی طرح گر رہے ہوں۔ بٹ صاحب افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''لگتا ہے کہ مری کے سارے شبدے، میوے، بھیجے، جیوے اور اچھو زیر زمین یا سمائے ہیں ورنہ کسی نے تو مرغ چھولے، مغز، کھد، پائے، بونگ کا ناشتہ لگایا ہوتا۔''

''بٹ صاحب! اب کیا کریں؟'' ہم نے پوچھا۔

''پاپی پیٹ کی آگ تو کسی طور بجھانی ہی ہے---''

بٹ صاحب نے ادھر ادھر دیکھا اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر ایک ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ صوفہ نما کرسیوں پر بیٹھے تو ایک لڑکا آڈر لینے چلا آیا۔

''کیا کچھ ہے، یار؟'' بٹ صاحب نے بیزاری سے پوچھا۔

ناشتے کی چیزیں گنواتے ہوئے جب اس نے کہا کہ حلوہ پوری، آلو کے پراٹھے تو بٹ صاحب کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''یار! ان دونوں چیزوں کے نام دوبارہ لو، کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں ہوا؟''

لڑکے نے دوبارہ کہا۔ ''حلوہ پوری، آلو کے پراٹھے---!''

بٹ صاحب کے چہرے پر بشاشت چھا گئی۔ پیٹ کے طبلے کو ہاتھ سے بجاتے ہوئے چہکے۔ ''جی خوش کو دیا یار، تو نے---جا، جلدی سے بھاگ کر تین بندوں کا ناشتہ لے آ، حلوہ پوری کا---''

''تین---؟'' دو تو ہم ہیں، تیسرا شیطان ہے گیدڑ کے منہ والا۔ جہاں اچھی خوشبو سونگھتا ہے تو وہیں اپنا حصہ بٹانے کو آ رہا ہے۔''

بٹ صاحب نے ترنگ میں آ کر چہکتے ہوئے کہا۔ لڑکا ہوٹل کی بیک سائیڈ کی طرف چلا گیا تو بٹ صاحب اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''شاہ جی! یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ جو مال اچھا ہے، اسے ظالموں نے پچھوڑے باندھ رکھا ہے۔ اپنے سوہنے شہر گوجرانوالہ میں تو یار لوگوں نے آدھی آدھی سڑک کو گھیر رکھا ہوتا ہے۔ جو دوکان سے جتنا باہر ہوتا ہے، اتنا ہی مشہور و محبوب ہوتا ہے۔''

''بٹ صاحب! یہ مری ہے، یہاں ایسے اوچھے ہتھکنڈوں پر پابندی عائد ہے، انہی بداعمالیوں کی بدولت ہی تو گوجرانوالہ ایشیاء کا گندہ ترین شہر کہلاتا ہے۔'' ہم نے کہا۔

منہ بنا کر بولے۔ ''شاہ جی! اپنے ذاتی بچے، دوسرے کی جورو اور اپنا شہر کے اچھا نہیں لگتا---اجی، اپنے شہر گوجرانوالہ کی خاک بھی خاک شفا ہے۔ سچ ہے، اپنے شہر کی بدگوئی کچھ آپ جیسے شخص کے منہ سے ہی سجتی ہے---رہا آپ کا یہ دعویٰ کہ ایشیاء کا گندہ ترین شہر ہے تو سرکار! بدنام گر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا---آپ جیسے گوجرانوالہ کے صفائی ستھرائی پر جان دینے والے باسی کے پاس چار پیسے آ جائیں تو مری، ایبٹ آباد میں مکان تعمیر کروا لیتے ہیں لیکن جب فرشتہ اجل ٹینٹوا دبانے کو دبے قدموں آگے بڑھنے لگتا ہے تو اس کے قدموں کی چاپ

سنتے ہی اولاد کو وصیت کرنے لگتے ہیں کہ دیکھو، جب میں اپنی گناہوں بھری زندگی کو آخری سلام کولوں تو میرے مردے کو گوجرانوالہ کی خاک کی نذر کرنا---"

ہماری نظروں کے سامنے گوجرانوالہ کی گلیاں، بازار، محلے، ریل کی پٹری، شیرانوالہ باغ، سیالکوٹی دروازہ، پہلوانوں کے اکھاڑے، جابجا ٹیلوں کی صورت بنے گندگی کے ڈھیر، اُبلتے گٹر، اے تجے کرتے لوگ اور صدیوں پرانا قبرستان جو گنجائش نہ ہونے کے باوجود ماں کی طرح اپنی آغوش وا کیے اپنے پیاروں کو اپنے اندر سموئے چلا جا رہا ہے، مجسم صورت آ کھڑے ہوئے اور ہمارا رواں رواں جذب و مستی میں آ کر جھومنے لگا، جسم و جاں سے محبت والفت کے زمزمے اُمڈنے لگے۔ سینے کے پنجرے میں ہفت رنگ پرندے نے ہجر و وصال کے گیت الاپنے شروع کر دیے اور ایکا ایکی ہمیں اپنے گوجرانوالہ پر ڈھیروں پیار آنے لگا--- میرا شہر رشک وطن ہے، ہم نے سوچا اور دھیرے سے مسکرا دیے۔

خدمتگار لڑکے نے پوریاں ہمارے سامنے رکھیں تو بٹ صاحب نے گھی میں تر تراتی ایک پوری کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان لے کر اوپر اٹھایا، دائیں بائیں گھما کر اس کا تفصیلی معائنہ کیا اور ٹھنڈی آہ بھر کر بولے۔

"واللہ، شاہ جی! اتنی مہین اور کاغذی پوری کہیں دیکھی، نہ سنی۔ جسم ہے، اس میں سے آر پار بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ بس نگاہ ناز ذرا کسی چلبلی حسینہ کی طرح تیز طرار ہو--- ڈھاکے کی ململ کے بارے میں تو سنا تھا کہ اس کا پورا تھان انگوٹھی میں سے گزر جاتا تھا، یہ تو اس سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔ سوئی کے ناکے سے بھی گزر جائے تو اسے خبر نہ ہو۔ بخدا پوری مری ہاتھ کی صفائی دکھانے والے مالکوں اور کاریگروں سے بھری پڑی ہے---" پھر لڑکے سے مخاطب ہو کر بولے۔ "یارا یہ کاغذی پیراہن کتنوں کے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے فائر بریگیڈ کا کام سر انجام دے گا؟"

لڑکا جھینپتے ہوئے بولا۔ "جی، تین افراد کا ناشتہ ہے---"

"تین کا---؟" بٹ صاحب نے حیرانی سے کہا۔ پھر اپنے پیٹ میں ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولے۔ "جا، یار! پھر آٹھ دس لوگوں کا ناشتہ اور لے آ۔"

بٹ صاحب نے کچھ ایسی سنجیدگی سے کہا کہ وہ لڑکا فوراً بچھواڑے کی طرف چل دیا۔ وہ چلا گیا تو بٹ صاحب منہ بنا کر بولے۔

"کیا بات ہے جی، اپنے ریل بازار کے امرتسریوں کی۔ ایسی نرم، سنہک اور گول پوری بناتے ہیں جیسے پوریاں نہ ہوں، سورج کے ننھے

ظفرانیات

(میر لطیف زمین پرواہی بجی۔ بلا اجازت، بلا معذرت)

کس میں ہمت کہ یوں اشتعالی کرے
ٹی وی ہے جو ثقافت کی گالی کرے

ہر حکومت کو مریل معیشت ملی
اس کے "بوتھے" یہ کیسے بحالی کرے

اب تو ہر اک بجٹ کی ہے غایت یہی
جیب کیسے غریبوں کی خالی کرے

خوب ہے قائدین وطن کا چلن
ہم پہ جمہوریت کو وبالی کرے

قوم کے غم میں دبلے ہوں ہم کس لئے
کام "اقبال" کا ہے یا "حالی" کرے

انتخابات کی اور ہی بات ہے
مفت لیڈر نہ شیریں مقالی کرے

جو منسٹر کی پرچی کا گر ڈال دے
اپنے میرٹ کو کچھ اور عالی کرے

بازیابی جو فائل کی درکار ہے
بات کچھ تک کرنے والی کرے

یوں کوئی دشمنوں سے بھی کرتا نہیں
جیسے شوہر سے سالا یا سالی کرے

بیوی تو اٹھ کے دیتی نہیں ناشتہ
آ کے دفتر میں صاحب جگالی کرے

سب کے تیرِ نظر کا نشانہ ہے دل
جیسا گوری کرے، ویسا کالی کرے

دورِ حاضر میں تلقین صدق و صفا
اپنا وعظ بھی باتیں نرالی کرے

اب تو آوے کا آوا ہے بگڑا ہوا
کون کس کی یہاں گوشمالی کرے

نوید ظفر کیانی

منے بچے ہوں۔ پیارے، من موہنے، گل گوتھنے--- پوریاں لگانے والا جب پوری کو آخری پیچ دیتے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلی سے چٹاخ کی آواز نکالتا ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے شب عروسی کوئی بارگاہ حسن میں خراج تحسین پیش کر رہا ہو اور ادھر دیکھیے، کیسے کان کے پردوں کو فگار کر دینے والی صدائیں پچھواڑے سے آ رہی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی آفت کا مارا کھسرا بند دروازے کے سامنے کھڑا تالیاں بجا بجا کر اہل خانہ کو بددعائیں دے رہا ہو۔"

جب دل کے پھپھولے پھوڑ چکے تو دوبارہ یوں ہر نظر کرم ڈالتے ہوئے بولے۔

"ظالم، خدائی خدمتگار پوریوں کے ساتھ آلوؤں کی "بھرجی" تو رکھ گیا لیکن حلوہ لانا بھول گیا۔"

اسی وقت وہی لڑکا دوبارہ پوریاں لے کر نمودار ہو گیا۔ جب پوریاں پلیٹ میں رکھ چکا تو بٹ صاحب نے پوچھا۔

"یار! حلوہ کدھر ہے---؟"

"جناب! آپ نے تو اس کا آڈر ہی نہیں دیا---"

"آڈر---؟"

"ہاں جی، وہ الگ سے گاہک کی فرمائش پر دیا جاتا ہے۔"

"اوئے ظالما! کیا قیمت لگا رکھی ہے، اس انمول رتن کی---؟"

"جی، سو روپے پاؤ---"

"جا، یار، پاؤ بھر لے آ---" بٹ صاحب نے افسردہ دلی سے کہا۔ پھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔" شاہ جی! اپنے شہر سے کہیں بھی پوریاں کھائیں اور دو کھائیں یا دس، پوری فروش حلوہ پوری کے اوپر مفتو مفت ڈال کر دیتا ہے اور یہاں ظالموں کو یہ نہیں پتہ کہ حلوہ پوری سے پہلے آتا ہے، یعنی حلوہ پوری--- نہ پکانے کا سلیقہ اور نہ کھلانے کا طریقہ---" پھر آنکھیں بند کر کے جھومتے ہوئے بولے۔

"نہیں ریساں میرے شہر دیاں--- سچ کہتے ہیں لوگ کہ وطن کی قدر پوچھنی ہو تو بے وطنوں سے پوچھو۔ دو دنوں میں ہی ہم پر یہ بات آشکارہ ہو گئی کہ ہمارے شہر کی ہزار خامیوں پر ایک خوبی بھاری ہے کہ ہم اس کے باسی ہیں اور اگر روئے زمین پر رشک جنت کوئی جگہ ہے تو ہمارے گوجرانوالہ کی سرزمین ہے۔"

پوریوں سے انصاف کرنے کے بعد جب اُن کا بھاری بھرکم بل دینے کی باری آئی تو بٹ صاحب نے بٹوے میں ہی جمع پونجی کا دو چار بار حساب کتاب کیا، بل ادا کرنے کے بعد ایک بار پھر نوٹوں کی گنتی کی "آہ ہا!" کا ہنکارا بھرنے کے بعد ایک سرد آہ بھری، ہمارا ہاتھ تھاما اور باہر کو چل دیے۔

"بٹ صاحب! کیا بات ہے، آپ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں؟" ہم نے باہر آ کر پوچھا۔

"نہیں، نہیں۔ کچھ نہیں---"

بٹ صاحب نے گڑبڑاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ ہم نے کچھ زیادہ اصرار نہیں کیا لیکن سوچنے ضرور لگے کہ آخر بات کیا ہے جو کہ بٹ صاحب اتنے حواس باختہ اور پریشان ہیں--- اب ہمارے سامنے وہی نظارے تھے جنہیں ہم جی بھر کر دیکھ چکے تھے۔ گھاس کے ایک قطعے پر بیٹھتے ہوئے ہم نے کہا۔

"بٹ صاحب! سنا ہے ادھر ایوبیہ میں چیئر لفٹ چلتی ہے۔ کیا خیال ہے، ادھر نہ چلا جائے۔ ذرا سیر سپاٹا رہے گا، نئی دنیا اور نئے نظارے دیکھیں گے۔"

ہمارا اتنا کہنا اور اُن کا سننا تھا کہ غصے میں تمتماتی اور چھنکتی آواز میں بولے۔

"قبلہ! ادھر آپ کے "کھابے" نے سارا بجٹ تہہ و بالا کر دیا ہے اور ادھر آپ کو جان لیوا تراکیب اور تجویزیں سوجھ رہی ہیں۔ اللہ بخش کا جرمانہ بھرنے کے بعد گھر جانے کا کرایہ تک نہیں بچ رہا اور آپ---"

"کرایہ--- حیرت ہے، سولہ ہزار خرچ بھی ہو گئے۔" ہم نے بات کاٹتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"کون سے سولہ ہزار---؟" انہوں دبنگ لہجے میں پوچھا۔

"آٹھ ہزار تو انصاری صاحب نے ہماری نذر کیے تھے اور آٹھ ہزار آپ نے اپنی طرف سے ڈالنے کا کہا تھا، ہوئے نا، سولہ ہزار---" ہم نے سیدھا سادھا حساب بتایا۔

"ہاں، کہا تھا اپنی طرف سے آٹھ ہزار کی رقم ڈالنے کا لیکن کچھ سوچ کر اپنی طرف سے صرف دو ہزار لایا تھا، سوچا تھا کہ---"

"کیا سوچا تھا---؟" ہم نے انہیں جو یوں ڈنڈی مارتے ہوئے دیکھا تو لٹھ مار لہجے میں پوچھا۔

"سوچا تھا کہ اپنے سید صاحب ساتھ ہیں، رقم میں خود بخود برکت پڑ جائے گی۔ دس ہزار، بیس ہزار کا کام دیں گے---" غصے سے ہمارے منہ سے بے ربط الفاظ برآمد ہونے لگے۔

"بالکل--- سچ، سولہ آنے صحیح بات کہہ رہا ہوں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ بٹوے میں برکت کے لیے دو چار اپنی بدبودار پھونکیں مارتے مگر آپ نے ساری رقم ہی پھونکوں میں اڑا دی۔ اپنی ساداتی کو تو رہنے دیجیے، آپ جو خود کو اب بڑے انشاء پرداز اور ادیب سمجھتے ہیں اس کی

نوید ظفر کیانی

حقیقت مجھ سے پوچھیئے---"

"تو بسم اللہ، بتا دیجئے---؟" ہم نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

ہمارے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولے۔ "بڑے بڑے شاعر ادیب، میر، غالب، داغ اپنی ساری زندگی میں دل کا سودا کرتے تھے اور آپ ان کے نام لیوا اور ان کی ڈگر پر چلنے والے تے دل، تن، بدن کا مول تول کرنے کی بجائے اپنے خون کو بیچ ڈالا اور اب دھڑے سے اپنے خون کی کمائی نذرِ شکم کرنے کے بعد اپنے دیرینہ یار بیلی سے منہ ماری پر اُتر آئے ہیں۔"

"بس کریں، بٹ صاحب! بہت ہوگئی---چلیئے---چل کر اللہ بخش کا حساب چکتا کریں اور گھر کی راہ لیں ورنہ مال روڈ کی بیچ میں ہی ایک دوسرے کی پگڑی اتر جائے گی۔"

ہم نے خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر جو اُن کی زبان نے ایکسپریس ٹرین کی طرح فراٹے بھرے ہیں تو چھوٹے موٹے اسٹیشن تو رہے ایک طرف، بڑے اسٹیشنوں سے بھی شوں کر کے نکلتی رہی اور جواب میں ہم صرف لال، نیلے اور پیلے بھی ہوتے رہے۔ پھر تنتناتے اور بل کھاتے اٹھے اور اپنے عارضی مسکن کو چلائیے۔ پہلی دستک پر ہی اللہ بخش باہر نکل آیا اور حیرانی سے بولا۔

"صاحب! کیا بات ہے، اتنی جلدی واپس آ گئے؟"

جواب میں کوئی بات کئے بغیر بٹ صاحب نے بٹوا کھولا، گن کر چار ہزار روپے اس کی ہتھیلی پر رکھے اور بولے۔

"اللہ بخش! شاہ صاحب کے جہیز کا سامان لے آؤ---" اللہ بخش ہمارا بیگ لے آیا تو اسے ہمارے حوالے کرتے ہوئے بولے۔ "لیجئے سرکار! اٹھایئے اپنا سامان اور روانہ ہو جایئے اپنے وطن کو---"

ہم نے بیگ کندھے سے لٹکایا اور بیچارگی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"اب کیا ہے، مجھے کیوں بٹر بٹر دیکھ رہے ہو؟"

بٹ صاحب نے تلخ لہجے میں کہا تو ہماری آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ خدا نے ہماری طبیعت میں نہ جانے کیوں یہ مادہ رکھ دیا ہے کہ ہم کسی سے بہت عرصہ ناراض نہیں رہ سکتے اور نہ کسی کی ناراضگی کو برداشت کر سکتے ہیں، یہاں تو پھر ہمارے بھائی اور یارِ غار بٹ صاحب کی ذات تھی۔ ہم نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر دو قدم آگے بڑھ کر اُن سے لپٹ گئے۔ پہلے تو اُن کے ہاتھ اپنے پہلوؤں میں ہی گرے رہے، پھر آہستگی سے اُٹھے اور اگلے ہی لمحے بٹ صاحب نے زور سے ہمیں اپنے سینے سے لگالیا۔ پھر آہستہ آہستہ الگ ہوئے اور ہمارے چہرے پر اپنی نگاہیں جماتے ہوئے بولے۔

"شاہ جی! سوری---"

ہمارے سارے گلے شکوے ان کے ایک لفظ سے ہی تمام ہو گئے--- چلتے چلتے پوچھنے لگے کہ شاہ جی! جیب میں حسینانِ وطن کی تصویروں اور گھریلو سودا سلف کی پرچیوں کے سوا بھی کچھ ہے یا فقیر کے کاسئے کی طرح خالم خولی ہی ہے؟"

"بٹ صاحب! آپ سے کیا پردہ، ہم تو خدا اور آپ کی آس اور آسرے پر ہی نکلے تھے۔" ہم نے نگاہیں اپنے قدموں پر جماتے ہوئے عرض کی۔

"تو، سرکار! میرے پاس بھی اب گنتی کے ہی روپے ہیں جن سے ہم بذریعہ بس صرف راولپنڈی تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ میں تو حساب کتاب رکھے بغیر اس لئے خرچ کرتا رہا کہ اپنے شاہ صاحب کی شلوار کے خفیہ خانے میں ہزار دو ہزار ہوں گے، واپسی خوش اسلوبی سے ہو جائے گی۔ کیا خبر تھی کہ آپ کی حال کسی تکیے کے فقیر جیسی نکلے گی۔"

"تو اب کیا کیا جائے؟" ہم نے پوچھا۔

"کیا کیا جائے---ہاں، یاد آیا۔ آپ نے بتایا تھا کہ آپ کے ایک دوست راولپنڈی میں رہتے ہیں۔"

"سید نجم الحسن شاہ صاحب---" ہم نے کہا۔

"ہاں، وہی---کیا خیال ہے، اُن سے مدد امداد کی اپیل نہ کی

کاش

ایک دولت مند نے اک دوست سے اپنے کہا
"لے دیا بیٹے کو ہے کالج میں، میں نے داخلہ
تاکہ حاصل وہ کرے تعلیم اعلیٰ، اور نئی
پر بڑھاتا ہے وہ پینگیں لڑکیوں سے پیار کی
وقت ضائع رنگ رلیوں میں ہے کرتا وہ، وہاں
آ گیا ہوں تنگ اس کی حرکتوں سے، مہرباں!"
دوست نے اس پر دیا اس کو دلاسا اور کہا
"آج کل کے نوجوانوں کا یہی ہے مشغلہ
تم پریشاں کس لئے ہوتے ہو لیکن، اے میاں!"
یہ سنا تو اس نے کھولی اس طرح اپنی زباں
"چاہتا ہوں، ذمہ دے دوں اس کو گھر کے کام کا
اور بجائے اس کے خود کالج میں لے لوں داخلہ"

عاصمہ گل عظمیٰ

جائے۔" انہوں نے تجویز دی۔

"یعنی۔۔۔؟"

"آپ اتنے بھی بھولے نہ بنیں۔ اُن سے عرض معروض کر کے ہزار دو ہزار اینٹھتے ہیں۔" انہوں نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

"یعنی ادھار۔۔۔؟"

"تو، جناب! میں کیا فارسی بول رہا ہوں؟" انہوں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

ہم نے سر جھکا کر چند لمحے کچھ سوچا، ٹھنڈی سانس بھری اور کہا۔ "چلیئے، بٹ صاحب! اگر بدھو میاں اسی طرح گھر کو لوٹ سکتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔۔۔"

تقریباً دو گھنٹے بعد ہم فیض آباد اڈے پر پہنچ گئے۔ نجم شاہ صاحب کو فون کیا۔ ہماری آواز سن کر بہت خوش ہوئے اور جب ہم نے بتایا کہ ہم اُن سے ملنے آ رہے ہیں تو اور زیادہ خوش ہوئے۔ انہوں نے فوراً ہمیں اپنے کلینک کا اتہ پتہ سمجھایا اور جلد پہنچنے کی تلقین کر کے فون بند کر دیا۔۔۔ چیمہ پلازہ میں جب ہم اُن کے کلینک میں داخل ہوئے تو انہیں اپنا چشم براہ پایا، خوب زور شور سے سلام دعا اور معانقہ کیا۔ جب ہم کرسیوں پر بیٹھ چکے تو بولے۔

"شاہ جی! فرمایئے کیا خدمت کروں؟"

ہم فوراً صرف مدعا زبان پر لانے والے تھے کہ بٹ صاحب بولے۔

"شاہ صاحب! ہم تو جہاں بھی مہمان بن کر جاتے ہیں، کبھی کسی قسم کی فرمائش نہیں کرتے مبادا میزبان کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے، بیچارہ خود ہی مرغ بریانی کا انتظام کر لیتا ہے۔"

نجم شاہ صاحب نے زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر ہمیں یوں دیکھنے لگے جیسے پوچھ رہے ہوں کہ یہ منہ پھٹ صاحب کون ہیں۔

"شاہ جی! یہ ہمارے دوست بٹ صاحب ہیں۔ ہماری تحریروں کے اصلی اور زندہ کردار۔۔۔" ہم نے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"او، اچھا۔۔۔ بڑی خوشی ہوئی بٹ صاحب! آپ سے مل کر۔ جیسا سنا تھا، ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر پایا۔" نجم شاہ صاحب نے دوبارہ بٹ صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد چائے آ گئی، دو پلیٹوں میں تازہ بتازہ بیکری کے بسکٹ تھے۔ ادھر ہم چائے کی چسکی لیتے، ادھر نجم شاہ صاحب آواز لگاتے۔

"شاہ جی، ساتھ بسکٹ بھی لیں، نا!۔۔۔ بٹ صاحب! لیجئے نا، تکلف مت برتیئے۔"

بسکٹوں کے بھی بہت سے ڈیزائن، رنگ اور ذائقے تھے۔۔ بٹ صاحب نے کپ سے چسکی لی تو نجم شاہ صاحب پکارے، بٹ صاحب! بسکٹ بھی لیجئے نا!۔۔۔ بٹ صاحب نے سر ہلا کر ہاتھ بڑھایا اور ایک دل کی شکل کا بسکٹ اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

نجم شاہ صاحب! مجھے تو یہ بسکٹ نہیں لگتا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے اپنا دل پیش کر دیا ہو اور ساتھ ویسا ہی کہہ رہے ہوں جیسا ایک فلم میں صاعقہ بیگم نے محبوب کو منانے کے لئے ایک فلم میں گانا گایا تھا کہ۔۔۔

اساں دل تیرے قدماں اچ رکھیا، توں پیر اُتے پا تے نئی
دل توڑیں گاتے دے دیاں گی جان، توں جا کے وخا تے نئی

"عزت افزائی ہے جناب کی جو ہمارے دل کے اوپر "پیر پا" نہیں رہے بلکہ اسے ریزہ ریزہ کر کے اپنے اندر اُتار رہے ہیں۔"

نجم شاہ صاحب نے فقرہ کسا۔ بٹ صاحب کے پاس "حس لذیذ" تو ہے لیکن حس لطیف سے اُن کا دامن خالی ہی ہے اس لئے ادرگرد دیکھتے ہوئے بولے۔

"شاہ صاحب، آپ ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہیں؟"

"ہاں جی۔۔۔" نجم شاہ صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کام کیا جا رہا ہے؟" بٹ صاحب نے چاکلیٹ بسکٹ کو دانتوں تلے دبانے سے پہلے پوچھا۔

"اے ون۔۔۔" نجم شاہ صاحب نے جواب دیا۔

"ہاں جی، آج کل ہومیو پیتھک اور یونانی طریقہ علاج میں استعمال ہونے والی کڑوی، کسیلی دوائیوں سے الرجک ہیں۔ ہومیو پیتھی کی کامیابی کی اصل وجہ اس کی میٹھی دوائیاں ہیں۔ آپ ذرا غور کریں، بچپن میں جب بھی ہمیں نزلہ زکام ہو جاتا تو ابا حکیم صاحب سے جوشاندے کی پڑیا بندھوا لاتے، پھر گھنٹہ بھر تو اسے چولہے پر کھولایا جاتا اور جب پینے کی باری آتی تو اسے ہمارے پینے کے قابل بنانے کے لئے اس میں ڈھیر ساری چینی ڈالی جاتی۔ کم بخت جوشاندے سے زیادہ تو چینی پر خرچ آ جاتا تھا۔"

"جناب! ہومیو پیتھی ایک سائنس ہے، اس میں شفایابی کی بڑی طاقت ہے۔" نجم شاہ صاحب نے ہومیو پیتھی کے گن گائے۔

"بالکل۔۔۔ اس طریقہ علاج کی بدولت تو لب گور مریض بھی آٹھ دس سال آسانی سے نکال لیتا ہے اور ان آٹھ دس سالوں میں ہومیو پیتھک اس کے ناتوں جسم سے اتنی الگ الگ اور انواع واقسام کی

نوید ظفر کیانی

بیماریاں برآمد کرتا ہے کہ ہر نئی بیماری کی نوید پا کر مریض سوچتا ہے۔

"یہ چنگاری بھی، یارب! اپنی خاکستر میں تھی---؟"

"ہا، ہا، ہا---" نجم شاہ صاحب نے فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔

"شاہ جی! دن میں کتنے مریض آپ کے دست اقدس پر بیعت ہوتے ہیں؟" بٹ صاحب نے اپنی بات کو ادبی چاشنی میں غوطہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"چالیس پچاس تو دام میں آ ہی جاتے ہیں۔" نجم شاہ صاحب نے جواب دیا۔

"آدھ پون گھنٹہ تو ہو گیا، کوئی پنچھی جال میں پھنسنے تو نہیں آیا؟" بٹ صاحب نے حیرت سے کہا۔

"بٹ صاحب! ذرا کلینک سے باہر جا کر دیکھئے، کلینک کے دروازے پر تختی لگی ہوئی دیکھیں گے کہ کلینک بند ہے--- یہ کیا بات ہوئی کہ دوست آئے بیٹھے ہوں اور میں مریض کے مرض کا شجرہ نسب پوچھتا اور ڈھونڈتا پھروں۔" نجم شاہ صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"اگر اس وقت کوئی چند گھڑیوں کا مہمان آپ کے کلینک پر آئے، تختی پڑھ کر واپس لوٹے اور راستے میں ہی آخری دم لے لے تو اس کا وبال تو آپ کی اور ہماری گردنوں پر ہی پڑے گا۔" بٹ صاحب نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"او، بٹ صاحب! فکر نہ کریں۔ یہاں جو بھی آتا ہے، اپنے قدموں پر چل کر آتا ہے۔ چند لمحوں کے مہمان سیدھے سرکاری اور نیم سرکاری ہسپتالوں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں پہنچ کر ہی بلکتے سسکتے پرلوک سدھارتے ہیں۔" نجم شاہ صاحب نے ہنس کر کہا۔

"شاہ جی! فیس کتنی لیتے ہیں؟" بٹ صاحب نے پوچھا۔

"بٹ صاحب! میں تو ملنگ بندہ ہوں۔ جو کوئی دے جائے، چپکے سے رکھ لیتا ہوں۔"

"اچھا، یعنی کہ یہ خوب رہی، آپ ملنگ ہیں اور میں مست ملنگ--- مثلاً اس وقت میں آپ سے دو ہزار روپیہ ادھار مانگوں اور آپ فقط ایک ہزار دینے پر راضی ہوں تو میں قسم سے کوئی دوسری بات نہ کروں، آپ کی طرح چپکے سے رکھ لوں۔" بٹ صاحب نے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے کہا۔

"ہا، ہا، ہا---" نجم شاہ نے دوسری بار اونچے سروں میں قہقہہ لگایا۔

"شاہ جی! کچھ آپ بھی بولیں، ادھر تو سارے ترکش کے تیر خالی جا رہے ہیں۔" بٹ صاحب نے مایوسی سے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جی، جی، میں "دم مست قلندر مست مست" ہوں۔"

ہم اُن دونوں کی باتیں سن رہے اور سوچ رہے تھے کہ نجم شاہ صاحب سے کس طرح عرض معروض کریں گے، فوراً ہڑبڑاتے ہوئے کہا۔ دونوں صاحبان خوب ہنسے، نجانے ہماری بات پر یا ہماری ہڑبڑاہٹ پر، واللہ علم--- جب اُن کی ہنسی تھمی تو ہم نے ویسے ہی کہا۔

"بٹ صاحب! اپنے نجم شاہ صاحب بہت اچھے شاعر ہیں---"

بٹ صاحب نے خشمگیں نگاہوں سے پہلے تو ہمیں دیکھا، پھر کچھ سوچا اور نجم شاہ صاحب کے درپے ہو گئے کہ کچھ کلام ہم سخن ناشناسوں کے بھی گوش گزار ہو۔ پہلے تو نجم شاہ صاحب طرح دیتے رہے لیکن کب تک؟--- آخر میز کی دراز سے ڈاکٹر ہانیمن کے تجربات کی بھاری بھر کم جلد کے نیچے سے اپنی زندگی بھر کا سرمایہ یعنی بیاض نکالی اور "اجازت ہے" کہہ کر شروع ہو گئے۔ نجم شاہ صاحب مزاحیہ شاعری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے، انہوں نے اپنا مزاحیہ کلام ہی سنانا تھا۔ ہم اُن کے قہقہہ بار شعر پر جتنا ہنستے اور داد دیتے، بٹ صاحب اس سے دوگنا داد اس شعر پر دیتے جو پہلے سے ہلکا ہوتا۔ چاپلوسی کا لفظ ہم نے سنا اور دیکھا تو سینکڑوں مرتبہ تھا، بٹ صاحب کی داد کی بدولت اُس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا۔ پورے ایک گھنٹہ تک "ایک شاعر" کا مشاعرہ جاری رہا۔ نجم شاہ صاحب نے بیاض بند کی اور آنکھیں میں چمک بھر کر بولے۔

"کیوں، بٹ صاحب! کیسی لگی میری شاعری---؟"

"واہ، واہ، چشم بدور--- ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ گئے۔" بٹ صاحب نے مکھن پر مکھن لگاتے ہوئے آنکھیں بند کر کے جھوم جھوم کر کہا۔

"شکریہ، نوازش--- میری اصل مزاحیہ شاعری کی نوٹ بک تو گھر پڑی ہے۔ اگر کہیں تو منگوا لوں؟"

نجم شاہ صاحب نے کہا تو بٹ صاحب کا پنڈولم کی طرح چلتا وجود فوراً ساکت ہو گیا، بند آنکھیں فوراً کھل گئیں، تھوک نگلتے ہوئے بولے۔

"شاہ جی، اس سے بہتر ہے کہ میں کسی کار کے آگے آ کر اپنا ایکسڈنٹ کروا کر ریسکیو 1122 والوں کے ذریعے اپنے گھر گوجرانوالہ پہنچ جاؤں۔"

"جی، میں سمجھا نہیں---؟" نجم شاہ صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"شاہ جی! بٹ صاحب کا مطلب ہے، آپ کی شاعری اتنی

مزاحیہ ہے کہ ہنستے ہنستے حرکت قلب بھی بند ہو سکتی ہے۔ اس سے بہتر ہے، چند ضربات خفیف لگوا کر گھر کی راہ لوں کہ جان تو بچ جائے۔'' ہم نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

''اچھا--- میں سمجھا شاید---'' نجم شاہ صاحب نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''شاہ جی---!'' بٹ صاحب پکارتے۔

''جی---'' ہم اور نجم شاہ صاحب بیک وقت بولے۔

''ایک تو شاہ صاحبان کے ساتھ یہ بڑی پرابلم ہیں۔ چار سید بادشاہ کہیں دوسروں کی بدگوئیوں اور غیبتوں میں مصروف ہوں اور کوئی بندہ باہر سے آ کر پکارے ''شاہ جی'' تو یکا یک سب کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں؟''

''ہا، ہا، ہا---'' نجم شاہ صاحب نے تیسرا بلند بانگ قہقہہ لگایا۔

(نوٹ: نجم شاہ صاحب میں سے اُن کا سدا بہار قہقہہ نکال دیا جائے تو اُن میں سے خاصے بردبار اور سنجیدہ سے پیر برآمد ہو سکتے ہیں)

''جی، بٹ جی---؟'' ہم نے پوچھا۔

''اپنے شاہ صاحب سے چلنے کی اجازت لیں، واپس پہنچتے پہنچتے شام ہو جائے گی۔''

''ناں جی ناں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، آج رات غریب خانے پر گزاریں۔'' نجم شاہ صاحب بولے۔

''نہیں، شاہ جی! اب اجازت دیجئے۔'' بٹ صاحب نے کہا۔

''ہاں، شاہ جی! آج تیسرا دن ہے گھر سے نکلے ہوئے---'' ہم نے بھی عرض کی۔

''اچھا ٹھیک ہے---لیکن کھانا تو آپ کو ضرور کھانا پڑے گا۔''

لیگ پیس سے منہ ماری کرتے ہوئے بٹ صاحب شاہ صاحب سے مخاطب ہوئے۔

''شاہ جی! ہمارے ابا جی کا اصول تھا کہ کوئی مہمان گھر آ جاتا تو اس کی خوب خاطر تواضع کرتے اور تو اور جاتی دفعہ جانے کا کرایہ بھی ازراہ مہمان نوازی خود دیتے۔''

ہم نے اُمید بھری نظریں نجم شاہ صاحب کے چہرے پر گاڑ دیں کہ شاید انہیں کچھ خیال آ جائے اور ہمیں سوال کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ مرغے کی ''مرکنی'' ہڈی چباتے ہوئے بولے۔

''ہاں جی! اگلے وقتوں کے لوگ عزیز رشتہ داروں کے رفع شر کے لئے ایسا کرتے تھے، اتنی سی تدبیر سے ہی عزیز نما دشمنوں کے توپ جیسے دہانے والے منہ گولہ باری سے قاصر رہتے تھے کہ سارا بارود تو واپسی کرائے کی بدولت سیلا ہو کر چلنے سے قاصر ہو جاتا تھا۔''

آخری سلام و دعا اور معانقے کے وقت تک بٹ صاحب ہمیں کہنیوں سے ٹہوکے دیتے رہے لیکن ہماری زبان سے ایک حرف ادا نہ ہوا، بس انہیں یونہی دیکھتے رہے۔ پھر اک آہ بھری اور کلینک کے دروازے سے باہر آ گئے۔

''شاہ جی---!'' نجم شاہ صاحب نے ہمیں آواز دی۔

''جی---'' ہم نے مڑ کر کہا۔

''سرکار! آپ تو بھاگے ہی جا رہے ہیں--- یہ لیجئے، ایک ہزار روپیہ۔ راولپنڈی کے مشہور مٹھائی فروش بابا سویٹس کی دوکان راستے میں ہی پڑتی ہے، بچوں کے لئے مٹھائی لیتے جائیے۔ گھر جا کر جب آپ بتائیں گے کہ میں تمہارے تایا نجم شاہ سے مل کر آیا ہوں تو وہ کیا پوچھیں گے نہیں کہ تایا جی نے کچھ ہمارے لئے تحفہ بھی بھیجا---''

''نہیں، نہیں---''

ہم نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا مگر نجم شاہ جی نے زبردستی نوٹ ہماری جیب میں ڈال دیا، مسکرائے اور گلے سے لگا کر الوداع کہا۔

رات آٹھ بجے ہم گوجرانوالہ اڈے پر پہنچے۔ بٹ صاحب نے فوراً اپنے لئے رکشا کروایا، اس کا کرایہ ہم سے لیا اور رکشے میں سے ہی ہاتھ ہلاتے رخصت ہو گئے۔ ہم نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو فقط بیس روپے ہی بچے تھے کیونکہ راستے میں کرائے سے بچی رقم سے بٹ صاحب برگر اور بوتلیں اڑا چکے تھے۔ ہم نے ٹھنڈی آہ بھری، اپنی قسمت اور بٹ صاحب کو جی بھر کر صلواتیں سنائیں، کندھے پر بیگ لادا اور چاند گاڑی میں بیٹھ گئے جو دس روپے سواری لے کر منزل تک پہنچاتی تھی۔

''آہا، پاپا آ گئے---آہا، پاپا آ گئے۔''

گھر میں داخل ہوتے ہی بچوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ہم نے بیگ کندھے سے اُتار کر دور پھینکا اور بیزاری سے بستر پر دراز ہو گئے۔

''پاپا، میری گڑیا---؟'' بڑی بچی نے کہا۔

''پاپا، میری کار---؟'' چھوٹے بیٹے نے دہائی دی۔

''پاپا، میری چوچو---؟'' چھوٹی بیٹی توتلی زبان میں بولی۔

ہمیں ایکا ایکی پتہ نہیں کیا ہوا، تینوں کو دھنک کر رکھ دیا۔

''ہائے، ہائے--- بچوں کو کیوں پیٹ رہے ہیں، وہ تو لاڈ کر رہے ہیں؟'' بیگم بچوں کو چپ کرواتے ہوئے بولی۔

''کچھ نہیں، بس اُس تازہ خون کی گرمی ہے جو پچھلے تین دنوں میں ہماری رگوں میں دوڑنے لگا ہے۔'' ہم نے تمتماتے چہرے سے کہا۔

☆☆

نوید ظفر کیانی

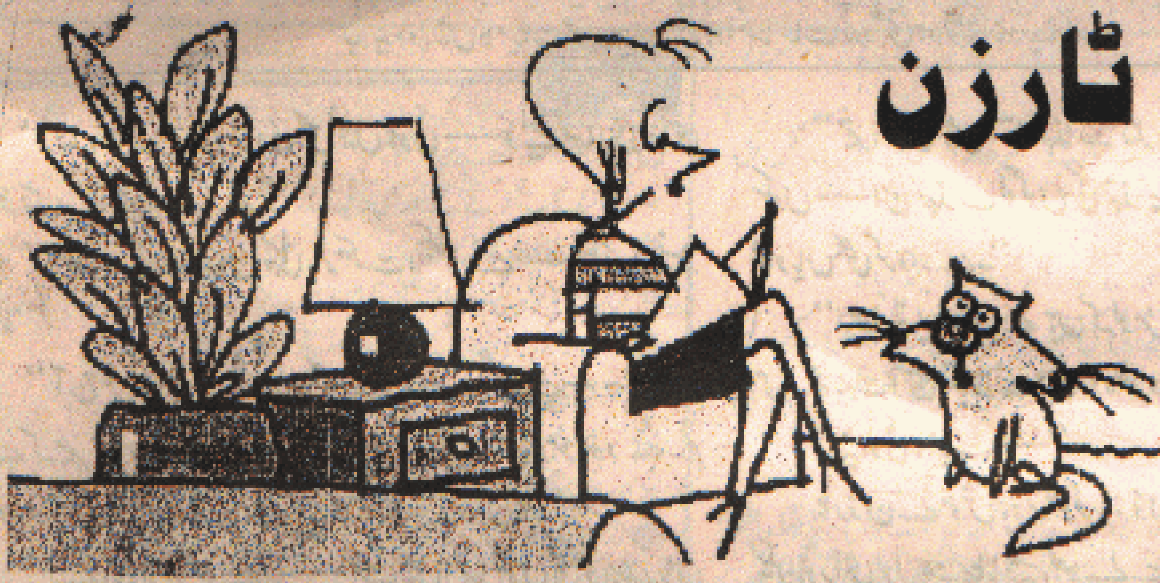

مائی ٹارزن

☆ زیڈ۔ایم

چند دنوں سے ٹارزن بہت خاموش اور اداس رہنے لگا تھا۔ ہر وقت یا تو ساحل سمندر پر بیٹھا آتی جاتی لہروں کو یوں گھورتا رہتا جیسے کسی جل پری کو ٹائم دے رکھا ہو یا کسی درخت سے ٹیک لگائے بندروں کی خرمستیاں دیکھتا رہتا۔ اگر کوئی بات بھی کرتا تو بس ''ہوں ہاں'' میں ٹرخا دیتا۔ ٹارزن کا سب سے چہیتا اور وفادار دوست بندر، للو بھی اس کی کیفیت کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹارزن خود ہی منہ سے کچھ پھوٹے گا لیکن ٹارزن نے بھی شاید کسی گونگے سے شرط لگا رکھی تھی۔ ایک دن للو ٹارزن کے لئے اس کا پسندیدہ پھل ''ٹینڈے'' لے کر آیا تو ٹارزن نے ٹینڈوں جیسا منہ بنا کر کھانے سے انکار کر دیا تو للو کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا کیونکہ ٹارزن نے ٹینڈوں سے کسی حالت میں بھی منہ نہیں موڑا تھا، چاہے وہ کوڑے کے ڈھیر پر ہی پڑے نظر نہ آ جائیں --- للو جھٹکے سے فارغ ہوا تو ٹارزن سے پوچھا۔

''ٹارزن بھیا! کیا بات ہے، اتنا چپ تو وہ لوگ نہیں رہتے جن کی داڑھ دکھ رہی ہو؟''

ٹارزن نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''تم نے کھانا پینا بھی کم کر دیا ہے --- کیا کسی ہرن سے دوڑ لگانے کا پروگرام ہے؟''

''نہیں ---'' ٹارزن نے کسی انجانی چیز کو گھورتے ہوئے منہ ہلایا۔

''تو کیا کسی محبوبہ نے بے وفائی کی ہے؟''

''اوہو للو! مجھے بور مت کرو۔'' ٹارزن نے بیزاری سے کہا۔

''تو پھر تمہارا کون مر گیا ہے، کچھ بھی تو چلے ---؟'' للو چلایا۔

''میں بہت پریشان ہوں، للو!''

''کس بات پر --- کیا اس نیکر کی وجہ سے جو دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے اور کسی کو سامنے دیکھ کر تمہیں ایک دو جگہوں پر ہاتھ بھی رکھنا پڑتا ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے، میرے پاس مسٹر رچرڈ کی دی ہوئی ایک اور نیکر بھی موجود ہے۔'' ٹارزن نے آنکھیں بند کر کے درخت سے ٹیک لگائی۔

رچرڈ کے نام پر للو چونکا۔ ''اچھا، وہی مسٹر رچرڈ جو تین ہفتہ قبل ہمارے ساحل پر اترے تھے اور جن کی وہ بے شرم بیٹی مارتھا ہر وقت یا تو ساحل سمندر پر قدرتی لباس میں پڑی رہتی یا پھر تم پر ڈورے ڈالتی رہتی تھی ---؟'' للو نے ناگواری سے منہ بنایا اور پھر پوچھا۔ ''کہیں تم اس جھینگر جیسی لڑکی نما چیز کے لئے تو اداس نہیں ہو؟''

''میں صرف اپنی تنہائی کی وجہ سے اداس ہوں ---'' ٹارزن سیدھا ہو گیا۔ ''اب دیکھو، نا کہنے کو تو میں اس قبیلے کا سردار ہوں۔ بڑے بڑے پنے خاں درندوں کو پھینٹی لگا سکتا ہوں، جو جانور سلام نہ کرے، اسے چھترول کر سکتا ہوں۔ ہر کام میری مرضی سے ہوتا ہے، جو چاہوں کروں لیکن ---''

''تھانیدار جیسے اختیارات تو تمہارے پاس ہیں، پھر رونا کس بات کا ہے؟'' للو نے ٹارزن کی بات کاٹی۔

''ابے، پوری بات تو سن لے --- اداس تو میں تب ہوتا ہوں جب ہر جانور کو اپنی ڈارلنگ سے چہلیں کرتے دیکھتا ہوں، خاص طور پر جب موسم بہار میں ہر کوئی اپنی دنیا میں مگن ہو جاتا ہے تو مجھے اپنی تنہائی اور اکیلے پن کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میرا بھی کوئی ساتھی ہو، میرا بھی گھر ہو۔''

ٹارزن کی آواز بھرا گئی۔ یوں لگا جیسے ابھی رونا شروع کر دے گا۔ للو کی آنکھیں بھی بھر آئیں جسے اس نے اپنی دم سے صاف کیا۔

''اداسی کی بڑی دردناک وجہ بتائی ہے تم نے --- میرا تو معدہ بوجھل ہو گیا ہے، شاید گیس ہو گئی ہے لیکن میرے جیتے جی تم اداس رہو کم از کم میرے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔''

''تو پھر کیا سوچ رہے ہو، ڈوب مرو۔''

''نہیں، ابھی میری شادی بھی نہیں ہوئی---ویسے تمہاری اداسی کا نسخہ میں نے تجویز کرلیا ہے۔''

''اچھا، ویسے بندروں پہلی بار حکمت دیکھی ہے---بتاؤ، کیا نسخہ ہے؟''

''آج کل کی حکمت تو ویسے بھی بندر بانٹ رہ گئی ہے---خیر نسخہ یہ ہے کہ میری برادری میں ایک سے بڑھ کر ایک حسینہ موجود ہے۔ تم اشارہ کرو، کل ہی تمہاری چوری چھپے ملاقات کروادوں گا۔''

''ابے، باولا ہوگیا ہے کیا---اب میں اچھا لگوں گا کسی بندریاں سے فلرٹ کرتے ہوئے۔ موصوفہ تو دم کے سہارے درخت سے لٹکی ہو اور میں نیچے کھڑا اس کے الٹے منہ کو دیکھ کر گانا گا رہا ہوں کہ ''مجھے جان سے بھی پیارا محبوب مل گیا ہے''---اور اگر کسی نے دیکھ لیا تو ساری بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی۔''

''تم تو یوں ہی گھبرا رہے ہو۔ اگر عزت اتنی ہی پیاری ہے تو دو بول پڑھا لینا، کوئی اعتراض بھی نہیں کرے گا۔ یقین کرو، چمپڑی آپا تمہیں اتنا پسند کرتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ ہر وقت تمہارا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ اس نے تو اپنے بیڈروم کی دیوار پر کوئلے سے تمہارا پورٹریٹ بھی بنایا ہوا ہے۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو---''

یہ کہتے ہوئے ٹارزن نے اس کی کمر پر دھول جمائی تو دھول جمائی تو دھول یوں اڑی کہ ہر سو گرد ہی گرد پھیل گئی۔ ٹارزن کھانسنے اور ہاتھوں سے دھول ہٹانے لگا۔

''کمبخت! کتنی مرتبہ سمجھایا کہ کہیں بیٹھنے سے پہلے دم پھیر لیا کرو۔ قدرت نے تمہیں یہ سہولت اسی لئے دی ہے لیکن تم اتنے لاپرواہ ہو کر ہفتہ ہفتہ بھر نہیں نہاتے---'' ٹارزن نے غصے سے پھر دھول جمانے کے لئے ہاتھ اٹھایا لیکن گرد کے اڑتے بادل دیکھ کر فیصلہ بدل لیا۔ ''چل، بھاگ اور اچھی طرح نہا کر آ ورنہ رات کو اپنے ساتھ نہیں سلاؤں گا۔''

شام کو دونوں جھونپڑی میں لیٹ گئے اور پھر وہی ذکر شروع ہو گیا۔

''ہاں، تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟'' للو نے ٹارزن سے پوچھا۔

''دیکھو، غیر فطری باتیں نہیں کرنی چاہیے۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ کسی عورت سے شادی کرلو تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟''

''میں فوراً شادی کرلوں گا---'' للو چہکا۔ ''مسٹر رچرڈ کہہ تو رہے تھے کہ ہمارے مہذب ملکوں میں لوگ انسانوں کی بجائے بندروں، کتوں، بلیوں اور دوسرے جانوروں سے بہت محبت کرتے ہیں حتیٰ کہ انہیں انسانوں سے زیادہ آرام اور سہولت میسر ہے۔''

''خیر، ابھی میں اتنا مہذب نہیں ہوا کہ کسی بندریا سے محبت کر سکوں---ان مہذب لوگوں کی تہذیب اور شائستگی تو شاید باقاعدہ شادیاں بھی کروادے۔''

''اچھا، تو یوں کرتے ہیں کہ لومڑی خالہ سے بات کرتے ہیں۔ اس کے بہت وسیع تعلقات ہیں، وہ ضرور کچھ کرے گی۔''

''یہ ہوئی نا! بات---''

ٹارزن نے خوش ہو کر للو کو بازوؤں میں اٹھایا اور اس کا منہ چوم لیا لیکن فوراً ہی یوں منہ بنایا جیسے بھولے سے کموڈ چوم لیا ہو۔

''اوں ہوں---کیا بیہودگی ہے۔ تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ سونے سے پہلے برش کر ضرور کرلیا کرو۔ کتنی بدبو آرہی ہے تمہارے منہ سے صاف پتہ چلتا رہا کہ صبح بھنڈیوں کا ناشتہ کیا تھا۔''

للو کا چہرہ لٹک گیا۔

''---اور یہ منہ دیکھا ہے اپنا، کل کے کھائے ہوئے کیلوں کے باقیات ابھی تک تمہاری ناک پر لگی ہوئی ہیں۔''

''اکیلے تو میں نے پرسوں کھائے تھے---'' للو نے مری مری آواز میں کہا۔

''شرم کرو شرم---دوپہر کو بھی تمہیں نہانے کے لئے کہا تھا۔ جب سے تم نے اس ریچھ کے ساتھ پھرنا شروع کیا ہے، ہر وقت گندے رہنے لگے ہو۔ آئندہ اس کے ساتھ نظر آئے تو ٹانگیں توڑ دوں گا---چلو جاؤ اور اچھی طرح نہا کر آؤ ورنہ جھونپڑی میں نہیں سونے دوں گا۔''

للو سر جھکائے اٹھا اور جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ اس کا منہ بتا رہا تھا کہ ابھی رونا شروع کردے گا۔ ٹارزن نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی اور آنکھیں بند کرلیں۔

اگلے دن للو لومڑی کے بھٹ پہنچا۔

''سلام، پھوپھو---!'' للو نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے، للو بیٹا آیا ہے---آؤ، خیریت تو ہے؟''

''آپ کو تو پتہ ہے، پھوپھو! کہ ٹارزن بھیا ان دنوں بڑے خاموش رہنے لگے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی شادی کردی جائے۔''

''ہاں، یہ بات تو ٹھیک ہے۔''

''اب ہم میں آپ ہی بزرگ اور سمجھدار ہیں۔''

''اچھا، اچھا میں سمجھ گئی---تم فکر مت کرو، میں آج ہی دیکھتی ہوں۔ پچھلے دنوں کٹاشن قبیلہ کی سردارنی نے بھی اپنے رشتہ کے لئے ذکر کیا تھا۔''

''اب چلتا ہوں---آپ نے جلدی یہ کام کرنا ہے۔'' للو کھڑا ہو

"ارے، بیٹھو نا! میں تمہارے لئے "مروڑا" لاتی ہوں۔کل ہی بنایا ہے۔"

لومڑی نے للو کو بٹھاتے ہوئے کہا۔للو بھی فوراً بیٹھ گیا۔

شام تک یہ خبر جنگل میں برائی کی طرح پھیل گئی کہ ٹارزن کے لئے رشتہ ڈھونڈا جا رہا ہے۔کئی جانوروں نے اشارتاً ذکر بھی کیا لیکن ٹارزن نے شائستگی سے ٹال دیا۔

ایک دن ٹارزن اپنے ساتھیوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا۔للو عبدالقادر کے انداز میں بڑی شاندار لیگ بریک باؤلنگ کروا رہا تھا جسے کھیلنے میں ٹارزن کو بڑی دشواری ہو رہی تھی۔للو کی گیند آف سٹمپ پر پڑنے کے بعد تیزی سے اندر کی جانب آئی اور وکٹوں کو تقریباً چھوتی ہوئی گزر گئی جسے وکٹوں کے پیچھے کھڑے لومڑنے چابکدستی سے قابو کیا۔

ٹارزن نے پریشانی سے اس جگہ کو دیکھا جہاں گیند پڑنے کے بعد غائب ہو گئی تھی اور دوبارہ عمران خان کے انداز میں بیٹ کے نام پر بنائے گئے تھاپے کو گھمایا' کندھے ہلائے اور دوبارہ کھیلنے لگا لیکن اگلی چند گیندیں نہ جانے کدھر چلی گئیں۔آخر ایک گیند خود ہی تھاپے کو لگنے کے بعد ایک طرف لڑھک گئی تو ٹارزن یوں بھاگ کر دوسرے اینڈ پر پہنچا جیسے پاگل کتے سے جان چھڑا کر آیا ہو۔بھالو کو سامنے دیکھ کر للو نے فیلڈ میں تبدیلی کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ بھالو نے ڈیوڈ بون کے انداز میں للو کی وہ پٹائی کی کہ موصوف نے خود ہی اوور ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔

ہرن کو باؤلنگ کا کہا تو اس نے مسل پل ہونے کا بہانا لگا دیا۔چیتے نے بھی کمر درد کا کہہ کر جان چھڑائی کیونکہ بھالو بہت اچھا بیٹسمین تھا اور ہر باؤلر کی یوں پٹائی کرتا جیسے دھوبی کپڑوں کی۔ڈیپ فائن لیگ پر کھڑے چوہے نے یہ صورت حال دیکھی تو اس کا میٹر گھوم گیا۔

"لاؤ، گیند مجھے دو۔دیکھتا ہوں کہ یہ کیسے کھیلتا ہے۔ایسا باؤنسر دوں گا کہ منہ اڑ جائے گا۔"

اس نے غصے سے گیند چمکاتے ہوئے کہا اور فاسٹ باؤلنگ کے لئے سٹارٹ لینا شروع کیا تو باؤنڈری سے باہر چلا گیا۔

"میری مانو تو ہیلمٹ منگوا لو، آج تو رچرڈ ہیڈلی خاصے جارحانہ موڈ میں ہے۔ایسا نہ ہو کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے ان فٹ کر دے۔" سلپ میں کھڑے گیدڑ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بے فکر رہو، وہ گیند پھینکنے سے پہلے ضرور نیچے آ جائے گا۔" بھالو نے تھاپا ہوا میں گھماتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ بھالو واقعی چوہے کا باؤنسر کھا کر فوت ہو جاتا'

شغل + مشغل

✿ "بہت خوبصورت ہے میرا صنم"

☆ کبھی میک اپ اترنے کے بعد بھی دیکھ لینا۔

✿ "سانوں وی لے چل نال وے"

☆ کرایہ اگر پاس ہے تو آ جاؤ' ہمیں کیا اعتراض ہے۔

✿ "اب کے بار پھولوں کے موسم میں جب تو آئے گا ملنے"

☆ پھول سمیت گملا تمہارے سر پہ ماروں گی۔

✿ "پیار ہوتا ہے دیوانہ صنم"

☆ اور جب چھتر پڑتے ہیں تو ساری دیوانگی جاتی رہتی ہے۔

✿ "اگر تیری جلوہ نمائی نہ ہوتی"

☆ تو ہماری یہ تباہی نہ ہوتی۔

✿ "یہ بے قراری کیوں ہو رہی ہے"

☆ جس چارپائی پہ لیٹے ہو اس میں کھٹمل ہیں اس لیے۔

✿ "دور ہو کر تم نہیں ایک پل بھی"

☆ اور کام دو گولی ڈسپرین۔

✿ "آ جا نا جاناں!"

☆ کرایے کے پیسے تمہارا ابا دے گا؟

✿ "چاند سا مکھڑا ہے"

☆ یہ سارا بیوٹی پارلر کا کمال ہے۔

✿ "اگر تم مل جاؤ"

☆ آنے کی بات کر رہے ہو نا بڑی مشکل سے جان چھوٹی ہے۔

✿ "آنکھوں کو ہے دیدۂ آنکھوں کے آس پاس"

☆ تم نے آنکھوں میں سرمہ ڈالنا ہے کیا؟

✿ "ہم کو تم سے ہو گیا ہے پیار کیا کریں"

☆ ڈوب مرو۔

✿ "لال لال ہونٹوں پہ تیرا ہی نام ہے"

☆ لال لال لپ سٹک کا کمال ہے۔

✿ "آنکھ برسی ہے تیرے نام پہ ساون کی طرح"

☆ آنکھ میں دوا سے پانی کا ٹپکنا تو نہیں لگوایا؟

✿ "کدی آ مل وے"

☆ مگر تمہاری گلی کا کتا تو باولا ہے۔

✿ "تم گئے غم نہیں"

☆ اور جو مل گیا ہے۔

✿ "ذرا سامنے تو آؤ"

☆ جی! وہ نہا رہا ہے۔

✿ "میں نہ بھولوں گا"

☆ چھتر جو اس قدر پڑے ہیں۔

✿ "تیرے مکھڑے تے کالا کالا تل وے"

☆ تمہاری غلط فہمی ہے' اس کے منہ پر تو مکھی بیٹھی ہوئی ہے۔

✿ "پیار بھی کرتا ہے کم"

☆ یہ تو تمہاری جیب پر منحصر ہے۔

✿ "پتہ میرے نال دیا کرے"

☆ مگر تمہاری حنیف تو بیمار جان سے ملتی ہے۔

محمد صابر مغل عبدوپوری

نوید ظفر کیانی

جنگل کی طرف سے لومڑی بھاگتی ہوئی آئی۔

"ٹارزن! جلدی سے میرے ہاں پہنچو، ایک ضروری کام ہے۔"

"خالہ! خیریت تو ہے؟" ٹارزن نے قریب آکر پوچھا۔

"میں نے بونگ ڈونگ قبیلہ کی ایک لڑکی دیکھی ہے، تمہارے لئے وہ خود تمہارا انٹرویو کرنے میرے بھٹ آئی ہوئی ہے۔ تم جا کر اس سے مل لو۔"

"میں نیکر تبدیل کر کے ابھی جاتا ہوں۔"

ٹارزن نے للو کو آواز دی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اتنے میں لومڑی کی نظر اپنے شوہر پر پڑی جو بیگم صاحبہ کی نظروں سے بچنے کے لئے بھالو کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ارے، تم یہاں ہو، میں نے تو تمہیں بھٹ کی صفائی کرنے کو کہا تھا--- بڑے ہڈحرام ہو تم، چلو میرے ساتھ---"

لومڑی نے اپنے سرتاج کی کمر پر لات رسید کی۔ لومڑ نے دم دبائی، سر جھکایا اور اپنی مسز کے پیچھے پیچھے چل گئے۔

ٹارزن ہاتھ منہ دھو کر لومڑی کے ہاں پہنچا تو وہ بھٹ کے قریب بیٹھی اپنے میاں سے ٹانگیں دبوا رہی تھی۔

"وہ اندر بیٹھی ہے۔ جاؤ، جا کر باتیں کرو"۔ لومڑی نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

ٹارزن نے للو کو کندھوں سے نیچے اتارا، ہاتھ سے بال درست کئے اور نیچے کھسکتی نیکر کو اوپر کرتا ہوا اندر گیا۔ للو بھی پیچھے پیچھے تھا۔

پہلے تو اندھیرے کے باعث دونوں کو کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک کونے سے چمک سی دکھائی دی۔ پھر تربوز جیسی ایک چمکدار ٹنڈ نظر آئی۔ ٹنڈ سے نظریں پھسلیں تو جو کچھ نظر آیا، اسے دیکھ کر للو کی چیخیں نکل گئیں۔ اس نے ٹارزن پر چھلانگ لگائی اور بن بادل برسات شروع کر دی۔ ٹارزن کی گھگھی بھی بندھ گئی اور ٹانگیں عالم لوہار کے چمٹے کی طرح بجنے لگیں۔ سامنے جو کچھ تھا، اگر اسے خوفناک سے خوفناک چڑیل بھی دیکھ لیتی تو مارے ڈر کے مرگی کا شکار ہو جاتی۔ تازی پالش شدہ ٹنڈ، ہاتھی سائز کے کان اور ان میں لٹکتی انسانی ہڈیاں۔ دریائی گھوڑے جیسا منہ، ڈیڑھ مرلے میں پھیلے ہوئے ہونٹ، رنگت ایسی کہ کوا بھی دیکھ کر خود کو انگریز سمجھے۔ اوپر سے مختلف رنگ سے جیومٹری اور تجریدی آرٹ کی پریکٹس کی گئی تھی--- اس چیز نے جب ٹارزن اور للو کی یہ حالت دیکھی تو اسے اپنے حسن کی کرشمہ سازی سمجھا اور کمر کے گرد لپٹے پتے کا کونہ منہ میں دبا لیا اور شرمانے لگی لیکن جیسے ہی محسوس ہوا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں تو فوراً اپنا سرسبز پلو چھوڑا اور مسکرانے لگی۔ یوں لگا جیسے کالے سیاہ بادلوں میں بجلی چمکی ہو۔ للو کو شاید دندل پڑ گئی تھی کیونکہ وہ منہ سے کچھ کہنے کی بجائے "رم جھم رم جھم" پڑے پھوار کے ذریعے اپنے احساسات کا اظہار کر رہا تھا۔

"آپ کون ہیں---؟" ٹارزن نے گھبراہٹ سے دیوار تھامتے ہوئے کہا۔

"مجھے چکی چکی کہتے ہیں--- میں نے آپ کی بہت تعریفیں سنی ہیں--- ویسے میرا خیال ہے، ہماری جوڑی بہت اچھی رہے گی۔"

ٹارزن بولا۔ "آپ کی خوبصورتی دیکھ کر میں تو احساس کمتری کا شکار ہو گیا ہوں۔ آپ اکیلی ہی دافع بلیات کے لئے نہایت موزوں ہیں۔"

"پچھلے دنوں میں اپنے قبیلہ کی ملکہ حسن منتخب ہوئی ہوں۔" موصوفہ اٹھلائی۔

"غالباً نابینا جج صاحبان نے منتخب کیا ہوگا۔" ٹارزن بڑبڑایا۔

"اجی، ہمیں دیکھ کر تو قبیلہ کے جوان کیا، بوڑھے بھی رک جاتے ہیں۔"

"ان کی روح قبض ہو جاتی ہوگی---"

ٹارزن دروازہ کی طرف کھسکا۔ للو نے آنکھ بچائی اور چپکے سے باہر کھسک گیا۔

"تو پھر آپ کا کیا خیال ہے؟"

موصوفہ نے پیش قدمی کی تو ٹارزن کی ٹانگیں جلترنگ بجانے لگیں۔

"نہایت نیک خیال ہے، میں جاتے ہی کسی ناگ کو--- میرا مطلب ہے، کسی بزرگ کو بھیجتا ہوں۔"

ٹارزن نے باہر چھلانگ لگائی اور یوں بھاگا جیسے ڈاکو کو دیکھ کر پولیس بھاگتی ہے۔ لومڑی نے بتیری آوازیں دیں لیکن ٹارزن نے ایک نہ سنی۔

کافی دور جا کر اس نے اپنی بریکوں پر پاؤں رکھا۔ ماتھے سے پسینہ پونچھا اور للو کو آوازیں دینے لگا۔ کافی دیر تلاش کرنے کے باوجود للو نہ ملا تو ٹارزن کو تشویش ہونے لگی کہ کہیں اسے مرگی کا دورہ پڑ گیا ہو کیونکہ اگر للو خواب میں بھی ڈر جاتا تو اسے مرگی کا دورہ پڑ جاتا اور آج تو حقیقتاً اس نے بہت بھیانک سین دیکھا تھا۔ ٹارزن نے جھاڑیوں اور درختوں میں نظریں اور ٹانگیں گھمانا شروع کر دیں، معاً اسے ایک جھاڑی کی اوٹ سے سرگوشیاں سنائی دیں۔ ٹارزن دبے پاؤں آگے بڑھا اور چپکے سے

نوید ظفر کیانی

جھاڑی ہٹا کر دیکھا تو للو جھاڑیوں کے پیچھے ایک بندریا کا ہاتھ پکڑے اسے بڑے رومانٹک الفاظ میں چکر دے رہا تھا۔

''میں تمہیں بہت یاد کرتا ہوں، چھلبری---!''

''چل جھوٹا کہیں کا---''

بندریا نے بڑی ادا سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور دائیں بائیں ہلتے ہوئے اپنی دم مروڑنے لگی۔

''تمہارے سر کی قسم، چھلبری! اب تو تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں گزرتا، رات بھی تمہارے خواب دیکھنے میں گزر جاتی ہے۔''

''تین تین دن صورت دکھاتے نہیں اور اب چونچلے دکھا رہے ہو---؟'' موصوفہ نے للو کے بازو پر رینگتی ایک جوں پکڑ کر منہ میں پھینکتے ہوئے کہا۔

''میں تو کل بھی تمہارے لئے چنوں کا پیکٹ لے کر ملنے آیا تھا لیکن تم آئی نہیں۔''

''کل سارا دن درخت کی صفائی کرتی رہی تھی۔ یقین کرو، ایک لمحہ بھی فرصت نہیں ملی ورنہ میں خود بھی---'' چھلبری نے شرما کر گردن جھکالی۔

''اب تو جلدی تمہارے باوا سے بات کرنا پڑے گی۔''

للو نے اسے چھیڑا اور بانہیں پھیلائے اس کی جانب بڑھا لیکن تارزن کی آمد اور کھنکار نے آنیوالے لمحات کا بیڑہ غرق کر دیا۔

''کیا ہو رہا ہے، بھئی---؟'' تارزن نے دونوں کو گھورا۔

''کک---کچھ نہیں۔ یہ---چھلبری ہے۔ وہ---''

للو گھبرا گیا، ایسے موقع پر بڑے بڑے پھنے خان، بکری ہو جاتے ہیں۔

''اچھا، اچھا---میں نے سب سن لیا ہے۔''

تارزن نے چھلبری کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ شرمانے لگی اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''اس احمق نے بتایا ہی نہیں---خیر، میں جلدی تمہارے باوا سے ملوں گا۔ شام ہو رہی ہے، اب تم جاؤ---شاباش، دھیان سے جانا۔''

چھلبری نے آداب کیا۔ دم لہرائی، خوشی سے چہچہاتی اور درخت پھلانگتی نظروں سے غائب ہو گئی۔

''کیوں، بے للو کے بچے---!'' تارزن نے اس کا کان پکڑ کر مروڑا۔ ''چپکے چپکے بندریا پھنسائی اور ہوا بھی نہ لگنے دی؟''

''یہ بندریا ہے، کوئی پنکھا نہیں کہ ہوا لگواتا---ویسے ہے کیسی، کم از کم تمہاری اس---'' للو مسکرایا۔

''تمہارے ہاں کا معیارِ حسن میں اچھی طرح جانتا ہوں---پسے اگر تمہیں پسند ہے تو سب ٹھیک ہے۔'' تارزن نے کہا۔

''میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہوں گا، بھیا---!'' للو تارزن سے لپٹ گیا۔

''بندر ہی رہو، مجنوں بننے کی ضرورت نہیں---سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

☆☆

اگلی صبح تارزن اور للو مارننگ واک کر رہے تھے۔ للو بتا رہا تھا کہ کیسے درختوں پر چھلانگیں لگاتے ہیں۔ وہ ایک دم ایک دوسرے کے سامنے آگئے تھے اور پھر باقی مرحلے کیسے آسانی سے طے ہو گئے۔

باتیں کرتے کرتے وہ ساحل سمندر پر چلے آئے۔ دیکھا تو سمندر میں ایک جہاز لنگر انداز ہے اور کچھ لوگ ساحل پر سامان اتار رہے ہیں۔

''لو، اب پھر کوئی آن ٹپکا ہے---'' للو نے منہ بنایا۔ ''پتہ نہیں کون احمق گھر بیٹھے تمہارے متعلق من گھڑت داستانیں لکھ کر لوگوں کو بیوقوف بناتا رہتا ہے اور اوپر سے پڑھنے والے بھی منہ اٹھائے چلے آتے ہیں۔''

''چلو اسی بہانے چند دن رونق لگ جاتی ہے---''

تارزن نے جواب دیا۔ ان میں سے ایک آدمی تارزن کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتا ہوا بڑھا۔ موصوف کا منہ جھاڑ جھنکار سے بڑی بری طرح بھرا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پتھر کے زمانے کا کوئی منہ ہو---نووارد قریب آیا۔

''آپ غالباً تارزن ہیں؟'' بالوں کے ڈھیر کے پیچھے سے آواز نکلی۔

''غالباً نہیں، یقیناً تارزن ہیں۔'' للو نے کہا۔

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی---مجھے بش کہتے ہیں۔'' موصوف نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''آپ کا تعارف تو منہ پر نظر آ رہا ہے۔'' تارزن نے مصافحہ کیا۔

بش نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی تو ایک ننھا سا آدمی اور لڑکی ان کی طرف آئی۔

''ہم لوگ صرف آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ میری دوست ہے روزی---!''

قدرے قبول صورت لڑکی نے ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنتے ہوئے ہاتھ ملایا۔

''میں آپ کی زبردست مداح ہوں---ویسے آپ کچھ کمزور رنگ

نوید ظفر کیانی

رہے ہیں۔"

"چند دنوں سے پیٹ خراب ہے، شاید اس لئے کمزور لگ رہا ہوں۔"

"---اور یہ ہیں مسٹر مارون، پروفیسر بھی ہیں اور ڈارون کے قریبی رشتہ دار بھی۔ آجکل ان کی تھیوری پر ریسرچ بھی کر رہے ہیں---" بش نے بالکل انکل سرگم جیسے صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بھی اسی ضد پر تلے ہوئے ہیں کہ ہمارے بزرگ بندروں میں سے تھے۔"

"ہائے، ٹارزن! تم سے مل کر مجھے اپنی تھیوری بہتر بنانے میں کافی مدد ملے گی---" یہ کہتے ہوئے موصوف نے للو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "تم جدید انسان اور بندروں کے باہمی تعلق کی ناقابل تردید کڑی ہو۔" پروفیسر خوشی سے چہکا جیسے اپنے دادا حضور کو دیکھ لیا ہو۔

"اوہو، پروفیسر! یہ ٹارزن کا بندر ہے، مسٹر ٹارزن تو ادھر ہیں---" بش نے تصحیح کی۔ "اب ہر بندر کو دیکھ کر اپنا بزرگ ثابت کرنے پر نہ تل جایا کرو۔"

"اوہ، اچھا اچھا--- جی، معاف کرنا پہچاننے میں غلطی ہو گئی۔ چشمہ نہیں لگایا نا! اس لئے---" پروفیسر نے اپنی ٹنڈ پر ہاتھ پھیرا۔

"یہ تو بڑی سنگین غلطی ہے، پروفیسر مارون! اس طرح تو تم بغیر چشمے کے کسی کی بیوی کو بھی اپنی بیوی کہہ دیتے ہوگے۔" ٹارزن ہنسا۔

"ہا، ہا، ہا--- اکثر ہو جاتا ہے یہ بھی---" پروفیسر نے فخر سے کہا۔

"یہ للو ہے، میرا کزن---!" ٹارزن نے للو کی دم پر ہاتھ پھیرا۔

"ہاؤ سویٹ---" روزی نے ہلکی سی مصنوعی چیخ کے ساتھ للو کے گال تھپتھپائے۔

"آہا، دیکھا ڈارون کے نظریہ جدامجد کی ایک اور کڑی---!"

"یہ اتفاق کی کڑی ہے، نظریہ کی نہیں۔ وہ اس طرح کہ میں نے للو کی دادی اماں کا دودھ پیا تھا۔"

"اچھا، اچھا--- خیر، ہم آپ کے لئے تحائف لائے ہیں۔"

"ٹارزن کے لئے بیلٹس اور شیونگ ریزر ہوں گے اور میرے لئے پھلیاں---" چھوٹو للو نے منہ بنایا۔

"ارے، تمہیں کیسے پتہ چلا ہے؟" روزی نے حیرت سے پوچھا۔

"جو بھی ٹارزن سے ملنے آتا ہے، یہی کچھ لے کر آتا ہے حالانکہ مسٹر بش کو نائی کی مستقل ضرورت ہے۔ … بھی ساتھ لانا چاہئے تھا۔"

پروفیسر قریبی درختوں کا یوں جائزہ لینے لگا جیسے اپنے آباؤ اجداد کے باقیات ڈھونڈ رہا ہے۔ مسٹر بش نے اپنے منہ جیسی جھاڑیوں کے قریب خیمہ لگانا شروع کر دیا اور روزی بڑی قابل سحر انگڑائی لے کر ٹارزن کے قریب بیٹھ گئی۔

"مجھے تمہاری فلمیں اور کارنامے بہت پسند ہیں، مسٹر ٹارزن---!"

"لیکن میں نے تو آج تک ایسی کوئی حرکت نہیں کی؟"

"میں نے سنا ہے کہ آپ لوگ ہم جیسوں کو تو سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں کا احساس ہی نہیں کرتے۔" للو بھی قریب ہو گیا۔

"ہاں، یہ تو ہے--- کتے، بلیاں، بندر اور نہ جانے کیا کچھ ہم نے پال اور سنبھال رکھا ہے۔ اپنے سے زیادہ اچھا کھلاتے ہیں، اولاد سے زیادہ پیار دیتے ہیں۔ دوسری طرف قحط، بیماری اور جنگ کے ستائے ہوؤں کے لئے سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے۔"

"سنا ہے، مجھ سے ملتے جلتے ایک شخص نے میرے جیسی حرکتیں اور چند گانے دکھا کر کروڑوں کو احمق بنایا ہوا تھا۔"

"ہاں، وہ مائیکل جیکسن تھا--- خواتین تو اس کے پاؤں دھو کر پیتی ہیں۔"

"کیا وہ بہت پہنچا بزرگ ہے؟" ٹارزن نے حیرت سے پوچھا۔

"بس مرگی اور پاگل پن کی علامتوں کو اچھی طرح دکھا دیتا ہے ورنہ---"

"ہاں، اپنی اپنی قسمت ہے ورنہ ہے تو مجھ جیسا ہی---" للو نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"بس دم کا فرق ہے ورنہ تم بھی اس کی جگہ یہ حرکتیں کر سکتے ہو۔"

ویسے میں نے سنا ہے کہ بروک شیلڈ بہت خوبصورت اور نیک پروین ہے؟" للو کی آنکھیں چمکیں۔

"ہاں، خوبصورت تو ہے لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"کیا آپ میری اس سے دوستی کروا سکتی ہیں؟" للو نے اور قریب آتے ہوئے التجا کی۔

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ممکن ہے، اب تک اسے تم سے بہتر کوئی اور نظر نہ آیا ہو اور تمہارا کام بن جائے۔" مس روزی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوشش کر دیکھو---"

"بس تو آپ واپس جاتے ہوئے میری تصویر اور ایڈریس لے جائیے گا اور پلیز، سفارش بھی کر دیجئے گا---" للو نے بڑی یتیم صورت

نوید ظفر کیانی

بتائی۔

''زیادہ اونچا مت اڑو، للو! ایک تو تمہارے پر بھی نہیں اور دوسرے خلا میں دم اٹکانے کو بھی کچھ نہیں ملے گا ورنہ میں چھلمری سے تمہاری شکایت کردوں گا۔'' ٹارزن نے گھورا۔

''ارے، اگر بروک شیلڈ مل جائے تو ہزاروں چھلمریاں صدقہ خیرات میں دے دوں۔'' للو نے سینے پر ہاتھ مارا۔

''کیک کے چکر میں روٹی سے بھی جاؤ گے---میں مر گیا ہوں کیا جو تمہیں پسند کرے گی؟''

''قسمت اور عورت کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کب مہربان ہو جائے۔ پھر مجھ میں کیا کمی ہے۔ جواں ہوں، سمارٹ ہوں اور خوبصورت بھی کم نہیں ہوں۔''

للو نے باچھیں، کانوں تک پھیلائیں اور زور زور سے ''کھوں کھوں، چیچوں، چیچوں'' کی اور درخت پھیلانگتا بھاگ گیا۔

☆☆

دن گزرتے رہے۔ بس سارا دن کیمرہ لئے جانوروں اور جنگل کی تصویریں بناتا رہتا۔ مسٹر مارون بھی ریسرچ کے بہانے جانوروں کے خلوت کدوں میں تاک جھانک کرتا رہتا۔ جانور بھی ٹارزن کا مہمان سمجھ کر نظر انداز کرتے رہتے ورنہ اب تک مسٹر مارون ہضم بھی ہو چکا ہوتا۔ مس روزی سارا دن ٹارزن کے ساتھ جنگل میں گھومتی اور اسے مہذب دنیا کے سبز خواب دکھاتی رہتی۔

''میرے ساتھ چلو، پھر دیکھنا تمہاری کیسی پذیرائی ہوتی ہے۔ اخبارات تمہارے بیان اور تصویریں شائع کریں گے۔ ٹی وی پر تمہارے انٹرویو نشر ہوں گے، فلم والے تمہیں اپنی فلموں کے لئے منہ مانگے معاوضے دیں گے۔ لوگ تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لئے شہر بھر کی ٹریفک جام کردیں گے، وغیرہ وغیرہ---''

ایسی رنگین باتیں سن کر ٹارزن بھی تذبذب کا شکار ہو جاتا اور تصور ہی تصور میں اخباری نمائندوں کے ہجوم میں گھرا، سوالوں کے جواب دے رہا ہوتا لیکن للو کو ٹارزن اور مس روزی کا اکٹھے رہنا ناگوار گزرتا۔ اس نے اشارۃً ناگواری کا اظہار بھی کیا لیکن ٹارزن بھی مس روزی کی خوشبو میں مسحور ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ ٹارزن بھی سنجیدگی سے نقل مکانی کے بارے میں سوچنے لگا اور اکثر گنگنانے لگا---

''چھوڑ چلے، لو چھوڑ چلے، لو جنگل تمہارا چھوڑ چلے۔''

ایک دن، روزی اور ٹارزن بیٹھے ایک انگلش رنگین رسالے کی تصویروں کو دیکھ رہے تھے۔ تصویروں میں نیلے رنگ کی زیادتی کے باعث ٹارزن کی نظریں اور دماغ بھی نیلگوں ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے بمشکل اپنی آنکھوں کے سامنے چمکتے نیلے تارے اور ماتھے کا پسینہ صاف کیا۔

''تم کہتی ہو کہ ہم لوگوں نے ہر شعبہ میں زبردست ترقی کی ہے لیکن لگتا ہے کہ ٹیکسٹائل انڈسٹری شدید مشکلات کا شکار ہے---اب دیکھو نا، ان تصویریوں میں---''

روزی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ارے، یہ کپڑے کی قلت نہیں بلکہ فیشن اور سٹیٹس کا حصہ ہے۔''

نوید ظفر کیانی

ٹاپ سیکرٹ

☆ بیوی کو رام کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ اپنی زبان بند رکھیں اور جیبیں کھلی---علیزہ ساحل

○ اور کانوں کے بارے میں کیا مشورہ ہے آپ کا؟

☆ ''میں تین جھوٹ فی منٹ کے حساب سے باتیں کرسکتی ہوں۔'' (ایک لڑکی)---ٹارزن

○ اوہ، پھر تو وہ دنیا کی سب سے سچی خاتون ہوں گی نا!

☆ پیار کے لئے چار پل کم نہیں ہوتے، اگر بندہ ساتھ ہو تو---رمضان ساگر

○ ہاں---اور اس ''جرم'' کی سزا بے چارے کو پورا مہینہ کاٹنی پڑتی ہے

☆ شیطان بے کار لوگوں کے سواسب کو اکساتا ہے اور بے کار لوگ شیطان کو اکساتے ہیں---ظفر ندیم وہرہ

○ بھائی! قول کچھ یوں ہونا چاہیے کہ شیطان بے کار مردوں کو اکساتا ہے اور بے کار لوگ شیطان کو اکساتے ہیں۔

☆ ''توبہ توبہ! کل تو میری غائب دماغی کی انتہا ہوگئی۔ میں سیکرٹری کی بجائے اپنی بیوی کو وزٹ کروانے لے گیا'' (ایک مرد)---پرنس مغل

○ ہاں جی، کھانے کے بعد جب بیوی نے ناشکری کے کلمات ادا فرمائے تو اسے پتہ چلا کہ غلطی ہوگئی۔

☆ وہ دوسری نگاہ میں ہی اس لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ پہلی بار اسے خبر ہی نہ تھی کہ وہ اتنی امیر ہے---پرنس مغل

○ بالکل غلط---لڑکے لڑکیوں کی امارت نہیں، خوبصورتی دیکھتے ہیں۔

☆ مرد بولتے بہت ہیں اور سوچتے کم---علیزہ ساحل

○ اور عورتیں تو صرف بولتی ہی ہیں نان سٹاپ، انہیں سوچنے کا تو وقت بھی نہیں ملتا۔ ہے۔ نا!

☆ مردوں کی مظلومیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی روزانہ دفتر سے جلدی گھر آجاتا ہے---پرنس مغل

○ اور گھر آکر باقی پورا وقت بیوی سے بے عزتی کرواتا رہتا ہے۔

☆ مرد عورتوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں مگر اپنی ذہانت کا استعمال صحیح کاموں کی بجائے غلط کاموں میں کرتے ہیں---علیزہ ساحل

○ محترمہ سارے اچھے کام مردوں کے مرہون منت ہیں۔ عورتیں صحیح یا غلط تو ایک طرف، کوئی کام کرتی ہی نہیں۔

سید ممتاز علی بخاری

جب تم بھی اس لیول کی سوسائٹی میں آؤ گے تو اس روٹین کا حصہ بن جاؤ گے۔''

''بڑا واہیات سٹیٹس ہے۔'' تارزن بڑبڑایا اور ماتھے کا پسینہ صاف کرنے لگا۔

اچانک قریبی درخت سے پروفیسر کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔

''وہ مارا---زوالوجی کی دنیا میں ایک حیرت انگیز پیش رفت---!''

اس نے اپنے ہاتھوں میں مچلتی پھسلتی ٹانگوں کو مضبوطی سے جکڑتے ہوئے کہا۔

''آہا، آخر میں نے ایک غیر فطری اور عجیب وغریب جانور دریافت کر ہی لیا، نا! بالکل مختلف اور انوکھا---!''

تارزن، مس روزی اور خیمہ سے نکلتا ہوا مسٹر بش بھاگ کر مسٹر مارون کے قریب پہنچے۔

''مسٹر بش! پلیز، جلدی سے اس کی ویڈیو بنائیں۔ ہم نے اسے قابو کر کے اپنے ساتھ بھی لیجانا ہے۔''

مسٹر مارون نے بری طرح سے پھڑکتی ہوئی ٹانگوں کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن، مسٹر مارون! یہ ہے کیا؟''

روزی نے حیرت سے پوچھا، تارزن بھی حیرانگی سے آگے بڑھا۔

''بالکل نئی دریافت---دیکھو اس کے ماتھے کے عین اوپر دم جیسی چیز لگی ہوئی ہے۔ بڑا عجیب سا لال رنگ کا چپٹا سا منہ ہے۔ اس کے ہلنے کی وجہ سے آنکھوں کا پتہ نہیں چل رہا اور یہ---''

''ارے، یہ تو للو ہے---''

تارزن چلایا اور پروفیسر کے ہاتھوں میں جکڑی ٹانگوں کو چھڑوانے لگا۔

''ارے، واقعی---یہ واقعی کوئی بندر ہے اور شاید درخت کے کھوکھلے تنے میں سے کچھ نکال رہا ہے۔'' مسٹر بش بھی قریب آ گیا۔

ٹانگیں آزاد ہوئیں تو للو بھی چیختا ہوا سیدھا ہو گیا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے---؟'' اس نے سب کو گھورا۔ ''میں درخت کی کھو سے ناریل نکالنے کے لئے جھکا تھا، کسی کمبخت نے میری ٹانگیں پکڑ لیں تھیں۔'' غصے سے اس کا منہ ٹماٹر جیسا ہو گیا۔

''اچھا تو یہ للو کی ''بیک'' تھی جسے دیکھ کر پروفیسر صاحب کو کسی نئے جانور کا گمان ہوا تھا---؟'' روزی نے قہقہہ لگایا۔ ''کتنی مرتبہ کہا ہے، پروفیسر! کہ چشمہ لگا کر رکھا کرو۔''

للو نے دانت پیستے ہوئے مارون کی طرف دیکھا۔ ''ابے، کسی نابینا کی اولاد! اگر تم مہمان نہ ہوتے تو تمہاری یہ گنجی کھوپڑی ناریل کی طرح توڑ دیتا۔''

''بھئی، معاف کرنا، غلط فہمی ہو گئی تھی۔'' پروفیسر نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے سر کھجلایا۔

''کل بھی پروفیسر صاحب ایک سانپ کو دم سے پکڑے، مجھے دکھانے چلے آئے کہ دیکھو، کتنی شاندار اور عجیب سی رسی ہے۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ سانپ زہریلا نہیں تھا ورنہ پروفیسر صاحب اب تک کسی درخت کی چھاؤں میں دبے سوچ رہے ہوتے۔'' مسٹر بش نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''یہ غلط فہمی تو بڑے گل کھلا سکتی ہے---کل کلاں اپنی بیگم کو دیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں کہ معاف کرنا، بھئی! کس سے ملنا ہے۔''

''بھئی، اس طرح تو اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ایک دن ہم اپنی دانست میں نہا دھو کر کپڑے تبدیل کر کے گاڑی میں کالج پہنچے اور کلاس میں لیکچر شروع کر دیا لیکن کلاس کے بچے بچیاں لیکچر سننے کی بجائے مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے رہے، بعد میں ایک طالب علم نے نشان دہی کی کہ جناب! آپ پتلون پہننا بھول گئے ہیں---اور ایک بار غلط فہمی سے اپنا گھر سمجھ کر کسی اور کے گھر میں گھس گیا اور پھر اس گھر کے مالک اور کتے نے میرا وہ حشر---'' پروفیسر یوں خوش ہو کر اپنی حماقتیں سنانے لگا جیسے ایوارڈ ملنے کا احوال بیان کر رہا ہے۔

☆☆

''چند دن بعد ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے اور تم بھی ساتھ چلو گے۔'' روزی نے تارزن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا---'' تارزن نے اداسی سے کہا۔

''جہاں انسان نے جنم لیا ہو، اپنا بچپن گزارا ہو۔ وہ جگہ اسے دنیا کے ہر نظارے اور مقام سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تو میں نے زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے اس لئے ہر چیز سے اتنا مانوس ہو چکا ہوں کہ ان سے دوری کا تصور بھی تکلیف دہ ہے۔''

''لیکن یہ جگہ تمہارے رہنے کے لئے نہیں ہے، ہم اپنے جیسوں کی دنیا میں رہیں گے۔ یہاں تمہارا مستقبل کیا ہے، بچوں کا---'' روزی نے جعلی شرماہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''میں نے یہاں کون سی انڈسٹری لگانی ہے کہ مستقبل کا سوچوں اور جیسے میں نے ساری زندگی درخت پھلانگتے، جانوروں سے لڑتے اور کھاتے پیتے گزار دی ہے، بچے بھی گزار لیں گے۔''

نوید ظفر کیانی

"لیکن بچوں کی تعلیم کا کیا ہوگا---؟"

"انہوں نے کونسا جانوروں کو لیکچر دینا ہے کہ تعلیم دلائی جائے؟"

"مجھے نہیں معلوم---میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

"لیکن میں للو کے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ میرا ہر لمحہ کا ساتھی ہے۔"

"---اور میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی---تم للو کو بھی ساتھ لے چلو، بازاروں میں تماشہ کر کے کمائی کریں گے۔"

روزی نے قریب ہوتے ہوئے بڑے لاڈ سے کہا تا کہ بات جلدی بن جائے۔

"ٹھیک ہے، میں اس سے بات کروں گا۔" ٹارزن بھی فوراً پگھل گیا۔

☆☆

"مسٹر بش! ایک بات تو بتائیں---؟" ٹارزن نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر میں تمہاری دنیا میں رہنے کے لئے چلا جاؤں تو کیسا رہے گا؟"

"تو پھر تم سے بڑا احمق اور کوئی نہیں کہلائے گا۔" بش نے اپنی جھاڑیوں میں خلال کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں---؟"

"دیکھو، یہاں وہ سب کچھ ہے جو انسان کی فطری ضرورت ہے۔ سکون، اطمینان، صاف ستھری آب وہوا، صحت مند اور خالص قدرتی خوراک اور سب سے بڑھ کر امن وسکون اور محبت، کیا سمجھے---؟"

"تو کیا یہ سب کچھ وہاں نہیں ہے؟" ٹارزن کے چہرے پر حیرت ابھری۔

"وہاں بھی سب کچھ ہے لیکن مختلف صورتوں میں۔ مثلاً ڈیزل، مٹی اور گیسوں سے بھری ہوا، انسانوں، گاڑیوں اور مشینوں کا پاگل بنانے والا شور، سپرے شدہ باسی خوراک، دوائیوں کے سہارے اونگھتی نیند، کینہ اور چھین لینے، سمیٹنے کے علاوہ کسی اور چیز کی گنجائش نہیں---آئے دن کی جنگوں، قتل وغارت اور لوٹ مار تمہیں ہر وقت کڑھنے پر مجبور کرتی رہے گی۔ لیڈروں کے بیانات پڑھ کر تم ہائی بلڈ پریشر کے مریض بن جاؤ گے۔ بین الاقوامی سیاست کے اثرات تمہارے گھر میں بھی اثر انداز ہوں گے اور تم اخراجات اور ضروریات زندگی پورا نہ ہوسکنے کے باعث کسی دن چپکے سے دل کے دورے کے ہاتھوں ختم ہو جاؤ گے۔"

بش کی باتیں سن کر ٹارزن کا دل پہلی بار بے ربط ہوا اور چہرے پر ہوائیں برسنے لگیں جسے اس نے بمشکل برسنے سے بچایا۔

"لیکن مس روزی تو---"

"تم بہت سیدھے ہو، ٹارزن! ہماری دنیا کی چالاکیوں کو نہیں سمجھ سکتے اور خواتین تو ویسے بھی غیر حقیقی پہلو پر نظر رکھتی ہیں---اب دیکھو، یہی مس روزی تمہیں پٹو ڈال کر اپنے ساتھ لے جائے گی اور پھر تمہاری پبلسٹی کے ذریعے لاکھوں بلکہ کروڑوں کمائے گی ورنہ اسے انسانوں کی کیا کمی ہے کہ اتنی دور محض تم سے ہی عشق کرنے آتا تھا---مجھے دیکھو، میں بھی ایک بڑے اخبار کا نمائندہ ہوں اور اب اس ساری صورت کو اپنی طرف سے بھی جھوٹ گھڑ کر لکھوں گا اور تصویروں کے ذریعے کم از کم ایک گھر بنانے کا خرچہ ضرور نکال لوں گا۔" مسٹر بش جھاڑیوں کے پیچھے کہیں ہنسا۔

نمکین غزل

ٹی ٹی دکھا کر خنجر و برچھی دکھا کے آ
تازہ غزل کسی نہ کسی کو سنا کے آ

سوئے ہوئے رقیب کو سونے نہ اور دے
سوئے ہوئے کو شعر سنا کر اٹھا کے آ

جس نے سنی نہیں ہے اُسی کو سنا کے چل
جس نے سنی ہے اس کو دوبارہ سنا کے آ

اُس کی گلی میں خامشی اچھی نہیں لگتی
چھینٹے کی نوک پر کوئی گانا ہی گا کے آ

گولے بنا کے شعروں کے لڑھکا دے ہر طرف
کاغذ کے کارتوس کسی پر چلا کے آ

دُنیا کی ہے نظر میں نظر کو ہزار دولت
جا مے کدے میں میری جوانی چھپا کے آ

محفل میں شاعروں کی کسی کی کبھی نہ سن
داد اپنے لیے ڈونگرے بھر کے لٹا کے آ

آئینہ دیکھ خود پہ ذرا آپ بھی لے ہنس
پھر سارے شہر والوں کو اپنے ہنسا کے آ

دو چار لاکھ جس کے ورق ہوں لکھے ہوئے
دیوان وہ بخاری بغل میں دبا کے آ

اکبر بخاری، شجاع آباد
موبائل: 0301-7560073

"---اور یہ مسٹر مارون کون ذات شریف ہیں؟"

"یہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا ایجنٹ ہے اور یہاں یہ جائزہ لینے آیا ہے کہ اگر ہمارا ملک یہاں اپنے اڈے بنالے تو کن کن مالک کا ٹینٹوا دبایا جاسکتا ہے---تمہیں صرف اس لئے حقیقت بتا رہا ہوں کہ تم بے ضرر آدمی ہو، نہ کسی کو بتا سکو گے اور نہ راز منکشف ہونے کا ڈر ہوگا۔"

"مسٹر بش! یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے منہ کو بالوں سے کیوں چھپایا ہوا ہے؟"

"یہ تو خواتین سے بچنے کا تیر بہ ہدف نسخہ ہے، پیارے---!" بش نے ایک آنکھ دبائی۔ "یہ تو بندے کو ہر لحاظ سے برباد کر دیتی ہے۔ جب سے میں نے اپنی داڑھی، مونچھ اور سر کے بالوں کو مادر پدر آزادی دے رکھی ہے تب سے راوی چین ہی چین لکھتا ہے---ویسے اگر تمہارے جیسا خوبصورت، صحت مند اور سمارٹ بندہ ہمارے ہاں کی خواتین کے قابو آجائے تو قسم سے چٹنی کی طرح کھا جائیں---"

"لیکن مس روزی تو کہہ رہی تھی کہ ہم لوگوں نے ہر شعبے میں اتنی ترقی کی ہے کہ---"

"وہ صرف مادی ترقی ہے---" مسٹر بش نے بات کاٹی۔ "ہماری مادی ترقی کا گراف جتنا بلند ہے، ہماری اخلاقی پستی کا بیرومیٹر اتنا ہی نیچے کو جارہا ہے۔"

"اچھا تو پھر بھی میں کیا کروں، وہ بری طرح میرے پیچھے پڑی ہے؟" تارزن نے بیچارگی سے کہا۔

"یہ کونسا مسئلہ ہے؟"

بش نے دانت نکالے لیکن تارزن کو دکھائی نہ دیئے۔

"کان ادھر لاؤ، میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

مسٹر بش نے جھاڑ جھنکاڑ آگے کیا کیوں کہ منہ کافی پیچھے تھا، بالوں کے باعث تارزن کو بری طرح خارش ہونے لگی لیکن جان چھڑانے کے لالچ میں برداشت کرنے لگا۔

"تم نے روزی کو منہ لٹکا کر کہہ دینا ہے کہ---" مسٹر بش نے بات مکمل کی۔

"پھر اگر وہ تمہیں دوبارہ نظر بھی آگئی تو یہ برسوں کی اگائی ہوئی فصل کٹوا دوں گا۔" اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

"لیکن یہ کیا ہوتی ہے؟" تارزن نے حیرت سے پوچھا۔

"کسی کو دور بھگانے کا تیر صدف نسخہ ہے---لوگ اپنا ایٹم بم سے نہیں ڈرتے، جتنا اس کے نام سے گھبراتے ہیں۔"

بش نے تفصیل سے اس چیز کی کرامات سنائیں تو تارزن بھی گھبرا گیا۔

"شکریہ، مسٹر بش! تم نے مجھے بہت بڑی حماقت سے بچا لیا ہے---" تارزن نے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں آج ہی یہ کام نپٹاتا ہوں۔"

"بھئی، تم اس خوبصورت اور پاک صاف ماحول میں رہ کر مجھے کبھی یاد کرلیا کرنا، اس کی تازگی مجھ تک پہنچ جایا کرے گی اور تمہارا شکر ادا ہو جائے گا۔"

☆☆

شام کو ملاقات ہوئی تو تارزن نے یوں منہ لٹکایا جیسے اس کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہو رہی ہو۔

"روزی! میں نے تمہارے ساتھ جانے کا فیصلہ کرلیا ہے لیکن ایک بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں---" اس نے روزی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

روزی بھی کھل اٹھی اور تارزن کی جانب مزید پیش قدمی کر دی تاکہ اب کوئی چیونٹی بھی سماج کی دیوار بن کر راستے میں نہ آئے۔

"کون سی بات---؟" اس نے بڑے پیار سے مسکرا کر پوچھا۔

"بات یہ ہے، مس روزی! کہ میں "ایڈز" کا مریض ہوں۔ میرا خیال ہے اسی بہانے اپنا علاج بھی---"

تارزن نے چندہ مانگنے والوں کی طرح مسکینی سے کہا لیکن مس روزی یوں پھدک کر پیچھے ہٹی جیسے تارزن کی جگہ سانپ نظر آ گیا ہو۔

"کک---کیا---ایڈز---؟" وہ مزید الٹے پاؤں پیچھے ہٹی۔

"دیکھو، میری بات تو سنو---" تارزن آگے بڑھا۔ "یہ کون سی بڑی بات ہے، تم تو میرے بغیر زندہ---" تارزن روزی کے رد عمل پر حیران رہ گیا۔

"خبردار، اگر آگے بڑھے تو شوٹ کردوں گی---" موصوفہ نے نہ جانے کس خفیہ جگہ سے پستول نکال لیا اور خود ہی کانپنے بھی لگی۔ "اوہ، گاڈ! اب میرا کیا ہوگا۔ اگر مجھے بھی---اوہ، تو تم نے پہلے کیوں نہ بکواس کی، ذلیل---جانگلی---!"

وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹتی ہوئی ایک دم مڑی اور تیزی سے بھاگتی ہوئی غائب ہوگئی۔ تارزن نے بھی اطمینان کا سانس لیا اور اپنی جھونپڑی میں گھس کر ٹانگیں پھیلائے سکون سے گہری نیند سو گیا۔

مسٹر مارون وغیرہ کا جہاز اسی رات لنگر اٹھا کر چلا گیا تھا۔

☆☆

نوید ظفر کیانی

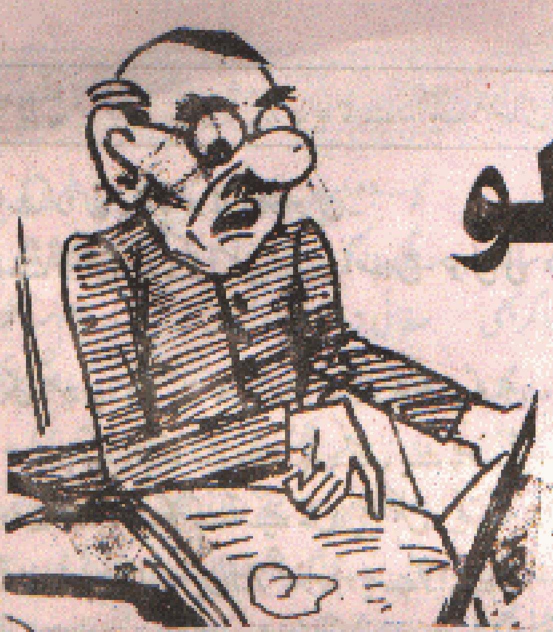

مسٹر گونگلو

☆ نامعلوم

رحیمے حجام کا خاندان برس ہا برس سے ہمارے خاندان کی خدمت کرتا چلا آرہا تھا۔ اس لحاظ سے بلاشبہ اسے ہمارا خاندانی ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ خوشی کا کوئی موقع ہو یا غم کی کوئی گھڑی، یہ حضرت خبر ملتے ہی اپنی جانباز فورس کے ساتھ عین وقت پر پہنچ جاتے تھے اور اس وقت تک حاضر سروس رہتے تھے جب تک کہ تقریب اپنے اختتام کو نہ پہنچ جائے۔ اگرچہ ان کی خدمات کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا تھا مگر آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ لوگ ان خدمات کا اتنا معمولی معاوضہ لیتے تھے کہ یہ معاوضہ دیکھ کر اینٹوں کے بھٹے پر کام کرنے والے مزدور بھی شرما جائیں۔ ہاں، البتہ جب کبھی شادی کا موقع آتا تو یہ حضرت جی بھر کر اپنے ارمان پورے کر لیتے اور معاوضے کی صورت میں اتنی رقم حاصل کر لیتے تھے جو کہ بقول ان کے سال بھر کی روٹیوں کے لئے کافی ہوتی تھے۔

یوں تو رحیمے کو اللہ تعالیٰ نے دل کھول کر اولاد عطا کی تھی، اس کے باوجود اس نے خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی جس کا نتیجہ کچھ یوں نکلا کہ ہر سال نیا کلنڈر چھپنے لگا اور ٹیم کا اسکور گیارہ تک جا پہنچا۔ یہ خدا کی شان ہے کہ جہاں اولاد کی ڈیمانڈ ہوتی ہے، وہاں جھولی خالی رہتی ہے اور جہاں اس کی ضرورت نہیں ہوتی، وہاں یہ برسات کی طرح کھل کر برستی ہے۔ پہلے پہل تو اس نے بڑھتی ہوئی آبادی کو بریک لگانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ یہ اس کا ایمان تھا کہ اگر اللہ میاں نے چونچ لگائی ہے تو دانہ بھی وہی دے گا۔ وہ جیسے تیسے کر کے گزارہ کرتا رہا--- اس دوران اس کے دونوں بڑے لڑکے محنت مزدوری کر کے اسے زرمبادلہ فراہم کرتے رہے مگر جب مہنگائی آکاش بیل کی طرح اپنی جڑیں پھیلانے لگی اور اشیائے صرف کی قیمتیں خلائی راکٹ کی طرح سفر کرنے لگیں تو اسے کچھ ہوش آیا اور اس کا دماغ پہلے سے بہتر کام کرنے لگا۔ اب اسے "کم بچے، خوشحال گھرانا" والا ترانہ بہت پیارا لگنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر اس نے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کیا ہوتا تو آج اس کے پاس اناج دشمن عناصر کی فوج جمع نہیں ہوتی اور وہ سکھ چین سے زندگی بسر کرتا مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے، وہ وقت کا پہیہ پنکچر تو نہیں کر سکتا تھا۔ اس دوران اس کی پیاری بیوی اللہ کو پیاری ہوگئی جس سے گھریلو ذمہ داریوں کا سارا بوجھ اس کے ناتواں کندھوں پر آن پڑا۔ سنگل پسلی تو تھا ہی، اس بوجھ نے اس کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ چنانچہ اس نے اس وزن کو ہلکا کرنے کا منصوبہ بنایا اور بقیہ لڑکوں کو بھی کام دھندے پر لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک دن وہ اپنے درمیانے بیٹے کو لے ہماری خدمت میں حاضر ہوا اور عاجزی سے کہنے لگا۔

"میاں جی! یہ میرا مختار ہے۔ پہلے قالینوں کے کارخانے میں کام کرتا تھا آج کل بیکار ہے۔ اسے آپ کسی کام دھندے پر لگا دیں، میں ساری زندگی آپ کا احسان نہیں بھولوں گا۔"

"لیکن میرے پاس تو ایسا کوئی کام نہیں ہے جو یہ کر سکے--- تم اسے اپنے آبائی کام پر کیوں نہیں لگاتے؟" اس نے جواب دیا۔

"لگایا تھا، جی---!" وہ فٹافٹ بولا۔ "اس کم بخت کو میں نے آپ جیسے سجن سے قرضہ لے کر دوکان کھول کر دی تھی مگر اس نے اپنی حماقتوں کی وجہ سے دو ہی ماہ میں دوکان کو تالا لگوا دیا۔"

"وہ کیسے---؟" ہم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اگرچہ میں نے اسے ایک سال تک اپنے جدی پشتی پیشے کی ٹریننگ دی تھی مگر یہ نرا گدھے کا گدھا ہی رہا۔ میری تمام کوششوں کے باوجود اس کے ہاتھ میں وہ صفائی نہیں آئی جو کہ ہماری برادری کی پہچان ہوتی ہے۔ بال کاٹنا تو بہت دور کی بات، اسے ٹھیک سے شیو بنانا نہیں آیا۔ اس نالائقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو گاہک ایک بار دوکان، پر آیا، وہ اللہ کے فضل سے دوبارہ نہیں آیا۔ بعض گاہک تو خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ اس اناڑی کے ہاتھوں زندہ بچ کر آگئے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ بال کاٹتے وقت بادشاہ بھی ہمارے آگے سر جھکا کر بیٹھتا ہے۔ ہم جب

نوید ظفر کیانی

چاہیں، اس کی سری کاٹ کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیں۔"

"یہ بات تو تم نے بالکل ٹھیک کہی لیکن تم نے اصلاح احوال کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"بہت کی تھی جی مگر یہ اپنی غلطی مانتا نہیں تھا بلکہ گاہکوں کو ہی قصوروار ٹھہراتا تھا---سر کے بال کاٹتے وقت بال کہیں سے چھوٹے اور کہیں سے بڑے کر دیتا تھا۔ جب گاہک آئینے میں اپنی شکل دیکھتا اور اعتراض کرتا کہ تم نے میرے سر میں اوپن ایئر تھیٹر بنا دیا ہے تو اسے کہتا کہ تیرے سر میں ڈینٹ پڑے ہوئے ہیں، میں کیا کروں۔اسی طرح اگر کسی گاہک کی ایک مونچھ بڑی کر دیتا تو اس کے اعتراض کرنے پر فورا جواب دیتا کہ تمہاری باچھ ہی ٹیڑھی ہے---شیو کے دوران جگہ جگہ بال چھوڑ دیتا تھا اور وجہ یہ بتاتا تھا کہ شالیمار چھوٹے اسٹیشن پر نہیں رکتی ہے---اب آپ خود ہی بتائیں کہ گاہک سیلون پر سنورنے کے لئے آتے ہیں یا کارٹون بننے کے لئے---؟"

"کبھی کسی کو زخمی بھی کیا؟" ہم نے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھا۔

"ایک کو نہیں جی، سو کو زخمی کیا---استرا استعمال کرتے وقت یہ لقا بوتر بن جاتا تھا، اس کے ہاتھ کانپ جاتے تھے۔ کئی گاہکوں کے چہرے اور سر میں اس نے کھڈے بنائے۔ ایک کے کان کا تو پیس ہی اڑا دیا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ گاہک اپنا پرانا جاننے والا تھا، میرے ہاتھ پاؤں جوڑنے پر ٹھنڈا ہو گیا ورنہ نوبت تھانے کچہری تک پہنچ جاتی اور یہ مورکھ اندر ہو جاتا۔"

"کیا یہ ضروری تھا کہ تم اسے حجامت کرنا ہی سکھاتے---ہمارے ہاں کے حجام تو اور بھی بہت سے کام کرتے ہیں۔ مثلاً کھانا پکانا وغیرہ، اس میں جھگڑے کا امکان بھی نہیں ہوتا۔"

رحیمے نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے ولی عہد کو دیکھا کہ جیسے کوئی بھولی ہوئی داستان یاد آ گئی ہو۔ پھر ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

"میں نے یہ بھی کر کے دیکھا تھا مگر اس چمن چراغ نے یہاں بھی اپنا کام دکھایا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ ہمیں دیہاتوں سے پکائی کے آرڈر ملتے ہیں اور ہمیں باراتوں کے لئے کھانے پکانے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ ایک بار ایک چک سے مجھے پکائی کا ایک آرڈر ملا چنانچہ مقررہ دن میں اپنا جملہ ساز و سامان لے کر وہاں جا پہنچا۔ وہ لوگ ہماری ہی راہ دیکھ رہے تھے۔ میں نے جاتے ہی قورمے کی دیگیں چڑھا دیں۔ اور پیاز ریچ کترنے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران میرے پیٹ میں گڑبڑیشن شروع ہو گئی اور میں رفع حاجت کے لئے قریبی کھیتوں میں چلا گیا۔ جاتے وقت میں نے اسے دیگوں کا خیال رکھنے کو کہا کہ کہیں گوشت

لگ نہ جائے۔ دس منٹ کے بعد جب میں واپس آیا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ گوشت گلا ہے یا نہیں۔ میں نے جب ایک بوٹی منہ میں ڈالی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں نے نمک کا ڈھیلا چبا لیا ہو۔ پوچھ گچھ کرنے پر پتہ چلا کہ اس لنگور نے میرے جانے کے بعد تمام دیگوں میں مٹھیاں بھر بھر کر نمک ڈال دیا تھا جب کہ میں نمک کی مقررہ مقدار پہلے ہی ڈال چکا تھا۔ اب نمک اتنا تیز ہو چکا تھا کہ اگر اس گوشت کو چیلوں اور کوؤں کے آگے بھی ڈال دیا جاتا تو وہ بھی کھانے سے انکار کر دیتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر میری چھٹی حس فورا بیدار ہو گئی۔ میرے اندر سے یہ آواز آئی کہ رحیمے! کیا سوچ رہا ہے، اس سے پہلے کہ وہ لوگ آ جائیں اور انہیں اصل بات کا پتہ چل جائے، تیتر ہو جاؤ ورنہ مار مار کر دنبہ بنا دیں گے چنانچہ ہم دونوں نے اپنی چپلیں وہیں چھوڑیں اور دوڑ لگا دی۔"

"تو کیا ان لوگوں نے تمہارا پیچھا نہیں کیا؟" ہم نے وقفہ سوالات سے فائدہ اٹھایا۔

"پیچھا کیا تھا جی، جیسے ہی انہیں جیسے ہی انہیں اصل بات کا علم ہوا وہ ہلا کو بن کر گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے اور ہمیں راستے ہی میں آ لیا۔ انہوں نے پگڑی سے ہم دونوں کی مشکیں کس دیں اور اس کے بعد وہ ہمیں لے کر گاؤں کی طرف چل پڑے اور سارا کام ایمرجنسی میں کرایا کیونکہ ان کے ہاں دو باراتیں آنے والی تھیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ شریف لوگ نکلے اگر خدانخواستہ سلطان راہی ٹائپ کے ہوتے تو ہمیں دیگوں میں پکا دیتے اور ہماری کھرچن بھی نہ ملتی۔"

کہا جاتا ہے کہ حجام اور ڈرائیور اگر باتونی نہ ہوں تو وہ مشکوک قسم کے آدمی لگتے ہیں۔ ہم رحیمے کی عادت سے بخوبی واقف تھے۔ جب اس کی زبان ایک مرتبہ اسٹارٹ ہو جاتی تھی تو پھر تیز قینچی کی طرح چلتی رہتی تھی۔ اس نے اپنے فرزند ارجمند کی حماقتوں کا جو ٹریلر ہمیں دکھایا تھا اسے دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑا کہ دنیا ابھی احمقوں سے خالی نہیں ہوئی ورنہ بقول شخصے کب کی غرق ہو چکی ہوتی---اس سے پہلے ہمیں مزید حکایتیں سناتا چلا جاتا، ہم نے اس کی اپیل منظور کرتے ہوئے اس کے لڑکے کو بطور ملازم بھرتی کر لیا۔ ہمارے پاس اس کے لئے کوئی خاص کام نہیں تھا، پھر بھی ہم نے یہ سوچ کر حامی بھر لی کہ دو وقت کی روٹی اور ... کے عوض حماقت کا یہ ماسٹر پرنٹ بالکل مہنگا نہیں ہے۔ اس سے زیادہ پیسے تو اس پر ٹکٹ لگا کر حاصل کئے جا سکتے ہیں کیونکہ ایسی اسپیشل قسم کی چیزیں بڑی مشکل سے ہاتھ آتی ہیں۔

ہم نے اسے اگلے روز ڈیوٹی پر آنے کا مشورہ دیا۔ رحیمہ ہمیں ہول سیل کے حساب سے دعائیں دینے کے بعد رخصت ہوا کہ جیسے اس کے

نوید ظفر کیانی

سر سے بھاری پتھر اتر گیا ہو۔

دوسرے ہی روز مختار عرف ہیرا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ دوکان پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنا حلیہ کچھ ایسا بنا رکھا تھا کہ اگر کوئی گداگر بھی دیکھ لیتا تو وہ بھی اپنے آپ کو امیر سمجھنے لگتا۔ میلے کچیلے شلوار قمیض میں ملبوس وہ کوئی گھر سے بھاگا ہوا لڑکا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے سر کے بال اتنے سخت اور کھردرے تھے کہ بان دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے جوتوں کی حالت بڑی قابل رحم تھی اور وہ قریب المرگ دکھائی دے رہے تھے۔ اگر ایک پاؤں میں باٹا کی چپل تھی تو دوسرے میں سروس کی چپل تھی غرضیکہ اس کا حلیہ بھیک لینے والوں سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا---ہم نے آتے ہی اس سے ناشتے کے بارے معلوم کیا کہ وہ ناشتہ کر کے آیا ہے یا نہیں؟ اس نے انکار میں زبان نہیں ہلائی، دو کلو کا سر ہلا دیا۔ ہم نے فوراً اس کے لئے نان نہاری منگوائی۔ وہ کھانے پر یوں ٹوٹ پڑا کہ جیسے بھوک ہڑتال سے اٹھ کر آیا ہو۔ منٹوں میں اس نے ہر چیز کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیا۔ اس نے سنت محمدی ادا کرتے ہوئے پلیٹ کی صفائی کچھ اس طرح سے کی کہ ہوٹل والے پلیٹ دھونے کی زحمت سے صاف بچ گئے۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ بنچ پر یوں ساکت ہو کر بیٹھ گیا کہ جیسے گارمنٹس کی دکان میں مجسمہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد میں نے اسے ٹیلی فون کا بل دیا اور اسے قریبی بینک میں جمع کرانے کی ہدایت کی۔ اس موقع پر ہم نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ نوٹوں کو الٹ پلٹ کر بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ آج اس نے پہلی بار لال رنگ کے نوٹوں کو چھوا ہے۔ ہم نے آزمانے کے لئے سو روپے کا نوٹ اسے دکھایا اور پوچھا۔

"جانتے ہو، یہ کتنے کا نوٹ ہے؟"

"دس روپے کا---" اس نے پھلجھڑی چھوڑی۔

ہمارا ماتھا نہ صرف یہ کہ ٹھنکا بلکہ کچھ گھوم بھی گیا۔ ہم نے سوچا کہ اگر اس نے کوئی گڑبڑ کر دی تو معاملہ الٹ جائے گا اس لئے احتیاط لازم ہے۔ چنانچہ ہم نے بل اور نوٹوں کو پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی تھیلی میں بند کیا اور اس لفافے کو اسی طرح جیب میں ڈال دیا۔ ہمیں فوری طور پر امام ضامن دستیاب نہیں ہوا ورنہ ہم اسے اس کے بازو پر باندھ دیتے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے اسے یہ تاکید کر دی کہ وہ دائیں بائیں چوکس ہو کر جائے اور خیر خیریت سے واپس آئے۔

مختار کو بنک گئے ہوئے دو تین گھنٹے گزر چکے تھے مگر وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا حالانکہ جاتے وقت اس نے زمین پر تھوک پھینکنے کے بعد چھاتی پھلا کر یہ کہا تھا کہ وہ یہ تھوک سوکھنے سے پہلے واپس آجائے گا---ہمارے دل میں طرح طرح کے اندیشے چوکڑیاں بھرنے لگے۔ کبھی یہ خیال آتا کہ کہیں راستے میں کسی جیب کترے نے ہاتھ کی صفائی نہ دکھائی دی ہو اور کبھی یہ وہم سر اٹھاتا کہ کہیں وہ بنک کی بجائے جانوروں کے ہسپتال میں نہ گھس گیا ہو کیونکہ اس کے باپ نے گفتگو کے دوران یہ انکشاف بھی فرمایا تھا کہ ایک بار اس نے لیٹر بکس میں خط ڈالنے کی بجائے ویلڈنگ کی ٹینکی میں گرا دیا تھا کیونکہ اس کا رنگ بھی لال تھا۔ ابھی ہم خیالات کی پگڈنڈی پر مارچ پاسٹ کر ہی رہے تھے کہ وہ ہماری نگاہوں کے راڈار پر نمودار ہوا۔ ہم نے جب قریب آنے پر غور سے اس کے چوکھٹے کو دیکھا تو ہمیں اس کی جغرافیائی حالت میں کچھ تبدیلی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھیں نم اور سوجی ہوئی تھیں جب کہ ماتھے پر رگڑ کے نشانات صاف نظر آرہے تھے۔ ہم شدید حیران ہوئے کہ ہم نے تو اسے فون کا بل جمع کرانے کے لئے بھیجا تھا، نہ کہ محاذ جنگ پر۔ پھر اس کا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟---ہم نے اس کی صورت کا حال معلوم کرنے کے لئے سرنگ لگانا چاہی مگر ہمیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود وہ پکے چور کی طرح کچھ نہیں بولا۔ جب ہم نے مصطفیٰ قریشی کی طرح کڑک کر پوچھا کہ یہ دراڑیں کیسے پڑی ہیں تو وہ رونی صورت بنا کر کہنے لگا۔

"میں آسمان پر اڑنے والے کبوتروں کو دیکھتا ہوا جا رہا تھا کہ کیلے کے چھلکے سے پھسل پڑا۔"

اگرچہ ہم نے عارضی طور پر اس کی بات کا یقین کر لیا مگر مرکزی طور پر مطمئن نہیں ہوئے کیونکہ ہمیں دال میں کچھ کالا نظر آرہا تھا اور یہ دال

شاعر سے ایک ملاقات

جونہی ہم شاعر اعظم کے گھر پہنچے یہاں ہنگامی صورتحال نافذ تھی۔ معلوم ہوا کہ محترم شاعر کو انتہائی اذیت کی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا ہے اور اس وقت ان کا آپریشن جاری ہے۔ ہم فوراً متعلقہ ہسپتال پہنچے۔ آپریشن تھیٹر کے باہر ہی ان کی مسز اور باقی اقارب سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"بھابی! کیا ہوا تھا؟" ہم نے پریشانی سے پوچھا۔

بھابی نے اشارے سے انگلی اوپر اٹھائی اور خدا سے دعا مانگنے کا اشارہ کیا۔ اسی لمحے آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر دو خوبصورت نرسوں کے ساتھ باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لسٹ بھی تھی۔

"واقعی تخلیق کا مرحلہ کافی جانفزا ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہتے ہوئے لسٹ بھابی کو تھما دی۔

"کیا ہوا؟" بھابی نے بے تابانہ پوچھا۔

"چار غزلیں اور دو شعر موزوں ہوئے ہیں۔" ڈاکٹر نے اطمینان سے جواب دیا۔

محمد محبوب ملک' مظفر آباد آزاد کشمیر

اس وقت تک صاف نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ اسے تجزیے کے لئے لیبارٹری نہ بھیجا جائے۔اس سے پہلے کہ یہ راز راز ہی رہتا، جلد ہی اس کا پردہ فاش ہو گیا۔ہمیں ملنے والی خصوصی رپورٹ کے مطابق جب مختار بل بھرنے کے لئے بنک پہنچا تو اس وقت وہاں پر کافی رش تھا اور بل بھرنے والوں کی اتنی لمبی لائن لگی ہوئی تھی کہ جتنی نئی فلم کے ریلیز ہونے پر تماشائیوں کی ہوتی ہے۔اسے اپنی باری کا انتظار کرتے کرتے دو گھنٹے گزر گئے مگر اس کا نمبر نہیں آیا۔اس دوران اسے زور کا پیشاب آ گیا۔اس نے سیلاب پر قابو پانے کی بہت کوشش کی مگر پریشر بڑھتا ہی چلا گیا جس سے صورتحال نازک ہو گئی وہ اپنی جگہ بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنی جگہ نہیں چھوڑے گا۔دوسرے ہی لمحہ اس نے لائن میں کھڑے کھڑے موسلا دھار پیشاب کر دیا جو کہ آگے کھڑے ہوئے شخص کے کپڑوں کو بھی گیلا کر گیا۔اس شخص نے جب بن بادل برسات ہوتے دیکھی تو وہ غصے سے بے قابو ہو گیا اور اس نے مختار کی خود مختاری کو چیلنج کر دیا۔وہ تو اچھا ہوا کہ وہاں کھڑے ہوئے لوگوں نے ایک ہی راؤنڈ کے بعد بیچ بچاؤ کروا دیا اور تشدد کو مزید بڑھنے نہیں دیا ورنہ اس روز اس بے چارے کی اتنی پٹائی ہوتی کہ صورت بھی نہ پہچانی جاتی اور اس بے چارے کی شناخت کے لئے اس کے جوہری باپ کو آنا پڑتا۔

مختار عرف ہیرا فلمی گانے سننے کا بے پناہ شوق تھا خاص طور پر رفیع کے گانوں کا تو وہ دیوانہ تھا یہ الگ بات ہے کہ زیادہ تر گانے اس کے سر کے اوپر سے گزر جاتے تھے اور وہ ان کا مفہوم جاننے کے لئے دوسروں کا دماغ چاٹ لیتا تھا۔رفیع کے گانے بطور خاص سننے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اسے رفیع کی آواز اچھی لگتی تھی بلکہ اس نے کہیں سے سنا تھا کہ محمد رفیع کا تعلق بھی حجام برادری سے تھا۔وہ لاہور کے ایک مشہور حجام گھرانے کے چشم و چراغ تھے جو کہ گلوکاری کے شوق میں بمبئی جا بسے تھے اور وہیں کے ہو رہے تھے---اس وقت ریڈیو سیلون سے ان کے گانے بار بار نشر ہوتے تھے جنہیں سن کر وہ جھوم جھوم جاتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ریڈیو سیلون خاص طور پر حجام برادری کے لئے قائم کیا گیا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس ریڈیو اسٹیشن کا نام سیلون ہے۔

گانوں کے ساتھ ساتھ اسے ویڈیو فلمیں دیکھنے کا بھی بہت شوق تھا۔وہ جب بھی دوپہر کا کھانا لینے کے لئے گھر جاتا تو بیگم سے خاص طعر پر فرمائش کرتا کہ اسے وی سی آر پر فلم دکھائی جائے۔چونکہ وہ بہت دلچسپ آدمی تھا اور بچوں میں خاص طور پر بہت مقبول تھا اس لئے اس کی فرمائش رد نہیں کی جاتی تھی۔جب وہ زیادہ موڈ میں ہوتا ہے تو سیون اپ پینے کی فرمائش بھی داغ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اسے ٹھنڈی الماری (فریج) سے بوتل نکال کر پلائی جائے---ایک بار بچوں ... کے ساتھ مذاق کرنے کا پروگرام بنایا۔اس کے لئے سیون اپ کی ایک خالی بوتل لے کر اس میں ٹھنڈا پانی ڈالا اور دل کھول کر نمک ملا دیا۔اس کے بعد کارک لگا کر بوتل کو واپس فریج میں رکھ دیا۔

جب ہیرا دوپہر کو کھانا لینے گھر پہنچا تو انہوں نے فریج سے بوتل نکال کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔اس نے کبوتر کی طرح آنکھوں کو بند کیا اور غٹاغٹ بوتل پینے لگا۔بچوں کا خیال یہ تھا کہ وہ پہلا گھونٹ وصول کرتے ہی منہ سے فوارہ چالو کر دے گا اور وہ خوشی کے اظہار کے لئے بھرپور تالیاں بجائیں گے لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس نے پوری بوتل ایک ہی سانس میں پی ڈالی اور اف تک نہ کی ورنہ وہ بوتل سمندر کے پانی سے بھی کچھ زیادہ ہی نمکین تھی۔اگر آپ اور ہم اسے پی لیتے تو ہماری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگتے۔اس واقعے کے بعد ہم نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر اسے کوک کی بوتل میں پٹرول بھی بھر کر دے دیا جائے تو یہ اسے بھی ڈکار جائے گا۔

کچھ دنوں کے بعد ایک اور مزیدار واقعہ رونما ہوا۔ہوا یوں کہ ہیرا جب کھانا لینے کے لئے گھر پہنچا تو اس وقت وی سی آر پر کترینہ کی کوئی فلم چل رہی تھی۔وہ حسب عادت چوکڑی مار کر فرش پر بیٹھ گیا اور فلم کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اسے کترینہ کچھ زیادہ ہی پسند آ گئی ہے۔وہ بار بار اس کے متعلق پوچھ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟---بیگم نے جب اس کی غیر معمولی دلچسپی دیکھی تو ازراہ مذاق کہا۔

"ہیرے! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"مجھے بھلا کون اپنی لڑکی دے گا؟" اس نے شرما کر کہا۔

"کیوں نہیں دے گا تم کوئی کانے، لنگڑے یا گونگے تو نہیں ہو۔تم تو لاکھوں میں ایک ہو---" بیگم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔"اگر تم ہاں کرو تو تمہاری شادی کترینہ سے کرا دیں گے۔"

"باجی! اگر آپ ایسا کر دیں تو میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" اس نے بلبل کی طرح چہکتے ہوئے کہا۔

اس دوران کھانا تیار ہو کر ٹفن میں پیک ہو گیا اور ٹفن اس کے سپرد کر دیا گیا۔عام طور پر وہ ٹفن ملتے ہی روانہ ہو جاتا تھا مگر اس روز وہ خلاف معمول جانے کا نام نہیں لے رہا تھا بلکہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔جب اسے بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو گئی اور کھانا ٹھنڈا ہونے لگا تو بیگم نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

نوید ظفر کیانی

"ہیرے! جاؤ، دکان پر کھانا لے کر جاؤ، تمہارے بھائی جان کو بھوک لگی ہوگی۔"

"پہلے آپ اپنا وعدہ تو پورا کریں، پھر میں کھانا لے کر جاؤں گا" وہ اسکول کے بچوں کی طرح ضد کرنے لگا۔

"کونسا وعدہ، بھئی---؟" بیگم نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ تو اتنی جلدی اپنا وعدہ بھول گئیں؟---ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ اگر تم ہاں کرو تو تمہاری شادی کترینہ سے کرا دیں گے۔ اب اسے ٹی وی سے باہر نکالیں اور اپنا وعدہ پورا کریں تاکہ میں دکان پر جاؤں۔"

کہا جاتا ہے کہ دنیا میں ایک سے ایک بڑا احمق موجود ہے، صرف تلاش کرنے کی دیر ہے۔ انمول ہیرا اس کہاوت کی منہ بولتی تصویر تھا۔ اس کی روزمرہ کی نئی نئی حماقتوں نے اسے ہر خاص و عام میں مقبول بنا دیا تھا۔ بچے اس کی حماقتوں سے اتنے خوش ہوتے تھے کہ وہ اپنے دوستوں کو مزے لے لے کر اس کی کہانیاں سناتے تھے۔ اس کی سادہ لوحی اور معصومیت کو دیکھ کر کچھ لوگوں نے اسے "گونگلو" کا خطاب دے ڈالا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ نام اتنا مقبول ہو گیا کہ لوگ اس کا اصل نام بھول گئے۔ ہمارے خیال میں وہ اس اعزاز کا مستحق تھا۔ اب کوئی بھی اسے اس کے اصل نام لے کر نہیں پکارتا تھا بلکہ سب اسے گونگلو کے نام سے یاد کرنے لگے تھے، مجبوراً ہمیں بھی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے یہی استعمال کرنا پڑا۔

ایک بار گونگلو حسب معمول کھانا لینے کے لئے گھر پہنچا۔ اس وقت وی سی آر پر ہمارے سالا صاحب کی شادی کی مووی چل رہی تھی۔ وہ فوراً کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور غور سے مووی کو دیکھنے لگا۔ چونکہ ہم نے بھی مع اہل و عیال اس شدی میں شرکت کی تھی اس لئے جا بجا ہماری تصاویر بھی شامل تھیں---وہ یہ عجیب و غریب فلم کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ جب وہ کھانا لے کر دکان پر پہنچا تو مجھے نہایت رازداری سے کہنے لگا۔

"بھائی جان! اگر آپ مجھے جلیبیاں کھلانے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو راز کی ایک ایسی بات بتاؤں گا کہ آپ سن کر پھڑک جائیں گے۔"

ہم نے بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ "بھئی، گونگلو! وہ ایسا کونسا راز ہے کہ اگلنے کے عوض تم مٹھائی مانگ رہے ہو؟"

"ہے جی، ایک بہت ہی بڑا راز---آپ سنیں گے تو یوں اچھل پڑیں گے کہ جیسے شیو کے دوران استرا لگ جانے سے گاہک اچھل پڑتا ہے۔"

"اچھا، یہ بات ہے تو پھر وعدہ رہا۔"

وہ ہمارے قریب آیا اور رازدارانہ انداز میں بولا۔ "بھائی جان! آپ کو کچھ پتہ ہے، باجی فلموں میں چلی گئی ہے۔"

"اچھا، مجھے تو کچھ پتہ نہیں---تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"وہ جی، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے---" وہ معصومیت سے بولا۔ "ابھی جب میں کھانا لینے گھر گیا تھا تو وی سی آر پر فلم چل رہی تھی، اس میں باجی صاف نظر آ رہی تھیں۔"

ہم نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، بے وقوف! وہ تمہاری باجی نہیں ہوگی، اس کی کوئی ہمشکل ہوگی۔"

"نہیں جی، میری آنکھیں بٹن نہیں ہیں کہ دھوکہ کھا جائیں۔ وہ باجی ہی تھیں اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو آپ خود جا کر فلم دیکھ لیں۔ میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں تو آپ بے شک میری ٹنڈ کرا دیں۔"

"ایک بار مجھے صدقے کے لئے بکرا خریدنے کے لئے بکرا منڈی جانا پڑا۔ چلتے چلتے میں نے احتیاط کے طور پر گونگلو کو ساتھ لے لیا تاکہ بکرا مل جانے کی صورت میں وہ اسے رکشے میں ڈال کر دینی مدرسے لے جائے۔ جب ہم بکرا منڈی پہنچے تو خوش قسمتی سے ہمیں جلد ہی مناسب قیمت پر ایک بکرا مل گیا۔ جب میں نے بکرے کو لے جانے کے لئے رکشہ روکنا چاہا تو اس نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور یہ تجویز پیش کی کہ وہ بکرے کو پکڑ کر اسکوٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائے گا۔ چنانچہ اس نے وہی کیا۔ پہلے وہ سیٹ پر بیٹھا، اس کے بعد اس نے ایک آدمی کی مدد سے بکرے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور ہم اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

ابھی ہم نے نصف فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ بکرے نے اپنے آپ کو گرفت سے آزاد کرا لیا اور چلتے اسکوٹر سے چھلانگ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہم نے فوراً اسکوٹر روکا اور گونگلو کو بکرے کا پیچھا کرنے کے لئے

چٹ پٹے

اپنی زوجہ سے کہا اک مولوی نے نیک بخت
تیری تربت پہ لکھیں تحریر کس مفہوم کی
اہلیہ بولی عبارت سب سے موزوں ہے یہی
دفن ہے بیوہ یہاں پر مولوی مرحوم کی

☆

میڈم کی ڈانٹ سن کے ملازم پکار اٹھا
ہر چند مسخرہ ہوں گو بہرہ نہیں ہوں میں
لیکن کلام کیجئے مجھ سے ادب کے ساتھ
نوکر ہوں آپ کا شوہر نہیں ہوں میں

ڈاکٹر فیاض محمد مغل۔ اسلام پور، مانسہرہ

کہا۔ وہ ہمارا اشارہ پاتے ہی اس کے پیچھے یوں دوڑ پڑا جیسے فیلڈر گیند کے پیچھے دوڑتا ہے لیکن چونکہ بکرا جنگلی تھا اور روڈ بھی کھلی تھی اس لئے دوڑنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آرہی تھی۔ گونگلو اس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے بری طرح ہانپنے لگا مگر وہ ہاتھ نہیں آیا۔ حسن اتفاق سے سامنے چند دیہاتی پیدل مارچ کرتے ہوئے آرہے تھے، ہم نے انہیں بکرا پکڑنے کے لئے کہا انہوں نے گھیرا ڈال کر اسے دبوچ لیا اور ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم نے اسے واپس اسکوٹر پر ڈالا اور احتیاط کے طور پر اس کی اگلی دونوں ٹانگوں کو رسی سے باندھ دیا تاکہ اسکے دوبارہ فرار ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ کچھ ہی دیر بعد ہم اسے لے کر دینی مدرسے پہنچ گئے۔ مدرسے والوں نے جب موٹا تازہ بکرا دیکھا تو اتنے خوش ہوئے کہ جیسے ان کی لاٹری نکل آئی ہو۔ انہوں نے فٹافٹ رسید کاٹ کر ہمارے حوالے کی اور بکرے کو وصول کرنے کے بعد کھونٹے کے ساتھ باندھ دیا۔

تقریباً دو ماہ بعد بقر عید آگئی۔ اس دوران ہم اس واقعے کو بالکل بھول گئے۔ ایک دن میں نے گونگلو سے کہا کہ کل قربانی کے لئے بکرا لینے بکرا منڈی جانا ہے، تم تیل مالش کر لینا۔ یہ آرڈر سن کر وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا اور بار بار سر کھجانے لگا۔ ہم یہ سمجھے کہ اسے سر میں خارش ہو رہی ہے۔ چند لمحوں میں ہی وہ لیول پر آگیا اور حیرت سے کہنے لگا۔

''ہمیں بکرا لینے کی کیا ضرورت ہے، ہمارے پاس تو بکرا پہلے ہی موجود ہے۔''

یہ بات سن کر ہم سوچ میں پڑ گئے کہ ہم نے تو بکرا سرے سے لیا ہی نہیں ہے، پھر اس نے کیسے دیکھ لیا۔ چنانچہ ہم نے اس سے پوچھا۔

''جہاں تک ہمیں یاد ہے، ہم نے اب تک قربانی کے لئے کوئی جانور نہیں خریدا۔ پھر تم یہ کیسے کہہ رہے ہو کہ ہمارے پاس تو بکرا موجود ہے؟''

اس نے ہمیں یاد دلاتے ہوئے کہا ''ہمارا بکرا تو مدرسے میں بندھا ہوا ہے۔ ہمیں اور بکرا خریدنے کی کیا ضرورت ہے؟''

تب مجھے دو ماہ پہلے والا قصہ یاد آ گیا جب ہم نے مدرسے والوں کو صدقے کا بکرا دیا تھا۔ وہ اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ ہمارا بکرا مدرسے والوں کے پاس بطور امانت موجود ہے اور جب چاہیں اسے واپس لیا جا سکتا ہے۔

کھانے پینے کے معاملے میں وہ بڑا شیر واقع ہوا تھا۔ روٹیوں کا تو وہ خاص طور پر دشمن تھا۔ ایک وقت میں پانچ چھ روٹیاں آرام سے ڈکار جاتا تھا۔ اس کے باوجود بھوک کم لگنے کی شکایت کرتا تھا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق وہ دن میں دس پندرہ کپ چائے پی جاتا تھا۔ ہماری دکان کے سامنے مختلف ٹھیلے والے کھڑے رہتے تھے کوئی تربوز اور پپیتا بیچتا تھا تو کوئی حلیم لگاتا تھا۔ ایک ٹھیلے والا بریانی لگاتا تھا جب کہ دوسرا گنڈہ گولا اور فالودہ بیچتا تھا۔ ان تمام ٹھیلے والوں سے اس کی گہری دوستی تھی کیونکہ وہ اکثر ان سے گپ شپ لڑایا کرتا تھا۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ بریانی کھانے کے بعد کچھ چاول بچا دیتے ہیں، اسی طرح پپیتا یا تربوز کھانے کے بعد کچھ حصہ بچا دیتے ہیں چونکہ ٹھیلے والوں سے اس کی پکی دوستی تھی۔ اس لئے وہ اپنا بچا کھچا مال پلیٹ میں جمع کر کے اس کے حوالے کر دیتے تھے جسے وہ منٹوں میں یوں چٹ کر جاتا تھا جیسے سنڈی فصل کو کھا جاتی ہے۔ اس طرح شام تک وہ قسم قسم کے مال مصالحوں کی کئی پلیٹیں ہضم کر جاتا تھا اور پھر بھی بھوکا رہتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے پیٹ میں کئی ڈویژن کیڑے موجود ہیں جو اس کا کھایا ہوا مال فوراً ہڑپ کر جاتے ہیں جس کے نتیجے میں اسے بار بار ریفلنگ کرنا پڑتی ہے۔

ایک روز میں اسے ساتھ لے کر ایک دعوت میں چلا گیا۔ وہاں پر سب رنگ کے کھانے موجود تھے۔ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ ایسی دعوتوں میں مال وافر اور کھلا ہوتا ہے اور لوگ جی بھر کر اگلی پچھلی کسریں نکالتے ہیں، وہ یہ نہیں سوچتے کہ پلیٹ پرائی ہے مگر پیٹ تو اپنا ہے---

کھانے کے دوران وہ ہمارے برابر کھڑا تھا۔ اس کا منہ یوں چل رہا تھا جیسے گھاس کاٹنے والی مشین چلتی ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو عرض کریں کہ وہ بریانی اور قورمے پر یوں ٹوٹ پڑا جیسے اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ چیزیں دیکھی ہوں۔ مرغ کی رانوں پر اس کی خاص نظر تھی۔ وہ انہیں یوں چیر پھاڑ رہا تھا کہ اگر کوئی بلا بھی یہ سین دیکھ لیتی تو شرم سے منہ چھپا لیتی۔ وہ اگرچہ سر جھکا کر اپنے کام میں مشغول تھا مگر وہ اکثر لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہم بھی جانفشانی سے اس کا اسکور ریکارڈ کر رہے تھے۔ جب اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچا تو اعداد و شمار سے کہ پتا چلا کہ اس نے پانچ پلیٹ بریانی، دو پلیٹ زردہ، پانچ عدد نان مع دو پلیٹ قورمہ اپنے پیٹ کے گودام میں اتارے ہیں جب کہ مرغی کی ان گنت رانیں اور کھیر کی ایک سپر پلیٹ اس کے علاوہ تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں اسے بھاپ کے اخراج کے لئے چورن کی اچھی خاصی مقدار پھانکنا پڑی۔

گونگلو کے دلچسپ کارنامے ابھی جاری ہیں مگر چونکہ مضمون کافی لمبا ہوتا چلا جا رہا ہے اس لئے اس کے بقایا کارنامے پھر کبھی بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆

واپسی

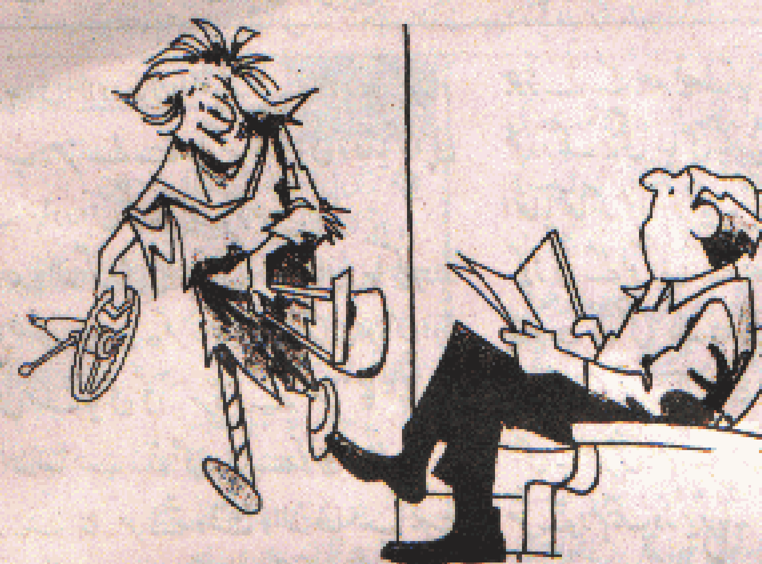

☆ حاجی پرویز اختر

نوید ظفر کیانی

چند ماہ ہوئے ہمارے محلے میں ایک ادھیڑ عمر شخص نے جس کا نام فضل دین ہے، ایک مکان جو کہ ایک رکنی سرکاری وفد کی طرح ایک ہی کمرے پر مشتمل ہے، کرایہ پر لیا۔ فضل دین نے تقریباً چالیس سال پہلے میٹرک پاس کیا تھا اور ابھی تک نوکری تلاش کر رہا ہے۔ آدمی ہمت والا ہے۔ پیدائشی بے روزگار ہوتے ہوئے بھی ایک عدد بیوی گلے میں لٹکائے پھرتا ہے۔ فٹ پاتھ پر جوتے مرمت کرنے کا اس کا ایک "شوروم" ہے جس سے دال روٹی چلتی ہے۔ اس کا ایک بہت ہی پیارا گول مٹول سا لڑکا ہے۔ یہ بچہ عام بچوں سے کافی مختلف ہے۔ بڑی پکی پکی باتیں کرتا ہے۔ چند دن ہوئے اس بچے کو مسلمانی بٹھایا گیا۔ فضل دین خود لڈو دینے آیا تھا جس کے جواب میں مجھے بھی ان کے گھر مبارکباد مع صد روپے دینے جانا پڑا--- بچہ مجھ سے کافی مانوس تھا۔ جب میں ان کے گھر گیا تو اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ میں نے پوچھا۔

"ببلو میاں! کیسے ہو--- کہو، مسلمانی بیٹھ گئے؟"

"نہیں، انکل! میں بالکل ٹھیک ہوں--- پتہ ہے، آج نائی تایا نے میرے ساتھ مذاق کیا۔ کہنے لگا کہ ببلو! اوپر دیکھو، وہ سونے کی چڑیا جا رہی ہے۔ مجھے ہنسی تو بہت آئی لیکن اس بیچارے کا دل رکھنے کے لئے میں نے اوپر دیکھ لیا اور اس نے استرا چلا دیا۔ بالکل ایسے جیسے ہر سال بجٹ کے موقع پر حکومت لوگوں کو سنہری مستقبل کے خواب دکھا کر ٹیکسوں کے استرے سے پوری قوم کے ختنے کر دیتی ہے۔"

ببلو کی اس خوبصورت تشبیہ سے بہت محظوظ ہوا اور ہنستے ہوئے کہا۔

"بیٹا! تم اپنی عمر سے بہت بڑی باتیں کر رہے ہو۔"

"انکل! آپ مذاق نہ سمجھیں آج میں آپ کو ایک بہت مزیدار کہانی سناؤں گا جو بالکل سچی ہے لیکن پہلے آپ میرے ابو، امی کو کہیں کہ وہ آدھے گھنٹہ تک اندر نہ آئیں۔"

فضل دین دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا، کہنے لگا۔

"ببلو! آرام سے لیٹے رہو--- بھائی صاحب کو تنگ نہ کرو۔"

میں نے کہا۔ "فضل دین! بچہ بہت پیاری پیاری باتیں کر رہا ہے، اسے مت روکو اور میری فکر نہ کرو۔ میں نے کونسا کابل فتح کرنے جانا ہے، میں بالکل فارغ ہوں۔"

"جیسے چاچے بھتیجے کی مرضی---"

یہ کہہ کر فضل دین مسکراتا ہوا دروازے سے ہٹ گیا۔

"ہاں تو، ببلو! اب اپنی کہانی سناؤ۔"

"انکل! پہلے آپ وعدہ کریں کہ میری کہانی غور سے سنیں گے اور بیچ میں بولیں گے نہیں۔"

"ٹھیک ہے، بھئی! ایسا ہی ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"انکل ہنسیئے نہیں، گو میری عمر صرف چار سال ہے لیکن یقین کریں میں ایک اور عمر جس کی طوالت ستر سال ہے، بھگتا چکا ہوں--- آپ بولیں نہیں، میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں۔"

میرے دادا ایک ہندو تھے۔ چماروں کا کام کرتے تھے۔ اپنی برادری کے ساتھ بریلی شہر کی ایک الگ تھلگ بستی میں رہتے تھے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں ایک اصلی جنگِ آزادی لڑی گئی جسے ہمارے صاحب لوگ غدر کے نام سے یاد کرتے ہیں--- ہمارے دادا نے ایک گورے صاحب بہادر کی جو بہت بڑے عہدہ دار تھے۔ جان بچائی اور اپنی جھگی میں دس دن چھپائے رکھا۔ جنگِ آزادی میرے دادا جیسے لوگوں کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ مغلوں کی حکومت کا دھڑن تختہ ہوگیا اور میرے دادا کو وفاداریوں کے صلے میں ایک بہت بڑی جاگیر دینے کا فیصلہ ہوا۔ دادا نے پنجاب کے علاقے میں جاگیر عطا کرنے کی درخواست دی تاکہ وہاں کوئی جاننے والا نہ ہو۔ درخواست منظور ہوئی،

دادا صاحب مسلمان نام، چوہدری دلاور خان اختیار کرکے بطور جاگیردار پنجاب میں وارد ہوئے۔ خوب دھڑلے سے جاگیرداری کی رعایا کو اپنی جوتی کے نیچے رکھا اور صاحب بہادروں کی جوتیوں کو سر پر سجایا۔

دادا کی وفات کے بعد والد گرامی چوہدری جابر خان جاگیردار بنے۔ والد صاحب نے دادا حضور سے بڑھ کر سرکار کا حق نمک ادا کیا اور رعایا کے جگر چھید کر اس میں نمک پاشی کی۔ سرکار سے "سر" کا خطاب حاصل کیا۔ خدا خدا کرکے والد صاحب نے بھی دنیا سے کوچ کیا اور تاج جاگیرداری میرے سر کی زینت بنا۔ مرتے وقت والد صاحب بہت پریشان تھے کہ لوگ انہیں بُرے لفظوں سے یاد کریں گے کیوں کہ مرتے دم تک انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جس سے لوگوں کا بھلا ہوتا---میں نے والد صاحب سے وعدہ کیا کہ آپ بے فکر ہو کر مریں، لوگ آپ کو بہت اچھے طریقے سے یاد کیا کریں گے۔

"وہ کیسے---؟"

والد صاحب نے بستر مرگ پر کراہتے ہوئے پوچھا۔ جواباً میں نے ایک بادشاہ کی کہانی سنائی جس کا حکم تھا کہ مُردوں کو قبر میں اتارنے سے پہلے کفن اتار کر فروخت کرکے رقم شاہی خزانے میں جمع کروا دی جایا کرے۔ مرتے وقت بادشاہ بھی آپ کی طرح فکر مند تھا کہ لوگ اسے برا کہا کریں گے لیکن ولی عہد نے بادشاہ سے وعدہ کیا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ لوگ بادشاہ کے قصیدے گایا کریں گے---بادشاہ نے بھی آپ کی طرح پوچھا تھا کہ وہ کیسے؟---تو ولی عہد نے جواب دیا تھا کہ میں جب بادشاہ بنوں گا تو حکم دوں گا کہ مُردوں کے کفن اتارنے کے بعد ایک عدد کیکر کا کِلّہ مُردوں کے گلے میں ٹھونس دیا جائے تاکہ سند رہے۔ بادشاہ اپنے ہونہار ولی عہد کی فہم و فراست سے بہت مسرور ہوا اور خوشی سے تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا---بالکل ایسے ہی میں بھی آپ کے بنائے ہوئے نظام میں ایسے ایسے اضافے کروں گا کہ لوگ آپ کو یاد کر کے رویا کریں گے، آپ بے فکر ہو کر وفات پائیں لہٰذا والد صاحب بھی بے فکر ہو کر سسک سسک کر مر گئے۔

اسی اثناء میں تقدیر کیا الٰہی سے یہ ملک تقسیم ہو گیا۔ ایک انتہائی بے خوف اور بے لچک آدمی جسے عوام نے عظیم قائد کا لقب دیا ہوا تھا، ہمارے والے ملک کا سربراہ بنا۔ شروع شروع میں ہم پاور پاکٹ والے لوگوں کی رات کی نیندیں اور دن کا چین حرام ہو گیا۔ ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں یہ نڈر لیڈر ہم پر نہ چڑھ دوڑے لیکن عوام کی بدقسمتی اور ہماری خوش قسمتی کہ عمر نے اس سے وفا نہ کی۔ اس کے بعد پھر ہم تھے اور یہ نیا ملک۔ نہ کوئی روکنے والا، نہ کوئی ٹوکنے والا۔ ہم لوگوں نے سر جوڑنے کے بعد فیصلہ کیا کہ ہر اہم شعبے میں اپنی آل اولاد کو بٹھا دیں اور خود رنگ برنگی سیاسی پارٹیاں بنا کر عوام کو بیوقوف بنائیں۔ ہم نے حلف اٹھایا تھا کہ عوام کو ایک بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیں گے کیوں ان دو کوڑی کے لوگوں نے ہمارے معزز و مکرم آقاؤں کے خلاف نہ صرف بغاوت کی تھی بلکہ ہماری چھاتیوں پر مونگ اور مسور کی دالیں دلتے ہوئے ایک نیا ملک بنا ڈالا تھا۔ اس جرم کی جتنی بھی سزا دی جاتی کم تھی۔ الغرض ہم نے اس پورے ملک کو اپنی جاگیر بنا لیا۔ میں بذات خود مرتے دم تک وزیر رہا۔

حکومت کوئی بھی ہوتی، میری صحت پر کوئی اثر نہ پڑتا کیونکہ میری پارٹی کا نام ہی حکومتی پارٹی تھا۔ پھر کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ ایک دن میں اپنے محل کی سیر کرتا ہوا اچانک اپنی منجھلی بیگم جو کہ عمر میں مجھ سے ایک بٹہ چار تھی، کے کمرے میں جا پہنچا اور کیا دیکھتا ہوں کہ بیگم ایک کم ذات نوکر کے ساتھ بہت فری ہو کر بیٹھی ہے۔ یہ روح پرور منظر دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا اور اتنا کھولا کہ میں غصے اور غم کی شدت سے شل ہو گیا۔ پھر مجھے دل کا دورہ پڑا اور میں وہیں ڈھیر ہو گیا۔ ملازم موقع پاتے ہی فرار ہو گیا۔ بیگم پہلے تو خوفزدہ رہی لیکن جب اسے اندازہ ہو گیا کہ اب میری زبان ہمیشہ کے لئے بند ہوا ہی چاہتی ہے تو اس کی سانس میں سانس آئی۔

پورے محل میں کہرام مچ گیا۔ مجھے مرض الموت لاحق ہو چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ میری آنکھوں سے پردے اٹھنے شروع ہو گئے۔ اس سے آگے بہت۔ ساری باتیں آفیشل سیکرٹ ایکٹ کے تحت آتی ہیں جن کا افشاء کا حکم نہیں ہے البتہ جو باتیں بتانے سے منع نہیں کیا، وہ میں بیان کرتا ہوں۔

دو انتہائی ہیبت ناک کارندے جو ملک الموت صاحب کے اسسٹنٹ تھے مجھ پر مسلط ہو گئے۔ ملک صغیر پاؤں سے روح کھینچتا ہوا ناک تک لاتا جب روح نکلنے والی ہوتی تو ملک کبیر عین میری ناک کے سوراخوں پر لات مار کر واپس کر دیتا۔ روح ایسے واپس جاتی جیسے ربڑ کو کھینچ کر چھوڑ دیا جائے۔ یہ کھینچا تانی سات دن تک بلا ناغہ جاری رہی اور میں سینکڑوں بار مرا۔ آخر ساتویں دن ایک بار جب ملک صغیر روح کھینچتا ہوا ناک تک لایا اور ملک کبیر لات رسید کرنے ہی والا تھا کہ اسے پیٹھ پر کھجلی ہونے لگی۔ وہ لات مارنے کی بجائے کھجانے لگا، یوں میری روح باہر آ گئی۔

دوسرے جہاں میں یہ میرے استقبال کی ابتدا تھی۔ میری آخری ہچکی کے ساتھ ہی تمام عزیز و اقارب نے اطمینان کا سانس لیا۔ جب

نوید ظفر کیانی

میری لاش سے لپٹ لپٹ کر دھاڑیں مارنے لگے۔ اب چونکہ میری آنکھوں سے حجاب اٹھ چکے تھے لہٰذا میں دیکھ رہا تھا کہ حقیقتاً کسی ایک کو بھی میرے مرنے کا افسوس نہ تھا بلکہ سب کے اندر لڈو پھوٹ رہے تھے--- ملک کبیر صاحب نے میرے گلے میں کئی بدبودار طوق ڈالے اور آخر میں ایک موٹی مونجھ کی رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے چل پڑے۔ میرے ساتھ دائیں بائیں دو منشی ٹائپ ملک صاحبان بھی تھے۔ دائیں طرف والا اطمینان سے بال پوائنٹ کانوں میں اڑسے ڈائری نما کاپی جیب میں ڈالے مزے مزے سے ٹہلتا ہوا چل رہا تھا جبکہ بائیں طرف والے کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ سینکڑوں بڑے بڑے بھی کھاتہ نما ڈائریاں اٹھائے چاک و چوبند خچر نما جانور نازل ہوئے جن کے بڑے بڑے پَر تھے۔ بائیں طرف والے ملک نے ایک جانور کو ریڑھے کے آگے جوت لیا۔ تین جانوروں پر باقی ملک صاحبان سوار ہو گئے اور آخری جانور کے گلے میں میری رسی باندھ دی گئی۔ مجھے جانور پر سوار ہونے کی اجازت نہ تھی۔ پھر ہمارا قافلہ محوِ پرواز ہو گیا بلکہ میں تو لٹکا نہ تھا کیونکہ میں لٹکا ہوا تھا۔ ان جانوروں کی رفتار سپر سانک جیٹ طیاروں سے بھی ہزاروں گنا زیادہ تھی۔ آناً فاناً ہم زمین کے مدار سے باہر نکل گئے۔ پھر سولر سسٹم یعنی، نظامِ شمسی کو کراس کر کے کہکشاں میں داخل ہو گئے۔ زماں و مکاں کی قید ختم ہو گئی تھی۔ نہ دن تھا نہ رات، بس یہ وسیع ولامحدود کائنات تھی اور ہم۔

میرا لٹکے لٹکے بُرا حال ہو گیا۔ کئی بار غشی کے دورے پڑے لیکن بے سود کیوں کہ سکون کے لئے میرے پاس ایک ہی ٹرپ کا پتا تھا، یعنی موت جو میں ضائع کر چکا تھا اور اب موت جیسی نعمت سے محروم ہو چکا تھا--- قصہ مختصر، قافلے نے ہزاروں کہکشائیں عبور کی اور پھر ایک انتہائی سرد سیارہ پر ہمارا پڑاؤ ہوا۔ ہر طرف برف ہی برف تھی۔ ایک بہت بڑی عمارت میں جس کے عین گیٹ پر سیکریٹ نمبر ۳۰۳ لکھا ہوا تھا، ہم داخل ہو گئے۔ ہمیں استقبالیہ میں بٹھا کر ملک کبیر دفتروں کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آ کر اس نے کوچ کا حکم سنا دیا۔ ملک صغیر نے پوچھا۔

''کیوں، جناب! کیا ہوا؟''

''ہمارا متعلقہ دفتر یہاں سے شفٹ ہو گیا ہے۔''

''کہاں---؟''

''کہکشاں نمبر ۴۵، سیارہ لوٹا بمقام و ڈاکخانہ خاص--- لہٰذا اب مزید دیر مت کرو۔''

''فوراً مارچ کرو---''

11
12

پوسٹ مارٹم

- جرمنی کی آدھی عورتیں طلاق یافتہ ہیں۔
- ☆ باقی نصف غیر شادی شدہ ہیں۔
- بن مانس نے جرمن سیاح کے کپڑے اتار لیے۔
- ☆ ڈارون کا نظریہ پڑھ لیا ہوگا۔
- اٹلی میں جنگلی ہرن نے توڑ پھوڑ کر کے تباہی مچادی۔
- ☆ واپڈا والوں کا ستایا ہوا ہوگا۔
- شیخ رشید نے عوامی مسلم لیگ قائم کرلی۔
- ☆ مگر اس میں عوام ڈالنا بھول گئے۔
- الزبتھ ٹیلر نویں شادی پر تیار۔
- ☆ کیا شادیوں کی سلور جوبلی کرنے کا ارادہ ہے؟
- لوڈشیڈنگ جلد ختم ہو جائے گی۔
- ☆ بھی ختم نہیں ہوگی کیونکہ ستاروں کو لوڈشیڈنگ کی عادت پڑ چکی ہے۔
- دس سال کی عمر میں میٹرک پاس کرلیا۔
- ☆ تو گویا آگے چل کر یہ دنیا کا سب سے کم عمر گریجوایٹ ہوگا جو بیروزگار ہوگا۔
- ممبئی کو دہشت گردوں سے پاک کر دیا گیا۔
- ☆ کیا ممبئی اتنی غیر محفوظ ہو گئی ہے کہ دہشت گرد بھی وہاں رہنا پسند نہیں کرتے؟
- چار بیویوں کا شوہر حادثے میں ہلاک۔
- ☆ گویا بیک وقت چار عورتیں بیوہ ہو گئیں۔
- ٹیلیفون کنکشن کے بغیر بل کا اجراء۔
- ☆ زائد اور غلط بلنگ کی مشق ہو رہی ہے۔
- بھارت میں دو بھائیوں نے ایک ہی خاتون سے شادی کرلی۔
- ☆ مہنگائی کا شاخسانہ---
- چار سال بعد رہا ہونے والا شاعر بازیاب۔
- ☆ آفرین ہے ان ڈاکوؤں پر جنہوں نے ایک شاعر کو چار ماہ تک برداشت کیا۔
- ساٹھ سالہ شخص پرانی دشمنی کی نذر ہو گیا۔
- ☆ کوئی بات نہیں بندہ بھی تو پرانا تھا۔
- شاہ رخ سے شادی کے لیے اس کی بیوی کو قتل کر سکتی ہوں۔
- ☆ بی بی! یہ کون سی فلم کا ڈائیلاگ ہے؟
- ٹرین کے آگے لیٹ کر خودکشی کرلی۔
- ☆ گویا بغیر ٹکٹ اگلے جہان پہنچ گیا۔
- سفید فام جرمن جوڑے کے ہاں جڑواں بچوں کی پیدائش۔ ایک گورا دوسرا کالا ہے۔
- ☆ کالوں اور گوروں کے اتحاد کا بے مثال مظاہرہ۔
- بھارت میں پوسٹ مارٹم سے پہلے مردہ زندہ ہو گیا۔
- ☆ ڈاکٹروں کی دہشت کا اثر!
- بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا۔
- ☆ بڑی مچھلیاں کانٹا اور شکاری دونوں نگل جاتی ہیں ان سے کون پنگا لے سکتا ہے؟
- کراچی سٹی کورٹ میں کوا سپاہی کی ٹوپی لے اڑا۔
- ☆ تو گویا چوروں کو پڑ گئے مور۔
- بھارت میں گائے اور بیل کی دھوم دھام سے شادی۔
- ☆ انسانوں سے تو بیل ہی اچھے ہیں کہ شادی بھی ہوئی اور جشن بھی ہوا۔
- ملک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی۔
- ☆ حقوق ہیں ہی کہاں کہ جن کی خلاف ورزی ہوگی۔

ظفر ندیم وہرہ، حیدر آباد

ملک کبیر نے حتمی حکم سنایا اور ہم ایک بار پھر کائنات بیکراں میں محوِ پرواز تھے۔ دورانِ سفر عجیب و غریب مخلوقات کا مشاہدہ ہوا۔ ہر لمحہ ایک نئی دنیا آشکار ہوتی تھی، ہماری محدود دنیا میں ان کی کوئی مثال موجود نہیں ہے لہٰذا فنی خرابی کی وجہ سے اس سفر کا آنکھوں دیکھا حال نہ ہی دکھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنایا جا سکتا ہے---آخر کار ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ سیارہ لوٹا ہماری زمین سے کئی گنا بڑا تھا۔ اس کی شکل ہو بہو لوٹے جیسی تھی۔ ہم اس کی ٹونٹی جو بہت ہی بڑی تھی کے سامنے ملک اے جی (آڈیٹر جنرل) کی تختی لگی ہوئی تھی، کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اے جی ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ فائل سے نظریں ہٹائے بغیر درست لہجے میں بولا۔

"کہو، کیا بات ہے؟"

ملک کبیر نے مودبانہ جواب دیا۔ "جناب! ہم آڈٹ کے لئے ایک کیس لائے ہیں۔ مہربانی فرما کر اس کی ایف۔ ایس۔ اے (فائینل اسٹیٹمنٹ آف اکاؤنٹ) تیار کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔"

اے جی فائل چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہوا اور سوال کیا۔ "کہاں کا کیس ہے؟"

"جناب! یہ زمین کا کیس ہے۔" ملک کبیر نے جواب دیا۔

"کون سی زمین---؟"

"سر! وہ نظام شمسی والی---!"

"او۔ آئی۔ سی---یعنی خلیفوں والی زمین---؟"

"یس، سر! بالکل وہی---"

"اچھا، تو آپ لوگ ایک خلیفہ صاحب کا آڈٹ کروانا چاہتے ہیں۔"

"یس، سر---!"

"لیکن پہلے پروٹوکول پورا کرو---خلیفہ صاحب کو سلامی والے چبوترے پر جا کر اکتیس توپوں کی سلامی دلواؤ، پھر عزت و احترام سے میرے پاس لاؤ۔"

"سر! یہ وہ والے خلیفہ نہیں ہیں۔"

"وٹ---کیا یہ جناب آدم صاحب کی نسل سے نہیں ہیں جن کو ہم سب نے ماتھوں کے بل سلامی دی تھی؟"

"سر! یہ نسل تو اسی سے ہیں لیکن یہ خلاف کام کرنے والے خلیفہ ہیں---پہلے اس کے دائیں اور بائیں والے اکاؤنٹنٹ صاحبان سے اس کے متعلق سرسری پوچھ لیں۔"

"او کے! تو مسٹر لیفٹ اکاؤنٹنٹ! اس کا بدی بیلنس اندازاً کتنا ہو ہے؟"

"جناب! یہ جو ریڑھے پر ڈھیر لگا ہوا ہے اور جس سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہیں کہ تمام اس اکیلے کے کرتوتوں کی سٹیٹمنٹس ہیں۔"

"ویری بیڈ---اور رائیٹ اکاؤنٹنٹ! تمہارے اکاؤنٹ میں اس کا کیا بیلنس ہے؟"

"سر! میرے اکاؤنٹ میں اس کی بیلنس شیٹ بالکل کوری ہے۔ جیسے لے کر گیا تھا، ویسی ہی واپس لے آیا ہوں۔"

اے جی کا پارہ یک لخت چڑھ گیا اور گرج کر بولا۔ "یعنی ایک بھی نیکی نہیں---اچھا ہے، اسے فوراً میری نظروں سے دور کرو لیکن ٹھہرو، پہلے اس کی ٹنڈ کرو۔ ہیئر سٹائل ایسا بنایا ہوا ہے جیسے حساب کتاب دینے کی بجائے کسی فلم کی شوٹنگ میں حصہ لینے آیا ہو۔ اس کے بعد پروٹوکول نمبر دو پر عمل کرو---پروٹوکول نمبر دو کا پتہ ہے، نا؟"

"یس، سر! ٹنڈ کے بعد اس کے چہرے پر سیاہ پینٹ کا ڈبل کوٹ کیا جائے گا۔ پھر گدھے پر الٹا سوار کروا کر اس کے گلے میں اس کا شجرہ نسب لٹکایا جائے گا۔ بعد میں یہاں موجود اس کے ہم جنسوں کی آبادی میں اسے سیر کروائی جائے گی۔" ملک کبیر نے پراٹوکول نمبر دو کی تفصیل بیان کی۔

یہ روح فرسا تفصیل سن کر میری گھگھی بندھ گئی اور میں نے التجائیہ اے جی سے گزارش کی۔

"جناب! برائے مہربانی پراٹوکول نمبر دو منسوخ کر دیں۔ میں دنیا میں ایک ملک کا وفاقی وزیر تھا، میرا کچھ تو خیال فرمائیں۔"

اے جی نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اپنے جرم کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے۔ تمہارے جدِ امجد کے اندر ربِ عظیم نے اپنا خاص جوہر رکھ کر ملک صاحبان سے سجدہ کروایا تھا اور پھر خاص کر تم لوگوں پر اپنی نعمت تمام فرما دی۔ تم نے ان سب کی نہ صرف ناقدری اور ناشکری کی بلکہ تم توہین عنایات جیسے ناقابلِ معافی جرم کے مرتکب ہوئے۔ تم کسی رو رعائت کے مستحق نہیں ہو---لے جاؤ اس غلاظت کے ڈھیر کو یہاں سے اور جو حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل کرنے کے بعد دوبارہ اسے یہاں لاؤ تاکہ باقی کارروائی مکمل کی جا سکے۔"

یہاں سے آگے کی داستانِ الم بہت ہی الم ناک ہے۔ مجھے گدھے پر الٹی سواری کے دوران اپنے آنجہانی ہم جنسوں کی دنیا میں پھرایا گیا۔ وہاں بہت ہی دردناک منظر دیکھے۔ میرے کئی آنجہانی، ہم جولی جو دنیا میں ممتاز شخصیات ہوا کرتے تھے، بہت ذلت آمیز گزر بسر کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر میں نے جو اپنے کی نمکین لوگوں کے ٹور دیکھے

نوید ظفر کیانی

بتاتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔۔۔ الغرض کئی بھیانک مراحل گزرنے کے بعد مجھے دوبارہ اے جی جس کے پاس مجسٹریٹ درجہ اول کے اختیارات بھی تھے، کے سامنے پیش کردیا گیا۔ میری بدیوں کو کمپیوٹر کے ذریعے شمار کیا گیا۔ اس یکطرفہ اکاؤنٹ جس میں صرف جمع ہی جمع تھی کو دیکھ کر اسے اے جی نے لال پیلے چہرے سے فیصلہ صادر کیا۔

"چونکہ مجرم کے اکاؤنٹ میں ایک بھی نیکی نہیں ہے۔ جس کو ضرب در ضرب دے کر اور کئی گنا بڑھا چڑھا کر اس کی بدیوں پر حاوی کیا جاتا یا تفریق کیا جاتا اور اس کو جنت یا دوزخ میں رہائش کے لئے این او سی جاری کیا جاتا لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ مجرم کو دوبارہ اسی ملک میں جہاں یہ حکمران ٹولے میں ستر سال گزار چکا ہے، وہاں عام آدمی کی صورت میں لوٹا دیا جائے اور مزید حکم دیا جاتا ہے کہ مجرم نئی زندگی میں جس کی طوالت ستر ہی سال ہوگی، اتنی نیکیاں لائے جتنا اب یہ گند لایا ہے۔"

یہ خوفناک سزا سن کر میں چیخ پڑا" یہ سزا بہت سخت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے جہاں میں ستر سال تک جاگیردار اور مرتے دم تک وزیر رہا ہوں، وہاں ایک عام آدمی کی زندگی گزاروں؟۔۔۔ میں احتجاج کرتا ہوں اور تحریکِ استحقاق پیش کرتا ہوں۔"

"او، یو شٹ اپ۔۔۔ یہ استحقاق وتحقاق کے چونچلے وہاں تم لوگوں کے خود ساختہ ہیں۔ یہاں ہر ایک کے لئے ایک طریقہ کار مقرر کیا ہوا ہے، کسی کو اس سے انحراف یا تجاوز کا اختیار نہیں ہے۔ تمہیں جو سزا سنائی گئی ہے، یہ میں نے تم لوگوں کی طرح اپنی صوابدید پر نہیں سنائی بلکہ تم جیسے بدکردار مجرموں کے لئے یہی حکم ہے اور یہ عین انصاف کے مطابق ہے کہ تم اپنے ہی بنائے ہوئے نظام جو تم نے دوسروں کے لئے گھڑا ہوا ہے، کے تحت اتنی ہی زندگی گزارو، جتنی تم نے آسمانی نظام کو ٹھکرا کر گزاری ہے۔۔۔ ڈیٹ از آل۔۔۔"

اتنے میں ایک مکروہ صورت بوڑھا خوشی سے جھومتا ہوا وارد ہوگیا۔ اسے دیکھتے ہی اے جی نے کہا۔

"او، مردود! تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔ تمہیں آنے جانے کی تو آزادی ہے لیکن خبردار تم کسی قسم کی مداخلت کے مجاز نہیں ہو۔"

بوڑھے نے اپنے اوپر مسکینی طاری کرتے ہوئے کہا۔" جناب! میں کسی قسم کی مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا بلکہ مجھے جب خبر ہوئی کہ ایک خلیفہ صاحب تشریف لائے ہیں جن سے ستر سال میں ایک بھی نیکی سرزد نہیں ہوئی تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں ان حضرت کا دیدار کرنے آگیا۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی دست بوسی کا شرف حاصل کرلوں۔"

"مردود! اسے ذلیل و رسوا کرکے اب دست بوسی کرنا چاہتا ہے؟" اے جی نے شکن آلود چہرے سے کہا۔

"نہیں، جناب! مجھے قسم ہے اس کی جس نے مجھے مہلت دی ہوئی ہے، میں نے ان حضرت کے کسی کام میں مداخلت نہیں کی اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی۔ میں صرف ایک بار ان کی طرف متوجہ ہوا تھا اور یہ دیکھ کر مطمئن ومسرور ہوگیا تھا کہ یہ تو اپنے بھی استاد ہیں۔"

"او کے، اب تم اس کا دیدار کرچکے ہو۔ اپنی منحوس شکل یہاں سے غائب کرو۔"

ان دونوں کی مکالمہ بازی سے مجھے حواس درست کرنے کی مہلت

نام میں کیا رکھا ہے

ہاں بھئی، بالکل۔ نام میں کیا رکھا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ حسینہ، مہ جبینہ کوئی ستر ویا اٹھارہ سال کی الھڑ حسینہ ہو۔ ذرا اپنے خیالات سے باہر آ کر دیکھئے۔ یہ ساٹھ سال کی اماں جو ایک ہاتھ میں لاٹھی تھام کر جا رہی ہیں، یہ بھی تو حسینہ ہے۔ ارے بھئی ان کا نام جو حسینہ بیگم ہے۔۔۔ اپنے اردگرد نظر دوڑایئے۔ کہیں آپ کو چھ بچوں کے ابا، ننھے میاں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگا تو کہیں کرکٹ ٹیم کی اماں بے بی باجی کا دیدار نصیب ہوگا۔ آج ہم آپ کو کچھ ایسے ناموں سے روشناس کرواتے ہیں جو در حقیقت بالکل برعکس ہیں۔۔۔ ہمارے گھر کے دائیں جانب بائیس سالہ منا رہتا ہے جو اپنے ڈیل ڈول کی بدولت کسی پہلوان سے کم نہیں۔ پہلے یہ والدین کا منا بیٹا اور بہنوں کا منا بھائی تھا۔ اب بھتیجے بھانجوں کا منا چاچا ہے اور مستقبل قریب میں ننھے سے منا پاپا بھی بن جائے گا لیکن رہے گا منا ہی۔۔۔ کچھ دور جائیے تو محلے بھر کی پیاری ڈاکٹرنی سے ملاقات ہوگی جنہوں نے بس باہر ہی سے سکول کا دیدار کیا ہے۔ بس اللہ کی شان ہے، جسے چاہے عزت دے۔۔۔ اب دیکھئے نام تو اس کا فرخ ہے لیکن جب اس کی زبان فرانے بھرتی ہے تو پورا محلہ پناہ مانگتا ہے۔ ریل ایکسپریس بھی اتنی تیزی سے نہیں دوڑتی جتنی تیزی سے اس کی زبان سے الفاظ پھسلتے ہیں۔۔۔ وہ سارے محلے کے بابو تھے لیکن ساری عمر یہ پتہ چل سکا کس سکول کے کلرک بابو تھے یا شہری بابو۔۔۔ اس کا نام سمیر (رات کو جاگنے والا) تھا۔ ماں باپ نام رکھتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن پھپھو کی ضد نے کام دکھایا اور آج وہ اتنا کاہل ہے کہ نہ صرف رات کو سوتا ہے بلکہ اس کی بیوی بمشکل صبح دس بجے جگا کر اسے آفس بھیجتی ہے۔۔۔ نام ان کا ہے پروفیسر بشارت (خوشخبری دینے والا) لیکن جب بھی کلاس میں آتے ہیں، کسی نہ کسی ٹیسٹ کی بدخبری سنا کر جاتے ہیں۔۔۔ سب اسے امیرہ کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کا نام ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ بے چاری غریب امیرہ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے گھر گھر جھاڑو پوچا لگا کر اس قابل ہوتی ہے کہ مہینے کے دو تین ہزار کما سکے۔۔۔ ہمارے ایک کزن ہیں، ان کا نام ہے شرافت مگر اتنے شرارتی اور اپنے نام کے برعکس ہیں کہ جو بھی دیکھے، نہ صرف ان سے بلکہ ان کے نام سے بھی پناہ مانگے۔۔۔ اب تو آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ نام میں کیا رکھا ہے۔ اب ہمارے نام دیا اور دعا ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دیا ہر وقت جلتی رہتی ہے اور دعا بھی نیک بی بی ہر وقت دعائیں مانگتی رہتی ہے اس لئے کسی بھی حسینہ کے نام کی پکار پر اپنے دل کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل نہ ہونے دیجئے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ حسینہ بی اماں کا ڈنڈا آپ کے سر پر پڑے اور سارے نازک خیالات کا بھوسہ نکل جائے۔

دیا علی، دعا علی، کوٹ چھٹہ

مل گئی۔ مگر وہ صورت بوڑھے کے غائب ہوتے ہی میں نے پے در پے کئی اپیلیں داغ دیں۔ پہلی رٹ پٹیشن میں میں نے موقف اختیار کیا کہ چونکہ میں کسی بحث و تحقیق کے بغیر ہی مجرم ثابت ہو چکا ہوں لہٰذا مجھے دوزخ میں ڈال دیا جائے۔۔۔اس اپیل کا یہ جواب ملا کہ دوزخ میں داخلے کے کچھ رولز ہیں۔ جن میں ایک رول یہ ہے کہ مجرم کا حساب کتاب ہو اور یاد رہے، یہاں رولز ریلیکس نہیں کئے جاتے۔ دوزخ تم جیسے مجرموں کو قبول نہیں کرتی لہٰذا اپیل مسترد کی جاتی ہے۔۔۔میں نے ایک اور رٹ پٹیشن دائر کی۔

"اگر عام آدمی کے روپ میں میری واپسی کا فیصلہ اٹل ہے تو مجھے یورپ کے کسی ملک یا امریکہ میں بھیجا جائے۔"

اس پر فیصلہ صادر ہوا۔ "تم دنیا میں واپس کسی تفریحی ٹور پر نہیں جا رہے بلکہ دوزخ سے بڑھ کر سزا بھگتنے جا رہے ہو لہٰذا پٹیشن خارج کی جاتی ہے۔"

میں نے آخری اپیل کی۔ "مجھے کم از کم اس خاندان کے بارے میں کچھ معلومات مہیا کی جائیں جن کے ہاں مجھے تولد ہونا ہے۔"

اس اپیل پر مثبت فیصلہ ہوا اور اے جی نے حکم دیا کہ اس کو مطلوبہ معلومات فراہم کر دی جائیں۔۔۔اس کے ساتھ اے جی نے کارروائی ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور مجھے ریکارڈ روم پہنچا دیا گیا جہاں مجھ سے پوچھا گیا کہ کن کن لوگوں کے بارے میں مجھے تفصیلات درکار ہیں۔۔۔ میں نے تھوڑی دیر غور کیا اور فرمائش کی کہ ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد جو بھی میرے ہونے والے دادا، پڑدادا وغیرہ گزرے ان سے لے کر باپ تک مختصر بتایا جائے۔۔۔اس کے بعد ویڈیو پر مجھے ٹریلر دکھائے گئے جن کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ میرے ہونے والے پڑدادا جن کا نام قراقلی اور خطاب بیکار بہادر تھا۔ آخری مغلیہ فرمانروا کے دربار میں ایک اہم عہدہ دار تھے۔ جب مغلوں کی حکومت کا دھڑن تختہ ہوا تو بیکار بہادر نے بڑی مشکلوں سے دارالحکومت سے فرار ہو کر جان بچائی۔ سب عزیز و اقارب فاتح فوج کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ جائیداد ضبط کر لی گئی۔ چھپتے چھپاتے بیکار بہادر پنجاب پہنچ گئے۔ محنت مزدوری کر کے اپنے بڑھے ہوئے پیٹ کی سپلائی بحال کی رفتہ رفتہ زندگی کی گاڑی پھر ہچکولے کھاتی چل پڑی۔ کچھ عرصہ بعد ایک موچی سے جو سڑک کے کنارے جوتے مرمت کرتا تھا، پڑدادا حضور کی علیک سلیک ہو گئی جس نے بعد میں اپنی اکلوتی اور بیوہ بیٹی کا رشتہ دے کر بیکار بہادر کو گھر داماد بنا لیا۔۔۔موچی کی وفات کے بعد پڑدادا نے اپنے سسر کی گدی سنبھالی اور میرے ہونے والے دادا تولد ہوئے۔ انہوں نے بھی ساری عمر جوتے مرمت کرتے ہی گزار دی۔ سوائے میرے ہونے والے والد کی پیدائش کے تمام عرصہ ان سے کوئی مفید کام سرزد نہ ہو سکا اور ہو بھی کیسے سکتا تھا، کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو تقسیم ہو چکا تھا اور حکمرانوں نے غریبوں کے حالات جوں کے توں رکھنے کا معقول اور پکا بندوبست کیا ہوا تھا۔ کیا مجال جو کوئی برابر بھی ترقی کر سکتا البتہ تنزلی کے تمام راستے وا تھے۔۔۔اس کے بعد میرے ہونے والے والد کا زمانہ آیا جو میری سابقہ جاگیر کے باسی ہیں۔

ویڈیو فلم کے بعد مجھے ایک ڈاکٹر نما ملک صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ مجھے وہاں سے ٹکٹکیں مارتا ہوا زمین تک لے آیا۔ پھر وقت مقرر پر میں تولد ہو گیا اور چار سال بعد ٹھنے کرا کر آپ کے سامنے پڑا ہوا ہوں اور، انکل اچھا ہے، یہ ٹاپ سیکرٹ کہانی میں نے آپ کو کیوں سنائی ہے؟"

میں ابھی تک حیرانی کے چکر میں غوطے کھا رہا تھا لہٰذا صرف "غوں غاں" کر کے رہ گیا۔ بہلو خود ہی بتانے لگا۔

"چونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ جس دن میرے ٹھنے ہوں گے، اسی رات ٹھیک بارہ بجے میرے دل و دماغ کے بلیک بورڈ پر ڈسٹر پھیر کر پچھلی تمام باتیں صاف کر دی جائیں گی۔ میری خواہش ہے کہ آپ میری یہ کہانی لکھ کر کسی اخبار وغیرہ میں بھیج دیں۔"

"بیٹا اس سے کیا ہوگا؟"

"انکل اسے پڑھ کر ممکن ہے یہ داروں والا طبقہ ہے، ان میں سے کسی کی سمجھ میں میری بات آ جائے کہ جو سولیاں انہوں نے عوام کے لئے تیار کر رکھی ہیں، ان پر وہ خود بھی چڑھائے جا سکتے ہیں اور اگر کوئی ایک بھی راہ راست پر آ گیا تو میری پہلی نیکی ریکارڈ ہو جائے گی اور آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ مجھے نیکیوں سے پیار بڑا ہی ملتا ہے۔"

"برخوردار! یہ "داروں والا طبقہ" سے تمہاری کیا مراد ہے؟۔۔۔دار تو سولی کو کہتے ہیں؟"

"انکل! آپ بھی بالکل بھولے ہی ہیں۔ آپ کو اتنا بھی نہیں علم کہ سرمایہ دار، جاگیردار، عہدہ دار وغیرہ تمام صاحب دار لوگ ہیں۔ اپنی اپنی دار پر یہ لوگوں کو لٹکائے رکھتے ہیں۔"

"اچھا، اب میں سمجھا تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"شکر ہے، آپ کی سمجھ میں بھی کوئی بات آئی۔"

اسی کے ساتھ بہلو کے خراٹے گونجنے لگتے ہیں۔ وہ ہلکا پھلکا ہو کر نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا اور مسکہ مسکی بقلم خود ہونقوں کی طرح منہ لٹکائے گھر آ گیا۔

☆☆

نوید ظفر کیانی

عورت سے کھیتوں میں کام کرواتے وقت مرد کی غیرت کہاں سوئی ہوتی ہے؟☺ دعا علی

چاند نگر

مختلف موضوعات پر ہنستی مسکراتی کھلکھلاتی تحریریں

"چاند نگر" ایسی شوخ تحریروں سے آباد ہوتا ہے جو طوالت کے لحاظ سے "نابالغ" لیکن شوخی اور شرارت میں بالغ ہوتی ہیں۔ آپ بھی اس میں جگہ حاصل کر سکتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ آپ کی تحریر میں مزاح کوٹ کوٹ کر بلکہ ٹھونس ٹھونس کر بھرا گیا ہو۔ یہ خیال بھی رکھیے کہ یہ مسکراہٹیں آپ کی اپنی تخلیق ہوں' کہیں سے اڑائی نہ جائیں۔ اپنے مختصر مضامین اس پتہ پر ارسال فرمایئے۔

انچارج تیس روزہ "چاند" 31-F' شمع پلازہ' فیروز پور روڈ لاہور 54600

ہیلو، ہیلو

ظفر ندیم وہرہ، حیدر آباد

"ٹرن، ٹرن، ٹرن، ٹر---"

"ہیلو! کون---؟"

"جی! میں سحرش بول رہی ہوں۔"

"بیوٹی فل---آپ کی آواز میں تو واقعی سحر ہے۔"

"کیا کہا، ذرا ایک بار پھر سے تو کہنا۔"

"میرا مطلب ہے کہ آپ کا نام بہت ہی خوبصورت ہے۔"

"اے مسٹر! یہ مت بھولو کہ میرا سینڈل بھی بہت خوبصورت ہے۔"

"سر تسلیم خم ہے، جو مزاج یار میں آئے۔"

"بدتمیز، ایڈیٹ، گدھا---!"

"اتنا لمبا چوڑا نام لینے کی کیا ضرورت ہے، آپ مجھے صرف جمیل کہہ سکتی ہیں۔"

"کیا یہ 672420 نہیں ہے؟"

"یقیناً ہے اور بالکل ہے۔"

"دیکھیے! مجھے فائزہ سے ایک ضروری بات کرنی ہے جو آپ کی پڑوسی ہیں، انہیں بلا دیجیے۔"

"یہ بھی خوب رہی۔ ایک تو آپ اپنی سہیلی کو بلوا رہی ہیں، اوپر سے گرج چمک کے ساتھ برس رہی ہیں---اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا---"

"کیا آپ فائزہ کو بلوا سکتے ہیں؟"

"کان سے پکڑ کر بلوا سکتا ہوں مگر اس کے بدلے میں آپ کو ایک چھوٹا سا جملہ کہنا ہوگا۔"

"وہ کون سا---؟"

"یہی کہ آئی ایم سوری---"

"یہ کام ذرا مشکل ہے۔"

"تو پھر سوچ لیں کہ آپ کا کام اسے بھی زیادہ مشکل ہے۔"

"بڑا ناز ہے آپ کو اپنے ٹیلی فون پر---"

"اگر آپ حکم دیں تو آج ہی کٹوا دیتا ہوں؟"

"دیکھیے، آپ مجھی لسی کی طرح بڑھتے ہی جا رہے ہیں---آپ صرف یہ بتائیں کہ آپ میری سہیلی کو بلا رہے ہیں یا نہیں؟"

"محترمہ! ابھی آپ کا اور میرا وہ رشتہ قائم نہیں ہوا کہ آپ مجھ پر رعب جما سکیں۔"

"بدتمیز، گدھا---!"

"کیا یہ آپ کے خاندانی نام ہیں؟---بہر حال، مجھے آپ کا خاندان پسند آ گیا۔"

"اچھا بابا! میں ہار گئی۔"

اس نے جملہ پورا کیا اور غصے سے فون بند کر دیا۔

☆☆

"ٹرن، ٹرن، ٹرن---"

"ہیلو! کیا آپ 672420 سے بول رہے ہیں؟"

"جی، بول رہے ہیں---آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"اجی! ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے، بس ایک عرض ہے کہ ذرا میری سہیلی فائزہ کو بلوا دیں۔"

"اچھا تو یہ آپ ہیں---دیکھیے، جب تک آپ سوری نہیں کہیں گی، آپ کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"آپ تو بہت ہی خودسر اور ڈھیٹ قسم کے انسان ہیں۔"

"آپ کی ذرہ نوازی ہے ورنہ جمیل کس قابل ہے۔"

"لگتا ہے تم یوں نہیں مانو گے۔"

"اجی! آپ ہاں کر کے تو دیکھیں، میں تو بالکل تیار ہوں۔"

"گو ٹو ہیل---جہنم میں جاؤ۔"

"دونوں مل کے چلیں گے۔"

نوید ظفر کیانی

☆☆

''ہیلو، کون---جمیل صاحب---؟''

''محترمہ! آپ میرے پیچھے نہا دھو کر کیوں پڑ گئی ہیں۔ ویڈیو پر فلم دیکھ رہا تھا، آپ خواہ مخواہ ڈسٹرب کر رہی ہیں۔''

پلیز! میرا کام کر دیجئے، نا!''

''اب آئیں نا، لائن پر---''

''صبح سے دو مرتبہ لائن حاضر ہو چکی ہوں۔''

''کیا آپ پولیس کے محکمے میں کام کرتی ہیں؟''

''یہ آپ سے کس نے کہہ دیا---میرا مطلب تھا کہ دو مرتبہ آپ کو فون کر چکی ہوں۔''

''ٹیلی فون کا صحیح استعمال تو کوئی آپ سے سیکھے۔''

''اگر آپ اجازت دیں تو میں باتیں بنانے کے علاوہ اور بھی بہت کچھ بنا سکتا ہوں۔''

''مجھے اس بات کا اندازہ ہے---لیکن پلیز، میرا کام تو کر دیجئے۔''

''تو گویا آپ نے ہار مان لی ہے؟''

''دیکھئے، میں نے نظریہ ضرورت کے تحت ہتھیار ڈالے ہیں اور آپ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''اچھا، تو آپ نے معافی مانگ لی---مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں رہا۔''

''آپ کی یادداشت کافی کمزور معلوم ہوتی ہے، بادام کھایا کریں۔''

''جب بادام کھانے کا وقت آیا تو کھا لیں گے---اب جب آپ نے معافی مانگ لی ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔''

''ویسے میرا خیال ہے کہ میری سہیلی کو اپنی پہلی فرصت میں گھر پر فون لگوا لینا چاہئے تا کہ---''

''مجھ جیسے بد دماغ لوگوں سے آپ کی جان چھوٹ جائے---یہی کہنا چاہتی ہیں نا، آپ---؟''

''اے، مسٹر! کہنے اور فرض کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

''ارے ارے، آپ تو پھر ناراض ہو گئیں---کیا ناراض ہونے کی ہیٹ ٹرک کرنے کا ارادہ ہے؟''

''دیکھئے، جی! میں ناراض ہونے والی چیز نہیں ہوں۔ ناراض ہو میری جوتی---''

''براہ کرم باٹا والوں کو بیچ میں مت لائیں کیونکہ ان کے مضبوط سینڈلوں کے طفیل ریشم گلی میں کئی لڑکوں کے سر گنجے ہو چکے ہیں۔''

''جی ہاں، بالکل آپ جیسوں کے---''

''معاف کیجئے گا، مس سحرش! مجھ جیسا نیک، فرمان بردار اور شریف لڑکا آپ کو سرچ لائٹ لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔''

''اب اپنے منہ اتنا بھی میاں مٹھو نہ بنیں۔ آپ کی شرافت تو پچھلے کئی گھنٹوں سے دیکھ رہی ہوں---اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو میری سہیلی کو میرا یہ پیغام دے دیں کہ وہ مجھے فون کر لے۔''

''آئی ایم سوری، مس سحرش! میں نے آپ کو بہت پریشان کیا---بات دراصل یہ ہے کہ میں گھر میں اکیلا ہوں اس لئے آپ کی سہیلی کو بلانے کے لئے نہیں جا سکتا۔''

''کیوں، آپ کے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی ہے جو آپ باہر نہیں جا سکتے؟''

''مہندی لگی تو نہیں ہے، کہیں تو لگوا لیں؟''

''فضول باتیں چھوڑیں اور کام کی بات کریں، مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔''

''آپ ادھر سے بالکل بے فکر ہو جائیں، آپ کی سہیلی کو آپ کا پیغام مل جائے گا۔''

☆☆

''ہیلو! مسٹر اکیلا جی، کیا میں آپ سے بات کر سکتی ہوں کیونکہ میں بھی آج اکیلی ہوں۔''

''ونڈرفل---خوب گزرے گی جو بات کریں گے اکیلے دو۔''

''آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟''

''ایک آدھ شعر پھڑکا دینے سے کوئی شاعر نہیں بن جاتا۔''

''خیر چھوڑیئے، یہ بتائیں کیا آپ اینگلو اورینٹل کالج میں پڑھتے ہیں؟''

بالکل---مگر آپ کو کیسے پتہ چلا؟''

''بات دراصل یہ ہے کہ میری کزن بھی وہیں پڑھتی ہے۔''

''خیر سے آپ کی اس کزن کا کیا نام ہے؟''

''جی، نسیمہ خان---!''

''بالکل ٹھیک، نسیمہ اور میں ایک ہی کلاس میں پڑھتے ہیں اور ہاں، آپ کے چچا تو میرے ماموں جان کے گہرے دوست ہیں۔ ابا جان کے انتقال کے بعد انہوں نے مجھے پالا ہے۔''

''مجھے آپ کے والد کا سن کر بہت افسوس ہوا۔''

''ہمدردی کا بہت بہت شکریہ---مگر میں آج کل بہت پریشان

نوید ظفر کیانی

ہوں۔"

"کیا میں آپ کی پریشانی کی وجہ جان سکتی ہوں؟"

"ہر مرد کی پریشانی کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔"

"تو گویا آپ کی پریشانی کی وجہ بھی کوئی محترمہ ہیں۔"

"آپ نے خوب اندازہ لگایا---بات دراصل یہ ہے کہ میرے ماموں میری شادی اپنے اس دوست کے تعاون سے کہیں کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان کی بات ٹال بھی نہیں سکتا اس لئے پریشان ہوں۔"

"آپ کے انکل آپ کی بھلائی کے لئے تو کر رہے ہیں۔"

"دراصل میں اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ شادی سے پہلے اس سے ملوں، اس کے خیالات معلوم کروں تاکہ بعد میں کوئی پرابلم پیدا نہ ہو۔"

"اگر آپ کے ماموں نے زبردستی آپ کی شادی اس لڑکی سے کر دی تو؟"

"میں کوئی ڈاک کا ٹکٹ نہیں ہوں کہ جہاں جی چاہے، چسپاں کر دیا جاؤں۔"

"لیکن بزرگوں کے آگے ہماری دال کہاں گلتی ہے؟"

"ہم سے آپ کا مطلب کیا ہے---آخر آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ میرا مسئلہ بھی بالکل آپ جیسا ہے۔ میرے والدین بھی میری شادی طوطا فال کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں حالانکہ میں نے کبھی ان کی نافرمانی نہیں کی ہے۔ ان کی ہر بات آنکھ بند کر کے مانی ہے مگر نجانے وہ اس نازک مسئلے پر مجھے اعتماد میں کیوں نہیں لے رہے ہیں۔ اب انہوں نے رائے شماری کرائے بغیر میری شادی کہیں طے کر دی ہے اور وہ لوگ آج مجھے دیکھنے کے لئے آ رہے ہیں۔"

"تم کوئی واشنگ مشین ہو جو وہ تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں؟"

"میری جان پر بنی ہے اور آپ کو مذاق کی سوجھ رہی ہے؟---خیر چھوڑیں، اب ان باتوں سے کیا حاصل---آپ نے تو اپنے متعلق بتایا ہی نہیں، مجھے ہی اخلاقاً بتانا پڑا۔ آج شام کو ان لوگوں کے آنے کا پروگرام ہے اس لئے فائزہ کو بلا رہی تھی۔"

"آخر وہ کون لوگ ہیں اور آپ کی ان سے کیا رشتہ داری ہے؟"

"معلوم نہیں، میری معلومات کے مطابق وہ لطیف آباد پونے تین نمبر میں رہتے ہیں مگر آپ کیوں گھبرا رہے ہیں؟"

"کیا آپ کے ڈیڈی کا نام ارشد کمال ہے؟"

"جی ہاں---مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"کیا آپ صدر میں رہتی ہیں؟"

"جی جی، مگر قصہ کیا ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ اسی خاکسار کے گھر کے افراد آج آپ کو دیکھنے کے لئے آ رہے ہیں۔"

"جی! کیا کہا آپ نے؟"

"یہی جو سنا آپ نے---ہیلو ہیلو---فون بند کرنے سے پہلے خدا حافظ تو کہتی جاؤ۔"

☆☆

فسانہ

نزہت عقیل الرحمٰن، کراچی

عشق کی انتہا کو "فنا فلا" کرنے کے لئے جمیلہ اور عدیل نے اپنے والدین کو گھاس ڈالے بغیر اور ان کی مرضی کے خلاف کورٹ میرج کر لی تھی اور کوٹھی، بنگلے کو بیچ کر دوسرے شہر میں ایک فلیٹ کرائے پر لے کر رہنے لگے تھے۔ عدیل ایک پرائیویٹ فرم میں صبح آٹھ بجے سے شام چھ بجے تک مصروف رہتا تھا۔ نئی نئی شادی اور کرائے کے فلیٹ کی وجہ سے وہ یہ معمولی نوکری کرنے پر مجبور تھا۔ دونوں نے شادی کے ایک ہفتے تک خوب انجوائے کیا اور دل بھر کر تفریح کی مگر جب عدیل نے آفس جانا شروع کر دیا تو جمیلہ دن بھر اکیلی فلیٹ میں بور ہوتی تھی۔ عشق اور شک میں "گریباں دامن" کا ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے آس پڑوس میں بھی تعلقات وسیع کرنے کو عدیل نے منع کر دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ زمانہ ٹھیک نہیں ہے، لوگ انگلی پکڑتے پکڑتے "پہنچا" پکڑنے لگتے ہیں کیونکہ میں خود تمہاری انگلی پکڑ کر ہی یہاں تک پہنچا ہوں اس لئے صرف سلام دعا تک رہنا اور وہ بھی صرف اپنی ہم جنس سے۔

جمعہ کا دن تھا چھٹی کا اور وہ سات دن کے جان لیوا انتظار کے بعد آتا تھا تو وہ دونوں فلیٹ کو تالا لگا کر صبح کو جا کر رات کو ایک ہفتے کی تنخواہ ہوٹل کے کھانے کی نظر کر کے آتے تھے۔ عدیل تو آفس کے کاموں میں مصروف رہتا تھا مگر جمیلہ کو جمعہ کے انتظار میں سات دن پہاڑ سے لگتے تھے۔ دو کمرے کا فلیٹ کیا اور اور اس کی صفائی ستھرائی کیا؟ بچوں کے جھنجھٹ ابھی شروع نہیں ہوئے تھے۔ وہ تمام ضروری کاموں سے فارغ ہو کر شام کے چھ بجنے کا شدت سے انتظار کرنے لگتی۔ ایسے ہی ایک دن وہ کام سے نمٹ کر اپنے فلیٹ کی بالکونی میں کھڑی ہو گئی حالانکہ عدیل نے اس کو بلا ضرورت گیلری میں جانے سے منع کر دیا تھا۔ دوپٹے

نوید ظفر کیانی

سے بے نیاز جمیلہ کی نظر اچانک سامنے والے فلیٹ کی گیلری پر پڑی اور وہ نہ دیکھتے ہوئے بھی کنکھیوں سے اس کو دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔وہ بڑا ہینڈسم اور خوبصورت تھا۔اس کی بڑی بڑی آنکھوں کی چمک نے اس کو بہت متاثر کیا---وہ اپنی گیلری میں چہل قدمی کر رہا تھا۔دفعتاً اس نے دوسری بار جمیلہ کی طرف دیکھا مگر وہ جمیلہ کا چہرہ نہ دیکھ سکا کیونکہ گیلری میں بندھی الگنی پر لٹکے کپڑے اس کے اور جمیلہ کے درمیان حائل تھے مگر جمیلہ اس کو مسلسل دیکھ رہی تھی۔وہ سوچنے لگی کہ کیا یہ بھی میری طرح اپنے فلیٹ میں اکیلا ہی رہتا ہے؟

وہ اب بھی گیلری کی سلاخوں کے درمیان سے اس کو ایسے گھور رہا تھا کہ جیسے اس کے پیٹ کے مروڑ جمیلہ کو دیکھ کر ہی ٹھیک ہوتے ہوں۔ جمیلہ کو اپنے بیتے دن یاد آنے لگے کہ کس طرح میں بھی عدیل کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے گھنٹوں کھڑکی سے چپکی رہتی تھی اور عدیل، وہ بھی حیلے بہانے سے اپنی گیلری کے دروازے کا طواف کرتا رہتا تھا۔اس وقت انتظار میرے لئے ایک کٹھن مرحلہ تھا، شاید یہ بھی میرا دیدار کرنے کے لئے بے چین ہوگا---اس نے اپنے چہرے کے آگے پڑے کپڑے گھسیٹ لئے اور وہ اپنی چمکتی آنکھوں سے مجھ کو دیکھ کر بے چین ہو گیا اور اتنی بے چینی سے گیلری کی آہنی سلاخوں کے اوپر ٹہلنے لگا جیسے وہ سلاخوں کو توڑ کر میرے پاس آ جائے گا۔مجھ سے اس کی یہ بے قراری دیکھی نہ گئی اور میں نے کمرے میں آ کر دروازہ دھاڑ سے بند کر دیا۔میں پسینے سے شرابور ہو رہی تھی۔اتنی تو میں عدیل کو پہلی بار دیکھ کر بھی نہیں گھبرائی تھی، آخر اس کی چمکیلی آنکھوں اور خوبصورت سراپے نے مجھ پر کیا جادو کر دیا تھا۔یکایک اس کو خیال آیا کہ مجھے عدیل کے منع کرنے کے باوجود گیلری میں نہیں جانا چاہئے گا۔اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی دروازے کی جھری سے سامنے گیلری پر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔اس نے پانچ منٹ انتظار کیا جب مطمئن ہو گئی تو اس نے دروازہ کھولا اور الگنی پر سے سوکھے ہوئے کپڑے اتارنے لگی۔آس پاس نظریں دوڑائیں جیسے اس کو کسی کی تلاش ہو۔اچانک نیچے سڑک پر اس کی نظر پڑی تو وہ اپنی بلڈنگ سے نکل کر ٹہلتا ہوا اس کی بلڈنگ میں گھس رہا تھا۔اس نے جلدی سے الگنی پر سے تمام کپڑے اتارے اور دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی اور دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک انجانے خوف کے پیش نظر فلیٹ کے بیرونی دروازے پر ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی جیسے وہ دروازہ دھکا دے کر کھول ہی تو دے گا حالانکہ دروازہ اندر سے لاک تھا۔

جمیلہ کا فلیٹ چوتھی منزل پر تھا اس کے کان سیڑھیوں پر قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔اس کو جیسے وہ دکھائی دے رہا ہو، وہ بڑبڑائی۔

"اب وہ پہلی منزل پر ہوگا، اب وہ دوسری پر آ گیا ہوگا، اب وہ تیسری پر اور اب چوتھی---"

اچانک دروازہ معمولی کھٹکے کے ساتھ ہلا۔کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔اس نے اپنا کھلا ہوا منہ بند کر لیا کہ کہیں دل باہر ہی نہ آ جائے۔جب دوسری بار کھٹکے کے ساتھ دروازہ ہلا تو جمیلہ کو کچھ کرنے پر اکسایا۔اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر لاک تک گیا اور دروازہ کھل گیا۔یہ سب کچھ کیسے ہوا، دروازہ کیسے کھلا؟ اس کو کچھ پتہ نہیں تھا۔وہ تب چونکی جب وہ ٹہلتا ہوا کمرے میں آ گیا۔جمیلہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی کہ وہ کس طرح بے دھڑک اندر آ گیا۔وہ خود بھی اس کے سامنے مسہری پر آ کر بیٹھ گئی۔دروازہ اس نے دانستہ بند نہیں کیا۔اب دونوں اس انتظار میں تھے کہ خاموشی توڑتے ہوئے کون اپنی چونچ کھولے۔جب کافی دیر ہو گئی اور چپ کا روزہ دونوں طرف سے نہ ٹوٹا تو وہ جمیلہ کے قریب آ گیا۔جمیلہ وہاں سے پھدک کر اٹھی اور مسہری پر پڑے دوپٹے کو اٹھا کر گلے میں ڈالا اور دوسرے کمرے کی طرف بھاگی۔اس ڈھیٹ نے بھی چھلانگ لگائی اور اس کے پیچھے لپکا۔جمیلہ دہشت سے سٹ کر کمرے کی دیوار سے جا لگی۔وہ کمرے کے دروازے کے درمیان میں ایسے کھڑا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب بھاگ کہاں بھاگے گی؟---اچانک ایک دھماکہ ہوا، غالباً بیرونی دروازہ ہوا سے بند ہو گیا تھا اور آٹومیٹک لاک بھی لگ گیا تھا۔جمیلہ کی آواز خوف کے مارے اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔پھر نہ جانے دروازے میں کھڑے کھڑے اسے کیا سوجھی کہ وہ ٹہلتا ہوا کچن میں چلا گیا۔جمیلہ نے موقع غنیمت جانا وہ کمرے سے نکل کر کچن کی کھڑکی سے اندر جھانکنے لگی۔وہ صبح کے ناشتے کے جھوٹے برتنوں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔جمیلہ نے ہمت کر کے پوچھا۔

"کیا تمہیں بھوک لگی ہے؟"

اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر دیکھا اور پھر برتنوں میں مصروف ہو گیا۔

"بتاؤ نا! تمہیں بھوک لگی ہے؟"

جمیلہ کی آواز پر وہ پھر پلٹا اور جمیلہ جلدی سے بھاگ کر مسہری کے ایک کونے میں سٹ کر بیٹھ گئی۔وہ بھی شاید جمیلہ کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔جمیلہ کو جب یقین ہو گیا کہ یہ بھوک سے مجبور ہو کر یہاں آیا ہے اور وہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا تو وہ آہستہ سے اٹھی اور بولی۔

"میں تمہارے لئے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔"

یہ کہتی ہوئی فرج کھولنے لگی۔

عدیل نے آفس سے واپسی پر پھل فروٹ کی خریداری کرکے اپنی جیب کا بوجھ ہلکا کیا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس اور دوسرے ہاتھ میں پھلوں کا تھیلا لئے اور لدا پھدا سیڑھیاں چڑھ کر اپنے فلیٹ کے دروازے تک آیا اور بریف کیس فرش پر رکھ کر کال بیل بجانے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے باتوں کی آواز آئی۔ عدیل کا ہاتھ کال بیل بجانے سے پہلے ہی رک گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اندر جمیلہ کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے، یہاں تو میرا یا جمیلہ کا کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے، اڑوس پڑوس کے لوگوں کو جمیلہ کے شربت دیدار سے میں نے پہلے ہی محروم کر رکھا ہے--- اس نے دروازے سے کان لگا دیئے۔ جمیلہ کی آواز آئی۔

"کھاؤ بھی، کب تک مجھے ٹکر ٹکر دیکھے جاؤ گے--- دیکھو، میں نے تمہاری پسند کی چیزیں تیار کی ہیں۔"

عدیل اپنے "دلن" کی آواز سننے کو بے چین تھا تاکہ پہچان سکے کہ اندر کون ہے مگر جواب میں مکمل خاموشی تھی۔ پھر جمیلہ کی آواز آئی۔

"ارے، یہ بھی تو کھاؤ--- دیکھو، اس کے بعد پنیر لینا جو میں نے تمہارے لئے خاص کر بنایا ہے کیونکہ عدیل تو یہ کھاتے نہیں اور جو چیز میرا عدیل نہیں کھاتا، وہ میں بھی نہیں کھاتی--- چلو جلدی جلدی کھالو، عدیل آتے ہی ہوں گے۔ ارے--- ارے--- تم مجھے چھو کیوں رہے ہو، خوامخواہ فری ہونے کی کوشش کررہے ہو، تم ہوش میں تو ہو؟"

عدیل کا خون کھولنے لگا، اس کے نتھنوں سے گرم گرم سانس بند دروازے سے ٹکرا کر اس کے چہرے پر بھٹی کی آگ کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ جمیلہ میری حمیت کا دم بھرنے والی، کسی اور کے ساتھ بھی ایسی باتیں کرسکتی ہے۔ اس کی آوازیں عدیل کے کانوں میں سیسہ بن کر سرائیت کرنے لگیں۔ اس نے پھل فروٹ کا تھیلا زمین پر رکھا اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اندر سے پھر آواز آئی۔

"دیکھو، میں کہہ رہی ہوں کہ چھوڑ دو--- ارے، ارے--- تم تو واقعی عدیل کے کہنے کے مطابق انگلی پکڑتے پکڑتے پہنچا پکڑنے لگے۔"

عدیل کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اس نے دروازہ توڑ کر دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس نے اپنا بریف کیس کھولا اور اس میں سے کاغذ کاٹنے کی چھری نکال کر اسکے دستے کو مضبوطی سے پکڑلیا۔ پھر اندر سے آواز آئی۔

"ناشتہ پانی تم نے کرلیا اور کپڑے بھی خراب کردیئے--- عدیل آتے ہی ہوں اس لئے تم جانے کی تیاری کرو۔ میں کپڑے بدل کر ابھی آتی ہوں۔"

عدیل دروازہ توڑنے کو تیار ہوا، اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ دروازہ کھولتے ہی وہ ذلیل آدمی نکل کے بھاگے گا، پہلے اسی کو ٹھکانے لگاؤں گا۔ پھر اس مکار، دغاباز جمیلہ کو جہنم رسید کروں گا--- پھر اندر سے آواز آئی۔

"اب کب آؤ گے--- میں روز تمہارا انتظار کروں گی۔ عدیل صبح جاکر رات کو آتے ہیں، میں دن بھر اکیلی بور ہوتی ہوں۔ تم روز آجایا کرو، ہم دونوں کا وقت آرام سے کٹ جایا کرے گا--- چلو، اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

اسی کے ساتھ ہی کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ عدیل نے پوری قوت سے چھری لہرائی--- مگر یہ کیا؟ چھری ہوا میں ہی لہرا کر رہ گئی کیونکہ "بلا" نہایت پھرتی سے عدیل کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل بھاگا تھا جبکہ جمیلہ خوفزدہ نگاہوں سے اچھل کر دو فٹ پرے جاگری تھی اور ہونقوں کی طرح جمیل کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو غصے سے شرمندگی کی طرف مائل ہورہا تھا۔

☆☆

کراچی کی سیر

✡ دری الثمیت وار ریر، کراچی

"جامعہ کراچی" کراچی کی سب سے بڑی تعلیمی درسگاہ ہے لیکن وہاں تک طالب علموں کی رسائی جس طرح ہوتی ہے، وہ ایک بہت مشکل مرحلہ ہے۔ طالب علم صبح سات بجے ہی گھروں سے روانہ ہو جاتے ہیں کیونکہ یونیورسٹی کی بس جہاں آتی ہے پوائنٹ کہلاتی ہے۔ اسے پکڑنا ہوتا ہے۔ اس بس کا کوئی ٹائم نہیں ہے۔ جب ڈرائیور کا موڈ ہوا، وہ لے کر آجائے گا۔ بس مکمل طور پر ڈینٹ پروف اور مکمل ایئر کنڈیشنڈ ہوتی ہے۔ ڈینٹ پروف اس لئے کہ اس میں پہلے ہی اتنے واضح اور بڑے ڈینٹ ہیں کہ مزید پڑ ہی نہیں سکتے اور مکمل ایئر کنڈیشنڈ اس طرح کہ ڈرائیور کی ونڈ سکرین سے لے کر کھڑکیوں کے تمام شیشے پتھراؤ کی نظر ہو چکے ہیں۔ آپ سڑک کے کنارے بس کا انتظار کررہے ہیں، اچانک آپ کو ایک لال رنگ کا ڈبہ سڑک پر نظر آئے گا جسے دیکھ کر اندازہ ہوگا کہ اس کو تو بنانے والے بھی انتقال کرگئے ہوں گے--- خیر جی، بس آگئی ہے، دل بڑا کرکے سوار ہوجائیں۔ یہ ایک سائیڈ کو جھکی ہوئی ہے لیکن فکر نہ کریں، یہ گرے گی نہیں۔ ارے، یہ کیا اس کے اندر تو بہت سی سیٹیں بھی غائب ہیں۔ کوئی فکر نہ کریں، وہ ڈرائیور کے گھر میں صوفہ کی جگہ موجود ہیں۔

یہ جب چلنا شروع کرے گی تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس میں سوائے ہارن کے سب کچھ بجتا ہے۔ کوئی چیز رسی سے بندھی ہے تو کوئی کپڑے سے بندھی ہے۔ ایک مرتبہ ہم یونیورسٹی سے واپس آرہے تھے کہ اچانک گھڑ گھڑاہٹ ہوئی اور بس رک گئی۔ ڈرائیور نے بڑی کوشش کی لیکن گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ اس کا انجن دس گز پیچھے گر گیا ہے۔ ٹائر نکلنا تو معمولی بات ہے۔ اس کا گیئر بھی اکثر پھنس جاتا ہے۔ اس کا دیسی ٹوٹکا ڈرائیور حضرات نے یہ رکھا ہے کہ انہوں نے ایک اینٹ رکھی ہوتی ہے۔ جہاں گیئر پھنسا، وہیں اینٹ ماردی۔ گاڑی پھر رواں ہوگئی۔ اس میں سفر کے دوران اگر آپ کے کپڑے کہیں پھنس کر پھٹ جائیں تو یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ اچھے اور نئے کپڑے کیوں پہن کر آئے؟

اس کا اوپن ایئر اے سی آپ کو تازہ ہوا کے ساتھ گاڑیوں کا دھواں بھی دے گا۔ گرمیوں میں تو ہوا سے گزارہ ہو جاتا ہے لیکن سردیوں میں آپ کو اپنا بندوبست کرنا ہوگا۔ اس کے اندر اور باہر آپ کو کئی قسم کے نعرے اور مختلف تنظیموں کی چاکنگ نظر آئے گی جسے اگر آپ پڑھنا شروع کردیں تو اچھا خاصا وقت گزر جائے گا۔ اس بات کا آپ کو مکمل حق ہے کہ آپ بھی اپنی گزارشات اس پر لکھ دیں یا اگر آپ کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں تو اس کے نام پیغام بھی آپ اپنے دوستوں کی مدد سے لکھ سکتے ہیں۔ کوئی آپ کو نہیں روکے گا۔ جیسے ہی آپ جامعہ کراچی پہنچے تو اندر جانے کے لئے لائن بنانا ہے جہاں دروازے پر "رینجر" کے جوان آپ کا کارڈ چیک کرتے ہیں اور تلاشی بھی لیتے ہیں کہ آپ کوئی کھلونا (اسلحہ) تو کھیلنے کے لئے نہیں لا رہے۔ اب جامعہ کے اندر شٹل (بس) چلتی ہے جن کی حالت کچھ بہتر ہے لیکن اگر آپ کارڈ نہیں لائے ہیں اور بھول گئے ہیں تو آپ کو اپنا شناختی کارڈ دکھا کر وہاں سے پاس والی لائن میں کھڑا ہونا ہوگا۔ پھر آپ کا پاس بنے گا۔ اگر آپ شناختی کارڈ بھی نہیں لائے تو پھر عزت اسی میں ہے کہ واپس چلے جائیں کیونکہ ایسی صورت میں آپ کسی صورت بھی اندر نہیں جاسکتے کیونکہ ہر گیٹ پر یہی حال ہے۔

اب اندر آپ کینٹین میں آجائیں تو اندازہ ہوگا کہ اس سے تو "جھونپڑا ہوٹل" اچھا ہوگا۔ تمام کرسیوں کی حالت خراب ہے، دیواروں پر جگہ جگہ نعرے اور چاکنگ ہے۔ کینٹین میں آپ اگر دس دوست ہیں اور کھانا کھانا ہے تو صرف دو پلیٹ سالن منگوالیں، بعد میں ہر دوست باری باری جا کر "گریبی" لے کر آتا رہے اور آپ لوگ کھانا کھاتے رہیں۔ چائے تو ایسی ہے کہ جیسے "تارپین" ہو لیکن مجبوری ہے۔ وہاں سے باہر نکلیں گے تو کینٹین کے دروازے پر ایک سگریٹ والے کا کھوکھا ہے جو قوم کے نوجوانوں کے لئے سگریٹ وغیرہ رکھتا ہے اور جامعہ کے اندر ان کا استعمال کھلے عام ہے۔ کئی اسٹوڈنٹس گروپ کی شکل میں بیٹھے "سوٹے" لگا رہے ہوں گے۔ وہاں سے آپ جمنازیم آجائیں، بہت بڑا ہال ہے جس میں باسکٹ بال اور بیڈمنٹن کورٹ کے علاوہ ٹیبل ٹینس کے میز بھی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آئے گا کیونکہ شروع شروع میں نئے اسٹوڈنٹس تو کھیلنے آتے ہیں لیکن جب ان کی "دوستیاں" ہو جاتی ہیں تو وہ بھی نہیں آتے۔

وہاں سے آپ لائبریری آجائیں۔ جامعہ کی "عظیم الشان" لائبریری جس میں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے لیکن یہاں بھی پڑھنے والے کم اور وقت گزاری والے "جوڑے" زیادہ نظر آئیں گے۔

جامعہ کی ایک بڑی مشہور اور معروف جگہ ہے جو ہر اسٹوڈنٹ کے لئے بڑی کشش رکھتی ہے، اس کا نام ہے "پریم گلی"---کوئی کہتا ہے (Loving Garden) اب آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کیا ہے لیکن یہ صرف نام کی ہی گلی ہے، وہاں آپ کو کئی بے وقوف مل جائیں گے جو ایک دوسرے سے وعدے کر رہے ہوں۔ گلی کے درختوں کی چھاؤں میں ایک برگر والا ہے۔ بیٹھنے کا کوئی انتظام نہیں ہے، کچی جگہ ہے بلکہ پتھریلی جگہ ہے۔ وہاں بیٹھنے والے جوڑے کو اپنی مدد آپ کے تحت پتھر اٹھا کر لانے پڑتے ہیں۔

کلاسز کا معیار البتہ اچھا ہے اور پروفیسر صاحبان کا تو جواب ہی نہیں بڑے اچھے ہیں۔ آپ کو کیا، آپ نے تو سیر کرنی ہے، وہ آپ کر لیں۔ جو کچھ رہ گیا ہے، وہ بھی آپ خود جا کر دیکھ لیں۔ ☆☆

نوید ظفر کیانی

21ویں صدی کی پیش گوئیاں

مس بجلی، کھاریاں

کسی نامعلوم بزرگ کی زبانی چند پیشن گوئیاں ہمارے تک پہنچ چکی ہیں، دل چاہا کہ آپ کے کانوں تک بھی پہنچادی جائیں۔

☆ عورتوں کے ساتھ ساتھ مرد بھی بچے کو جنم دیا کریں گے جس سے آبادی میں مزید اضافہ ہونے کی بجائے بہت کمی ہوگی۔ خیال ہے کہ جنس کرخت کے اس کارنامے کی وجہ سے تیسری جنس میں اضافہ ہوگا، یوں دنیا کے ہر گوشے میں تیسری قوت کا قبضہ ہوگا۔

☆ اکیسویں صدی میں سیاست کا رواج نئے اور نکھرے انداز میں ابھر کر سامنے آئے گا۔ یعنی اس صدی میں ایک ایسا پرندہ آسمانی وائرس اور

زمینی وائرس کے ملاپ سے معرکہ وجود میں آئے گا جس کی شکل الو کے مشابہ ہوگی۔ وہ جس کے سر پر بیٹھ کر بیٹ کر دے گا، وہی ملک کا سربراہ ہوگا۔ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ جمعدار گھر سے ٹوکرا اور جھاڑو لے کر چلا ہے۔ ابھی وہ کسی گھر میں داخل ہونے ہی والا ہے کہ پرندہ اس کے سر پر بیٹھ کر اپنا کام دکھا گیا اور ڈھول ڈھمکے کے شور میں جمعدار کو ایوان صدر پہنچا دیا جائے گا۔ وہ وزیراعظم اور کابینہ کے لئے ایک انوکھا طریقہ ایجاد کرے گا۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر اپنی جھاڑو نیچے پھینکے گا۔ جو جو تنکا جس کے ہاتھ آیا، وہ کابینہ کا ممبر اور مٹھ جس کے ہاتھ آیا، وہ وزیراعظم ہوگا۔ اسی طرح عوام انتخاب جیسے مشکل مرحلے سے چھٹکارا پا سکیں گے۔

☆ اکیسویں صدی کے وسط میں وسطی ایشیا میں زلزلے کے ہلکے سے جھٹکے محسوس ہوں گے جس سے وسطی ایشیا کھسک کر یورپ میں داخل ہو جائے گا۔ اس کھسکائی کا زیادہ اثر مرد حضرات پر پڑے گا۔ وہ اپنی داڑھی مونچھ سے دست بردار ہو جائیں گے، سر بھی تقریباً اس جھاڑ جھنکاڑ سے پاک ہو جائے گا اور ان کی شکلیں چھلے ہوئے آلو کی مانند ہو جائیں گی۔ شریر لڑکیاں آتے جاتے ہر وقت ان کی چندیا پر چند سلیپر رسید کر جایا کریں گی۔ وہ اس حسین مذاق سے ہر دم خوفزدہ اور سراسیمہ رہیں گے۔

☆ اڑتی ہوئی ایک پیشگوئی یہ بھی آئی ہے کہ اکیسویں صدی کے کسی عشرے میں ناریل کا پھل یکسر ختم ہو جائے گا۔ اس کی نسل کو برقرار رکھنے کے لئے بہت سے سائنسی تجربات کئے جائیں گے جس کے نتیجے میں ناریل کی شکل تھوڑی مختلف ہو جائے گی۔ یعنی اس کے لبوترے پھل پر ایک ٹونٹی نمودار ہوگی۔ پانی تو اس کے اندر پہلے سے موجود ہے سو یہ پھل کھایا بھی جائے گا اور لوٹے کے طور پر استعمال میں بھی لایا جا سکے گا۔ اس کے نمودار ہونے کی سب سے زیادہ خوشی سیاست دانوں کو ہوگی کیونکہ آپ لوگ انہیں لوٹا کہنے کی بجائے میٹھے اور رسیلے نام ''کوکونٹ'' پکاریں گے۔

☆ صدی کے آخری حصے میں لا اینڈ آرڈر میں تبدیلی کر کے سرکاری دفاتر میں ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جائے گا کہ افسران بالا اپنے غریب ماتحتوں اور ورکروں کے سامنے سادگی اور غربت کا ایک انمول نمونہ بن کر دفتروں میں آیا کریں تاکہ ان کے سوٹ بوٹ دیکھ کر غریب ملازم ٹھنڈی آہیں نہ بھریں۔ اس نوٹیفکیشن میں اس بات پر زور دیا جائے گا کہ ہر اعلیٰ افسر صرف دھوتی میں ملبوس (اگر زیادہ نرم دل یا حساس افسر ہو تو محض چڈی پر بھی گزارہ ہو سکتا ہے) پاؤں میں کھڑاویں پہن کر آفس میں آئے اور دونوں ہاتھ باندھ کر باری باری ہر ملازم کو سلام کرے اور پچھلی صدی کا سارا ریکارڈ خود اپنے ہاتھوں سے جھاڑ پونچھ کر کلرکوں کو کارروائی کے لئے پیش کرے۔ ایسا نہ کرنے پر اہل کار بھی اور کسی وقت بھی بغیر نوٹس کے اسے ''ڈس مس'' کرنے کا اہل ہوں گے۔

☆ اسی صدی میں جناب ایک ایسا بڑا ادارہ قائم ہوگا جس کی سربراہی ایک حسین دوشیزہ کرے گی۔ دنیا کے کونے کونے میں اس کی چھوٹی بڑی شاخیں ہوں گی، جگہ جگہ کھلی کچہری لگائی جائیں گی اور ہر حسینہ کی روداد غم سنی جائے گی اور اس ظلم کی پاداش میں ان مردوں کو گھسیٹ کر عدالت میں پیش کیا جائے گا جو صدیوں سے عورت کے فیشن اور حسن پر کیچڑ اچھالتے آئے ہیں اور کنوارہ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے مرد لوگوں کو جبری شادی پر آمادہ کیا جائے گا جو ساٹھ ساٹھ برس سے داڑھی کی آڑ میں عورت کے دشمن بنے بیٹھے ہیں۔ ان کو کلین شیو کر کے کسی بھی دوشیزہ کے ساتھ شادی کے بندھن میں باندھ دیا جائے گا۔

☆ آخری پیشگوئی بہت خوفناک ہے۔ معلوم پڑتا ہے، صاحب پیشن گوئی بہت ہی بڑا سائنس دان ہے جو اس قدر پیچیدہ اور علم الغیب کی باتیں جانتا ہے۔ اس کی یہ آخری بات سے ہماری تو عقل ہی گم ہوگئی۔ ہو سکتا ہے، آپ سب بھی حیران ہو کر اپنا منہ انگلیوں میں داب لیں تو جی، انہوں نے بلاخوف وخطر فرمایا کہ میرے نجوم کے مطابق اکیسویں صدی کے آخری روز ہی اکیسویں صدی ختم ہو جائے گی۔

☆☆

قصہ اک شادی کا

ممتاز حبیب صابر، کراچی

''صاحب! چھٹی کا وقت ہو گیا ہے۔'' چپڑاسی نے حسب معمول جگایا۔

''اس---''

میں نے اسے گھورا اور گھڑی دیکھی۔ حسب عادت دفتر پر طائرانہ نظر ڈالی، چند فائل بغل میں دابے اور دفتر سے باہر نکل آیا اور اپنے سٹاپ پر پہنچ گیا۔ اپنے روٹ کی بس آئی تو یوں لگا کہ بھیڑیں چھٹ گئیں ہیں۔ بس بھیڑوں کو لے کر اپنے منزل کی طرف رواں دواں ہوئی۔ کنڈیکٹر نے کرایہ مانگا دل تو چاہا کہ کہہ دوں کہ تماشہ دکھانے اور بس سے چمٹنے کے پیسے دوں---مگر دل کڑا کر کے پندرہ روپے دیئے اور کہا کارڈ ہے۔ اس نے گھور کر اس اولڈ سکول بوائے کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

گھر پہنچا تو ماں دروازے پر ملی، میں نے سلام کیا۔ اس نے مجھے

چمٹایا اور بلائیں لیں اور جھٹ سے اپنے خیال میں خوشخبری اور میرے خیال میں ایٹم بم دے مارا۔

''میں نے تیری بات پکی کر دی ہے۔''

''کونسی بات پکی کی، ماں! میری تو کوئی بات کچی ہی نہیں تھی؟''

''ارے، بیٹا! تیری منگنی کی بات۔''

''کیا---؟''

میں تقریباً چیخ اٹھا۔ میرا حلق خشک ہو گیا، آنکھیں پھیل کر کانوں تک آ گئیں اور لڑکھڑانے لگا۔ ماں بھی خوشی سے آنکھیں پھیل گئیں ہیں--- خیر، جیسے تیسے بستر پر آ گیا۔ ماں کھانا لے آئی، زہر مار کیا۔ میں انکار کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ہم دونوں ہی تو اس دنیا میں اکیلے تھے۔ باپ عرصہ ہوا فوت ہو گیا تھا۔ اب اکلوتی ماں کو اکلوتے بیٹے کی طرف سے اکلوتا صدمہ اچھی چیز نہیں تھی--- خیر، میں باہر گلی میں آ گیا، عجیب منظر تھا۔ گٹر ابل رہے تھے، مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میرے آنسو ابل رہے ہیں۔ تھیلیاں اور کاغذ اڑ رہے تھے، مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری آرزوئیں اڑ رہی ہیں۔ میں کوئی منصوبہ سوچنے لگا جو ماں کو اس خانہ بربادی سے منع کرے۔ دفعتاً شیطان کی آماجگاہ، یعنی میرے دماغ میں ایک ترکیب شاندار قسم کی آئی۔ میں نے جیب ٹٹولا اور اطمینان کر کے پیر حاجی کی طرف بڑھنے لگا۔

پیر حاجی کے ڈیرہ پر پہنچا تو دربان مرید نے کہا کہ پیر حاجی استراحت فرما رہے ہیں--- چرس کی بو نے میرا دماغ جلا کر رکھ دیا۔

بہر حال، میں نے مرید کو پچاس روپے کی جھلک دکھائی تو وہ موم ہو گیا بلکہ موم سے بھی نرم اور اندر چلا گیا۔ واپس آ کر مجھے بھی ساتھ لے گیا۔ اندر ایرانی قالین پڑے ہوئے تھے۔ سامنے ٹی وی، وی سی آر بھی تھا۔ یہ پیر صاحب کا خاص کمرہ تھا، زائرین کا کمرہ دوسرا تھا جس میں جگہ جگہ صندل لوبان کے جلانے کا انتظام تھا--- خیر، پیر صاحب نے مجھے سرخ آنکھوں سے گھورا جن میں چرس کا خمار باقی تھا۔

''کس واسطے آئے ہو؟''

نشے میں ڈوبی آواز عقیدت مند پر کافی اثر ڈال سکتی ہے مگر میں عقیدت مند نہیں تھا۔ میں نے مرید کی طرف دیکھا۔ پیر نے اشارہ کیا، وہ چلا گیا۔ میں نے سو کا نوٹ ہاتھوں میں دبا دیا۔ پیر نے کہا۔

''بول---''

میں نے عرض کی۔ ''میں شادی کرنا نہیں چاہتا مگر ماں کرانا چاہتی ہے، انکار بھی نہیں کر سکتا۔''

''کوئی بات نہیں، یہ تعویذ---''

''نہیں، تعویذ رہنے دیں۔ بس میں کل ''ا'' کو بھیجوں، ہاں، اتنا کہنا ہے کہ---''

میں نے سمجھا دیا۔

شام کو گھر واپس آیا۔ سوچا کہ ابھی تک پوچھا نہیں کہ لڑکی کون ہے۔

''ماں---!'' میں نے کہا۔ ''یہ گل کوہان بلکہ گل زبان کون ہے جسے آپ اپنی بہو بنا رہی ہیں؟''

''ارے، وہی ماموں گل جان کی بیٹی ہے۔''

ماموں گل جان میرا ماموں تھا۔ جب والد کا انتقال ہوا بلکہ جب سے وہ بیمار تھا، اس نے ہمیں پوچھا تک نہیں۔ اب میں اسسٹنٹ منیجر ہوا تو یاد آیا۔ تین دن پہلے آئے تھے۔ ماں بھی ساتھ چلی گئی تھی، ایک رات گزار کر آئی تھی۔

''ارے، ماں! یہ بات کیسے پکی ہوئی، تم نے تو ذکر نہیں کیا؟''

''میں نے اس دن ان کی بیٹی دیکھی تو بات کر دی اور آج صبح تمہارا ماموں آیا تھا اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔''

''ارے، ماں! تم نے پیر بابا سے مشورہ مانگا ہے؟''

''نہیں تو---''

''تو کل تم جاؤ نا! اور میں چھٹی کر کے ماموں کے ہاں چلا جاؤں گا۔''

صبح ہو کے میں ماموں کے ہاں چلا گیا۔ سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دفعتاً میری نظر ایک دل نشین صورت پر پڑی۔ زلفیں تھیں اس کی، شاعروں کے خیالات سے بھی زیادہ کالی اور لمبی۔ جب وہ مسکرائی تو یوں لگا جیسے دل پر بجلی گری ہو۔ میں اپنا دل اسے دے بیٹھا۔ اس نے بھی شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ پتہ چلا کہ یہی ہماری ہونے والی ''وہ'' ہے۔ اب تو بہت پچھتائے کہ کیوں پیر صاحب سے بات پکی کی۔

واپسی پر سارے راستے مجھے ان کی یاد پریشان کرتی رہی۔ اسی حال میں گھر پہنچا تو ماں دروازے پر کھڑی تھی۔ حالت زار یوں تھی کہ منہ لٹکا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ تھیں، ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ میں نے کہا۔

''ماں! کیا بات ہے؟''

بولی۔ ''غضب ہو گیا۔ پیر حاجی نے کہا ہے کہ---''

''ہاں، ہاں---'' میں نے بات معلوم ہونے کے باوجود کہا۔

''کہا ہے کہ اگر بیٹے کی شادی کی تو دس دن بعد میں مر جاؤں گی۔''

''نہیں---'' میں نے ندیم والا ایکشن لیا۔ ''یہ شادی بھی نہیں ہو

نوید ظفر کیانی

سکتی۔"

میری ماں بولی۔"جب چاند جیسا بیٹا میری نظروں سے دور ہو جائے گا تو کیا فائدہ والیسی شادی کا۔"

پلان تو پورا ہو گیا مگر بات میں نے خود بگاڑ دی تھی۔ خیر، جیسے تیسے رات گزاری۔ صبح کو گھر سے دفتر کے لئے نکل پڑا مگر دفتر نہیں اپنے دوست بلکہ شیطان دوست ممتاز علی کے ہاں چلا گیا۔ وہ حسب معمول کانوں میں واک مین لگائے اِدھر اُدھر ملک رہا تھا۔ میں نے سلام کیا مگر نہیں سنا۔ پھر ہاتھ لگایا تو یوں اچھلا جیسے کرنٹ لگا ہو۔ مجھے دیکھا تو بلڈ پریشر نارمل ہونے لگا۔ پھر ہماری تفصیلی ملاقات ہوئی۔ میں نے ساری بات بتلائی اور کہا۔

"یار! اب میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں---" اس نے کہا۔"میں دیکھ لوں گا۔ تم اب گھر جاؤ اور بہانہ بناؤ کہ سر میں درد ہے۔"

میں چلا آیا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو ماں نے جا کر دیکھا کیونکہ میں (جھوٹ موٹ) کا بیمار تھا۔ تھوڑی دیر بعد ماں ایک بوڑھے کے ساتھ آرہی تھی جس نے لمبی سی مالا پہنی تھی، ہاتھ میں تسبیح اور سر پر پگڑی، رنگ برنگے کپڑے، لمبی سی داڑھی۔ پیر نے مجھے دیکھا تو آنکھ ماری۔ مجھے ہنسی آگئی۔ وہ میرا دوست ممتاز علی شاہ تھا۔ ماں واری ہو رہی تھی۔ پیر نے مجھے دیکھا اور کہا۔

"ماں جی! اس کی شادی کر دو، دس دن کے اندر ورنہ یہ مر جائے گا۔"

"مگر پیر حاجی نے تو یہ بتایا تھا کہ---" ماں نے ساری بات بتلا دی۔

"ٹھیک بتایا تھا مگر جیسے ہی تم وہاں سے نکلیں نحوست کا سیارہ برج سے چھلانگ لگا کر حکومت کے برج میں چلا گیا۔"

یہ کہہ کر پیر باوجود ماں کی منت کے چلا گیا اور ماں تیاری کرنے لگی۔ ارے بھئی، وہی بات پکی بلکہ خوب پکی کرنے کی۔

☆☆

بس میں نہیں

فاروق احمد انصاری، کراچی

خوبصورت سجی سجائی، ٹھمکے لگاتی، گانے گاتی، بل کھاتی لہراتی ہوئی ایک الڑ دوشیزہ کی طرح میرے قریب پہنچی اور سب لوگوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور ایک دوسرے کو دھکیلتے دروازہ کی طرف لپکے۔ میں نے بھی چاہا کہ ڈوبتے کو آخری تنکے کا سہارا ہی مل جائے لیکن بس کے ڈنڈے کا میں صرف لمس ہی محسوس کر سکا اور وہ کسی بے وفا حسینہ کی طرح دھواں چھوڑتی ہوئی بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس پر میں نے ایک حسرت بھری نظر ڈالی تو پیچھے لکھا تھا۔

"نہ چھیڑ ملنگاں نوں---"

میری طرح جو لوگ اس بس کا قرب نہ حاصل کر سکے تھے، تبصرے کر رہے تھے۔ ایک تو کراچی کی آبادی بڑھ رہی ہے، کرایہ منہ مانگا لیتے ہیں۔ ان کے باپ کا راج ہے، اتنا انتظار تو محبوبہ بھی نہیں کراتی، وغیرہ وغیرہ--- میں جھکا اور زمین سے مٹی اٹھائی۔ لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ شاید نیچے چونی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ اب جو بھی بس آئی، اس کو قرض سمجھ کر بھی نہیں چھوڑوں گا۔

بادل اُمڈ آئے تھے، کسی بھی لمحے برش ہو سکتی تھی۔ میں ڈر رہا تھا کہ اگر بارش ہو گئی تو مشکلات کا آغاز ہو جائے گا۔ بسیں اپنے بابل کی دہلیز پر کھڑی رہ جائیں گی۔ سڑکوں پر دریا بن جائیں گے، گر نظر نہیں آئیں گے اور اگر ان پر قدم پڑھ گیا تو خوشی خوشی ویلکم کہیں گے کہ آجا، میرے دل میں سما جا۔

"آرہی بھئی، آرہی ہے---"

میرے کانوں میں آواز آئی تو کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے انہیں بٹھایا، اپنی قسم یاد کی اور تیار ہو گیا۔ خراماں خراماں دوڑتی ہوئی وہ میرے قریب سے گزری۔ میں بھاگا اور اس سے ریس لگانے لگا۔ ہم دونوں میں فاصلہ کم ہونے لگا اور میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور ایک چھلانگ لگا کر اوپر--- اب میں نے ایک ہاتھ سے ڈنڈا پکڑ رکھا تھا اور ایک پیر پائدان پر اور باقی پورا ہوا میں معلق۔ بیگ میرے باہر والے کندھے پر جھول رہا تھا اور بیگ پر لگے مختلف کی چینز (Key Chins) مندری کی گھنٹیوں کی طرح بج رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا بیگ کوئی کھینچ رہا ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا ایک آدمی بس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا ہے۔ میں تپ گیا اور چلایا۔

"ابے، میرے بیگ سے کیوں لٹک رہا ہے؟"

"بیگ کے بچے، میری قمیض تیرے بیگ میں پھنسی ہوئی ہے۔" وہ چلایا۔

اچانک بس تیز ہوئی۔"چرّ" کی لمبی سی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر

نوید ظفر کیانی

دیکھا۔ اس کی پوری آستین کندھے تک ادھڑ چکی تھی اور وہ غصے سے چلا رہا تھا۔ میں نے دل میں شکر ادا کیا کہ اچھا ہوا بس تیز ہو گئی ورنہ یہ تو بہت مارتا۔ میں نے بیگ دیکھا تو ایک "کی چین" غائب تھی، صرف چھلا لٹک رہا تھا۔ بس فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی۔ میں ہوا کے مزے لینے لگا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ اچانک ایک لوکرے نما چہرا نظر آیا، کالا بھجنگ سا۔ مجھ سے ڈر کے مارے ڈنڈا چھوٹ گیا۔ اس سے قبل کہ میں نیچے گرتا اور اسٹیکر بنتا، ایک بڑے میاں نے مجھے پکڑ لیا اور بولے۔

"جب جان نہیں ہے تو کیوں گیٹ پر لٹکتے ہو؟" میں نے بڑے میاں کو تشکر کی نظر سے دیکھا تو وہ بڑبڑائے۔ "ایک تو گیٹ پر لٹک کر خود کو پتہ نہیں ہیرو سمجھنے لگتے ہیں۔"

"اچھا اچھا، احسان کیا ہے تو مت جتاؤ۔ جگہ ہو گی میں خود اندر آ جاؤں گا۔" میں ایک بار پھر تپ گیا۔

لوکرے نما چہرہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کرایہ" جسے سن کر میرا منہ بن گیا اور اس نے کہا۔

"آدھا دوں گا کیونکہ میں بس میں آدھا سوار ہوں۔"

اس نے پیلے دانتوں کی نمائش کی، پھر بولا۔ "صاحب! مستی مت کرو، کرایہ دو۔"

میں نے اس کے منہ پر نہیں بلکہ ہاتھ میں کرایہ تھمایا اور کہا۔

"تم مسکرایا نہیں کرو، تم یونہی اچھے لگتے ہو۔"

وہ پھر مسکراتا، بندروں کی طرح لٹکتا، اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر نمودار ہوا اور بولا۔

"اندر ہو جاؤ، جگہ بہت ہے۔"

یہ سن کر میں اندر داخل ہوا اور مڑا۔ ٹن کی آواز آئی تو ایک آدمی اپنا آدھا گنجا سر پکڑے درد سے کراہتے ہوئے بولا۔

"بیٹا! یہ کیا ہے۔"

اس کا اشارہ میرے کی چینز کی طرف تھا جو بیگ سے لٹکے ہوئے تھے اور یقیناً ان میں سے ایک آدمی کے سر سے ٹکرایا ہوگا۔

"وہ، انکل! کچھ نہیں، یہ فیشن ہے۔" میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"فیشن ہے --- کی چینز (Key Chins) کی دوکان لٹکا کر دوسروں کو پریشان کرتے ہو؟" متاثرہ شخص مجھے اپنی نصیحت سے متاثر کرنے لگے۔

"گھر جا کر اتار لوں گا۔" میں نے بات ختم کی اور گانے پر غور کرنے لگا۔

میری آنکھیں لیڈیز کی طرف بھٹکیں تو ایک خوبصورت سی دوشیزہ کی طرف براہ راست جا پہنچیں۔ ایک جھٹکا لگا اور میرا ہاتھ اس اسٹریکر کی چندیا پر ٹکرایا، اسی وقت میں اس دوشیزہ کی تعریف میں بڑبڑیا تھا۔

"اچھی ہے ---"

"مذاق کرتا ہے، بزرگوں سے مذاق کرتا ہے؟ --- شرم نہیں آتی؟"

وہ صاحب ہتھے سے اکھڑ گئے۔ میں نے کندھوں سے پکڑ کر انہیں واپس ٹھونکا اور معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"سوری، انکل! غلطی ہو گئی --- غلطی سے ہاتھ لگا تھا۔" میں گڑگڑایا۔

"میری چندیا کو کہتا ہے کہ اچھی ہے --- ابے، تو سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو؟"

"وہ --- وہ میں نے آپ کو نہیں کہا ہے۔" میں پھر گڑگڑایا۔

"کس کو کہا ہے؟" وہ صاحب چھوڑ کر نہیں دے رہے تھے۔

اب میں پھنس گیا کہ اگر یہ بتایا کہ لڑکی کو کہا ہے تو پوری بس ایک طرف ہو جائے گی اور کالجیا جس نے ابھی یونیورسٹی کے مزے بھی نہیں لوٹے، اکیلا بے چارا، ان کی لاتوں اور مکوں کے درمیان فٹ بال بن جائے گا --- تب میں نے کہا۔

"وہ میں بس کو کہہ رہا تھا۔"

"گھاس چر گیا ہے --- خاک اچھی بس ہے۔ اتنا رلا رلا کر یہاں پہنچی ہے۔"

وہ صاحب کھڑے ہو گئے اور میری آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں کہ اب ہوئی لڑائی اور اب فاروق صاحب پٹے --- میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ گیٹ سے اتر رہے تھے اور وہ خوبصورت دوشیزہ صرف نظر کے تیر چلا کر اپنے اسٹرانگر باپ کے ساتھ اتر گئی اور اس اسٹرانگر کی خالی جگہ ایک نوجوان لڑکا --- مجھ سے تو خیر اسمارٹ نہیں تھا، بیٹھ گیا تھا۔ میں پھر تپ گیا کیونکہ وہ ہمارے لئے ایک آئیڈیل سیٹ تھی جہاں سے تمام شیشوں اور تمام لیڈیز سیٹوں کا زاویہ بالکل ٹھیک بیٹھتا تھا۔ میری نظر ایک بڑے میاں پر پڑی۔ میں نے سیٹ والے نوجوان سے کہا۔

"شرم کرو، بزرگ کھڑے ہیں اور تم بڑے مزے سے بیٹھے ہو --- تم جوان آدمی ہو، کھڑے ہو کر سفر کر سکتے ہو۔ بابا جی کو سیٹ دے دو۔"

وہ بے چارہ شرمندہ ہو گیا اور بابا جی نہ نہ کرتے بیٹھ گئے۔

نوید ظفر کیانی

بارش سے بس کی ونڈ اسکرین دھندلی ہوگئی تھی اور ڈرائیور پریشان ہو رہا تھا۔

''اے، وائپر چلاؤ۔'' ایک آواز آئی۔

''وائپر نہیں ہے۔'' ڈرائیور کی آواز آئی۔

''تم لوگ اتنی سجاوٹ کر لیتے ہو، وائپر نہیں لگوا سکتے؟'' ایک مسافر چیخا۔

بس آہستہ چل رہی تھی اور مسافروں کی آوازیں آرہی تھیں اور بے چارا کنڈیکٹر اسٹاپ پر کپڑے سے سامنے کا شیشہ صاف کرتا جا رہا تھا---ایک اسٹاپ پر ایک کالج کی لڑکی چڑھی جو سامنے منہ کر کے بیٹھ گئی۔ دفعتاً بڑے میاں اٹھ گئے۔ میں سنبھلا اور دو بندوں سے کشتی لڑتا ہوا سیٹ میں دھنس گیا۔ میں سب زاویے بھول گیا اور صرف ایک زاویہ بنانے لگا نظر کا زاویہ۔ ڈرائیور نے ٹیپ ریکارڈ پھر لگا دیا۔

پھر کھیل شروع ہوگیا۔ اچانک مجھے کسی نے جھنجھوڑا تھا۔ میں اس کھیل سے پانی کا وقفہ کر کے واپس آیا تو وہی لڑکا جسے میں نے سیٹ سے اٹھایا تھا، بولا۔

''بڑے میاں کو سیٹ دے دو، تم جوان آدمی ہو---نیکی کا کام ہے۔''

''تم ان کو بڑے میاں کہہ رہے ہو؟---برا مان جائیں گے، آئندہ مت کہنا۔ ابھی تو جوان ہیں، انہیں سہل پسند نہیں بننا چاہئے۔''

میں نے جواب دیا اور اس لڑکے کا منہ امریکی پولیس کی طرح ہو گیا۔

ابھی ہمارے نین کبوتر لڑ کر زخمی بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ محترمہ اٹھ کر چل دیں اور میں دل میں سوچنے لگا ایک تو سب چھوٹا سفر کر کے اٹھ جاتے ہیں، کوئی آخری اسٹاپ تک جاتا ہی نہیں۔

میری امید بر آئی۔ کالج کی چار لڑکیاں سوار ہوگئیں۔ اگلے اسٹاپ پر ایک خاتون اپنے چار پانچ بچے لے کر چڑھی تو ان چاروں میں سے ایک اٹھلا کر بولی۔

''یہ تو اپنے منے لے کر چڑھ گئی، جگہ پہلے ہی نہیں ہے۔''

اس کالجن نے اپنے طور پر ایک پھلکا اڑانے والی بات کی تھی کیونکہ اکثر لڑکیاں کالج میں قدم رکھتے ہی بہت بولڈ ہو جاتی ہیں۔ اس کے جواب میں وہ بچوں والی عورت بولی۔

''جب تمہاری شادی ہوگی تو ایسے ہی منوں کو گلے لٹکائے پھرو گی۔''

وہ بے چاری جس کو جواب ملا تھا، کھمبا ڈھونڈنے لگی لیکن بس میں کھمبا کہاں ملتا لہٰذا جیسے ہی اسے وہ کھمبا نظر آیا، وہیں بس سے اتر گئی۔ بقیہ سب خواتین بھی اتر گئیں۔ جو بھی چڑھ رہا تھا، وہ مرد تھا۔ عجیب وغریب خوشبوئیں بس میں پھیل رہی تھیں۔ میں نے ناک پر رومال رکھا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر شاید سو گیا۔ اسی دوران ایک اور آخری لڑکی بس میں سوار ہوئی اور کرایہ دیتے ہوئے بولی۔

''آخری اسٹاپ---''

میں تو اچھل پڑا۔

آخری اسٹاپ تک ہم آنکھوں ہی آنکھوں میں پوسٹ آفس اور ٹیلی فون والی سب حدیں پھلانگ گئے۔ ہم دونوں اترے، ساتھ چلتے ہوئے میں لڑکھڑا رہا تھا۔ اس کی شیریں آواز نے کانوں میں رس گھول دیا اور کھیاں بھنبھنانے لگی---کہنے لگی۔

''کس کالج میں پڑھتے ہیں؟''

''اجی، اپنے پھڈا کالج میں---''

''پھڈا کالج میں؟---آپ پھڈا کرنے والے تو نہیں لگتے؟''

وہ بولی۔

''میں پھڈا کہاں کرتا ہوں، میری وجہ سے پھڈے ہو جاتے ہیں۔''

''آپ کی وجہ سے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''جی، بہت اسمارٹ ہوں، نا! لڑکیاں اور خاندان والے اکثر پھڈے کرتے ہیں۔'' میں نے بھی ہانکی۔

''اچھا---آپ ''کی چین'' بیچتے ہیں؟'' وہ میرے بیگ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''جی نہیں---وہ فیشن ہے۔ یہ لو---''

میں نے بیگ سے ایک انسانی ڈھانچے کی ''کی چین'' نکالی اور اسے دی۔

''یہ کیا---؟'' وہ چونکی۔

''پیار کی نشانی---!'' میں شرماتے ہوئے بولا۔

اچانک وہ غائب ہوگئی۔ سڑک پر پانی پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے گٹر نظر نہیں آیا اور وہ پیار کی نشانی لئے بغیر گند میں غرق ہوگئی۔ اچانک اس کی پانی میں ڈوبتے ہوئے آواز آئی۔

''بچاؤ---بچاؤ---''

میں نے پانی میں ہاتھ مارنے شروع کئے۔ میرے ہاتھ میں شائد اس کا ہاتھ آگیا میں نے پوری طاقت سے کھینچا۔

''آپ ایک منٹ میں میری کتنی تعریف کر سکتے ہیں؟'' ---ایک لڑکی ☺ ڈاکٹر بی کے بلوچ

''باؤ جی! میرا بازو چھوڑو---''

میں نے دیکھا تو وہ ٹوکرے نما چہرہ مسکرا رہا تھا۔ اس کا بازو میں نے پکڑ رکھا تھا۔ میں بس میں تھا اور بس خالی پڑی تھی۔ میں نے بازو ایسے چھوڑا جیسے میں نے بچھو کو پکڑ لیا تھا۔

''گاڑی دوبارہ جانے والی ہے، اب تو اتر جائیں۔'' کنڈیکٹر بولا۔

میں لاحول پڑھتا ہوا اترا۔ سید حا بیر پانی میں گیا اور کپڑے نقش و نگار سے مزین ہو گئے۔ میں اس جدید آرٹ کو کوستا گھر کی طرف چل پڑا۔ بارش ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔

☆☆

شاعری کی گہرائی میں

کے۔ ایم خالد

قطعہ عرض ہے---

تیری یاد میں ظالم اتنے آنسو بہائے
تو گر حساب کرے تیری عمر بیت جائے
ہم نے بھی چاہا بن جائیں مجنوں، خالد
نجانے لیلیٰ زمانے میں کہاں مل جائے

بظاہر ان اشعار میں عشق کی بے کیفی ظاہر ہوتی ہے، ایک اضطراب ہے۔ اپنے محبوب سے محبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اس کی شان میں قصیدہ گوئی ہو رہی ہے، اس کی قدر و منزلت بیان ہو رہی ہے جبکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ شاعر ایک بیروزگار آدمی ہے اور اسی بے روزگاری نے اسے شاعری پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ پہلے مصرع میں اپنے محبوب سے نہیں بلکہ نوکری سے مخاطب ہے کہ، اے جان من! تو بہت ظالم ہے۔ تو ہمیں تڑپاتی ہے۔ ملن کے وعدے تو کرتی ہے مگر اپنے وعدوں سے مکر جاتی ہے اور ہم عاشق، شاعر لوگ سوائے رونے، واویلا مچانے کے اور کیا کر سکتے ہیں کیوں کہ ہمارے پاس نہ رشوت ہے، نہ سفارش ہے۔ رشوت اس لئے نہیں کہ کوئی ہمارا کلام ردی کے بھاؤ لینے پر تیار نہیں اور سفارش اس لئے نہیں کہ سوائے قصائی اور شیر فروش کے علاوہ کوئی ہمارا کلام سننے پر تیار نہیں اس لئے ہم نے تیری خاطر بہت آنسو بہائے ہیں---اے، جان من! اگر تو ان آنسوؤں کا حساب کرے جو ہم نے تیری خاطر بہائے ہیں تو شاید تیری عمر جو گورنمنٹ نے پچیس سال مقرر کی ہے، ان آنسوؤں کو گننے میں گزر جائے اور نہ میں کسی کنارے لگ سکوں، نہ تو کسی کنارے لگ سکے۔

ہم اگلے مصرع کی طرف قدم اٹھاتے ہیں۔ اس شعر میں شاعر صاحب اپنے آپ سے مخاطب ہیں کہ ہم نے مجنوں بن جانے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح مجنوں لیلیٰ کو پانے کے لئے مشکل سے مشکل امتحان میں سرخرو ہوا ہے، اس طرح ہمیں بھی اس لیلیٰ یعنی نوکری کو پانے کے لئے کچھ بھی کرنا پڑا۔ اگر نوکری ہمیں سبی، جیکب آباد یا کسی ریگستانی یا تھال کے علاقے میں بھی ملی تو ہم اسے قبول کریں گے، ٹھکرائیں گے نہیں---اسی طرح ہمیں دربدر کی ٹھوکریں کھا کر ہی شاید نوکری مل جائے۔ ہماری اس دور ناتواں میں سنی جائے۔ اس دور میں جہاں نہ سفارش کام دیتی ہے اور نہ پیسہ ساتھ دیتا ہے۔ پتہ نہیں کیا دور ہے۔ لیلیٰ کو لاکھ پہروں میں چھپا کر رکھا ہے مگر وہ سب حیلہ بہانے ہیں۔ وہ تاریخ بھی چپ چاپ گزر جاتی ہے اور لیلیٰ! یہ یاد رکھ ہم دودھ پینے والے مجنوں نہیں، خون دینے والے مجنوں ہیں۔ ہمیں آزما، ہم بھاگیں گے نہیں۔ چاہے تو گوری ہے یا کالی ہے، ہمیں قبول ہے۔ ہم نے ایم اے کر رکھا ہے لیکن ہمیں نائب قاصد لیلیٰ بھی قبول ہے۔

☆☆

ضرورت ہے

سید ظفر علی

آج کل بے روزگاری ہمارے ملک کا ایک گھمبیر مسئلہ ہے گو کہ اخبارات میں روزانہ ''ضرورت ہے'' کے بہت سے اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں لیکن ان آسامیوں کے پر ہو جانے کے بعد بھی لاکھوں افراد بے روزگار رہ جاتے ہیں لہٰذا ہم قارئین چاند کے لئے ''ضرورت ہے'' کے کچھ اشتہارات شائع کروا رہے ہیں تاکہ ملک سے بے روزگاری کا مسئلہ کچھ حد تک ہی سہی، کم تو ہو لہٰذا اگر آپ اشتہار میں دی گئی اہلیت کے معیار پر پورا اترتے ہیں تو شائع شدہ پتے پر رابطہ قائم کر کے روزگار حاصل کیجئے لیکن ہمارا کمیشن ادا کرنا ہرگز نہ بھولئے گا۔

شعبہ شکایات: میں فرائض کی انجام دہی کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو انتہائی ڈھیٹ ہو۔ بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالنے کی قدرتی صلاحیت سے مالا مال ہو۔ متاثرہ افراد کی لعن طعن سن کر پنجابی فلموں کے ہیرو کی طرح جوش میں نہ آئے بلکہ مظلوم ہیروئن کی طرح سارے جہاں کے طعنے سن کر بھی خاموش رہ سکے۔ ''سنو سب کی، کرو من کی'' کے مقولے کو اپنی زندگی کا راہنما اصول تسلیم

کرتا ہو۔

نوٹ: جذبہ ہمدردی اور سماعت سے محروم افراد کو خصوصی ترجیح دی جائے گی۔

منجانب: کے ای ایف سی۔ لوڈشیڈنگ اسٹریٹ، بریک ڈاؤن محلہ، اندھیر نگری، تاریکیوں کا شہر، کراچی۔

○ ضرورت ہے ”نیوز ریڈرز“ کی جو جھوٹ بولنے سے قطعی نہ ہچکچائے۔ خبروں کے طور پر لکھے گئے لطائف کو پوری سنجیدگی کے ساتھ پڑھ سکے، ہر ناپ کی شیروانی سلیقے سے پہن سکے، ہر دور کے حکمرانوں کے قصائد پڑھنے کی خصوصی مہارت رکھتا ہو۔ سنگین سے سنگین حالات میں بھی ”سب ٹھیک ہے“ کہنا جانتا ہو۔

مندرجہ بالا آسامی کے لئے تلفظ کی درست ادائیگی کی قطعی کوئی قید نہیں۔

○ چند ایسے ناتجربہ کار ڈرامہ نگار درکار ہیں جن کے پاس فلسفے کی ڈگری ہو۔ آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کرنا کسرِ شان خیال کرتے ہوں۔ ایک ایک سین کو چیونگم کی طرح کھینچ کر لمبا کرنے کی خصوصی مہارت کے حامل ہوں۔ تفریح و مزاح سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہوں۔ ڈرامے کا اختتام یا تو لکھتے ہی نہ ہوں اور اگر لکھیں بھی تو اس طرح کہ ”کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی“ والے مصرعے کی منہ بولی تصویر ہو۔

انٹرویو کے لئے حاضر ہونے کا پتا: ٹیلی ویژن کارپوریشن، معرفت بور ڈرامہ پروڈکشنز، بکواس پروگرامنگ، اسلام آباد۔

○ ہمیں درکار ہے ایک ڈرائیور جس کی نظروں میں کسی انسانی جان (بشمول اپنی جان) کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ کسی دوسری گاڑی کو اپنی گاڑی سے آگے نکلنے دینا اپنی توہین سمجھتا ہو۔ موقع بے موقع زور زور سے ہارن بجانا اس کا مشغلہ ہو، سڑک کو اپنے باپ کی جاگیر خیال کرتا ہو۔ ٹریفک سگنلز کو اسٹریٹ لائٹس اور ٹریفک کے نشانات کو اشتہاری بورڈز سے زیادہ اہمیت نہ دیتا ہو۔

درخواستیں ارسال کرنے کا پتہ: کے ٹرانسپورٹ کارپوریشن، ایکسیڈنٹ اسکوائر، چالان اسٹریٹ، کراچی۔

○ ہمیں اپنے دفتر میں کام کرنے کے لئے چند ایسے افراد کی ”ضرورت ہے“ جنہیں کرسی پر بیٹھ کر سونے اور مکھیاں مارنے کا پانچ سالہ تجربہ ہو۔

نوٹ: خراٹے لینے کی عادت امیدوار کی نااہلیت تصور کی جائے گی کیونکہ اس طرح دوسرے اہلکاروں کی نیند میں خلل پڑتا ہے۔ وقت کے پابند اور فرض شناس افراد کی درخواستوں پر قطعی غور نہیں کیا جائے گا۔

امیدواروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ میٹرک میں کم از کم تین سال تک فیل ہوئے ہوں۔ ”ڈی“ گریڈ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے افراد نااہل تصور کئے جائیں گے۔ کسی لیڈر سے قریبی رشتہ ہونا لازمی ہے۔ زیادہ تر وقت آفس سے باہر گزارنے، زیادہ سے زیادہ چھٹیاں کرنے اور رشوت کے بغیر فائل آگے نہ بڑھانے والوں کو خصوصی ترجیح دی جائے گی۔

آج ہی جعلی دستاویزات اور اصلی نوٹوں کے ساتھ اس پتے پر رابطہ قائم کریں۔ سرکاری دفتر، کمک مکا چیمبر، سرخ فیتہ روڈ، کاہل نگر، نااہل بستی، اسلاف آباد

○ ضرورت ہے کرکٹ ٹیم کی سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین کی جس کو اتنا علم بھی نہ ہو کہ کرکٹ میں رنز بنائے جاتے ہیں یا گول کئے جاتے ہیں؟

اہلیت

(الف) امیدوار کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سات پشتوں میں کبھی کسی نے کرکٹ نہ کھیلی ہو، تاہم امیدوار کا سیاست کے میدان کا کھلاڑی ہونا لازمی ہے۔

(ب) بڑے عہدیداروں کی سفارش پر غور کرنے کا عادی ہو اور حقدار کھلاڑیوں کا حق مار کر قطعی پشیمان نہ ہو۔

(ج) ہار کی ذمہ داری کھلاڑیوں پر ڈالنا اور جیت کا کریڈٹ خود لینا اچھی طرح جانتا ہو۔

(د) عظیم کھلاڑیوں سے کینہ رکھنے والوں کو خصوصی ترجیح دی جائے گی۔

○ ضرورت ہے ایک بیٹسمین کی جو ون ڈے میچ میں سست رفتاری سے کھیل کر وکٹ بچانے اور ٹیسٹ میچ میں جلدی اسکور کرنے کے چکر میں آؤٹ ہونے کا طویل تجربہ رکھتا ہو۔ فاسٹ بالرز سے اتنا ہی خوفزدہ ہو جتنا کہ زن مرید شوہر اپنی بیوی سے۔ تماشائیوں کو بور کرنے کی خصوصی صلاحیت کا حامل ہو۔ ”مس دی کیچ اور کیچ دی مس“ کے مقولے پر جی جان سے عمل کرتا ہو۔

نوٹ: بورڈ کے عہدیدار یا کپتان سے رشتے داری یا دوستی خصوصی قابلیت شمار ہوگی۔ ٹیسٹ کرکٹ اور ون ڈے کرکٹ میں بہترین ریکارڈ رکھنے والے کھلاڑی قطعی زحمت نہ کریں۔

منجانب: کرکٹ انگلیز بورڈ، کمرہ نمبر ۴۲۰، ڈراپ کیچ پلازہ، من مانی سلیکشن روڈ، دھاندلی محلہ، راول چندی

○ ہمیں اپنی فلم میں کام کرنے کے لئے ایک اداکار کی ضرورت ہے جو ہیرو کا کردار ادا کر سکے۔ عمر کم از کم پچاس سال ہو۔ بال اور دانت

"مجھے کورس کی کتابیں پڑھنا نہیں آتیں مگر اپنی تعریف بہت اچھی طرح پڑھ لیتی ہوں" ---ایک لڑکی ☺ ڈاکٹر لبنیٰ کے بلوچ

ہرگز اصلی نہ ہوں، توند باہر نکلی ہوئی ہو۔ چیخ چیخ کر بولتا ہو۔ دس بیس آدمیوں کو اس طرح مکا مار سکتا ہو کہ وہ مکا لگنے سے پہلے ہی نیچے گر جائیں۔ فلم میں موجود ہر لڑکی سے "جیسی ہے جہاں ہے" کی بنیاد پر محبت کر سکے۔ اپنے سے دس سال بڑی ہیروئن کو کالج کی لڑکی اور دس سال چھوٹی عورت کو ماں سمجھنے میں قطعی عار محسوس نہ کرے۔

نوٹ: گاؤں کی فلمبندی کے دوران اوٹ پٹانگ حرکات کرنے والوں کو خصوصی ترجیح دی جائے گی۔

منجانب: فلم اسٹوڈیو نمبر پونے ڈیڑھ، فلم نگری چوپٹ راجہ، چہ بہ منزل، بوگس اسٹریٹ، لاہور۔

☆☆

جو یوں ہوتا

✿ نوید ناز، ایبٹ آباد

دعوتی کارڈ دیکھ کر ہم نے خوشی سے کدکڑا لگایا۔ جونہی ہم اچھلے، اماں بی نے خطرناک نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور قہر آلود لہجے میں فرمایا۔

"اے ہے، لڑکی! خدانخواستہ کپڑوں میں رٹیلا (کانٹے کی ایک قسم ہے) تو نہیں تھا جو چبھ گیا ہے؟"

"ارے نہیں، اماں ڈارلنگ! دعوتی کارڈ موصول ہے، چاند کے دفتر کی جانب سے، ایک بڑے فنکشن کا اہتمام کیا ہے، انہوں نے---"

ہم نے اماں کے موڈ کی پروا کیے بغیر مزے لے لے کر پڑھنا شروع کیا۔

"پیر جنگلی کے نام ایک شام---!"

اماں نے قینچی کی سی تیزی سے ہماری بات کاٹ ڈالی۔ "اے، لڑکی! ایک تو تم میرے ساتھ اس موئے انگریزی لفظ کا دم چھلا نہ لگایا کرو---" پھر گرج کر بولیں۔ "ٹوٹ پڑے چاند کا دفتر اور بھاڑ میں جائے یہ پیر جنگلی---خبردار، جو تم نے کہیں جانے کا نام لیا تو۔ ایک تو تمہیں چاند کے سوا کسی بات کی ہوش ہی نہیں۔ سالن چولہے پہ دھرے دھرے کوئلہ بن جاتا ہے، دودھ ابل ابل کر گر جاتا ہے، روٹیاں چنگیر سے مرغیاں گھسیٹ کر لے جاتی ہیں مگر مجال ہے کہ تم اس موئے چاند سے سر اٹھا جاؤ۔"

مرغیاں کا ذکر آتے ہی ہم نے موقع غنیمت جانا اور اماں کی توپوں کا رخ ان مرغیوں کی طرف موڑ دیا جو ڈربے سے نکل کر صحن میں چہل قدمی کرتے ہوئے صحن کو "فیض یاب" کر رہی تھیں۔ اماں نے ہمیں بھول کر چمٹا اور جوتا اٹھایا اور میزائل کی طرح مرغیوں پر بمباری شروع کر دی، ساتھ ساتھ وہ مرغیوں کی شان میں قصیدہ گوئی بھی کر رہی تھیں۔ چٹاخ سے چمٹا ایک مرغی کی گردن میں لگا۔ اس کی دردناک آواز کے ساتھ اماں کی چنگھاڑ بھی شامل ہوگئی۔

"منحوسو! حلق پہ پھوڑا نکلے۔ کھا کھا کے پہلوان ہوئی جا رہی ہو اور مجال ہے کہ کبھی انڈا دینے کی زحمت گوارا کر لو۔ آ جاتی ہو اس خصم کو بھی ساتھ لے کر دندناتی ہوئی۔"

ہم نے گردن لٹکا کر باہر دیکھا تو مرغیوں کے درمیان اونچی ٹانگوں والا ایک مرغ بھی باوقار شوہرانہ انداز سے ٹہل رہا تھا۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سوائے مرغیوں کے اماں کو کسی اور چیز کا ہوش نہیں رہنا تھا۔ ہم نے مسکرا کر پلکیں موند لیں اور یہ سوچنے لگے کہ ہمیں وہاں کس اسٹائل میں بات کرنی چاہیے۔

☆☆

مقررہ دن اور وقت پر اہم کشاں کشاں چاند کے دفتر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دفتر کے ساتھ ملحقہ ایک وسیع سبزہ زار پر بڑی جگمگ اور رونق ہے۔ رنگین قناتیں لگی ہوئی ہیں، ڈھیروں ڈھیر کرسیاں موجود ہیں، اسٹیج پر بائیک شاتیک لگا ہے اور ہر چیز اپنی جگہ خوبصورتی کے ساتھ موجود ہے۔ ہم نے ایک طرف دیکھا تو خواتین پر نظر پڑی۔ ہماری جان میں جان آئی۔ اتنے میں کسی طرف سے ایک نہایت خوبصورت نازک اندام دوشیزہ نکلی۔ موسم کی ساری گلابیاں جس کے چہرے کے سامنے ہیچ تھیں، نرم نرم روئی کے گالے جیسے لہجے میں ہمیں خوش آمدید کہا اور اسی نرمی سے ہمیں ان بیٹھی ہوئی خواتین تک پہنچا چلی گئیں۔ ہم نے پسینہ پونچھ کر ادھر اُدھر دیکھا اور ساتھ بیٹھی لڑکی سے ان صاحبہ کے بارے میں پوچھا۔ پتہ چلا کہ وہ "ایک لڑکی" صاحبہ ہیں۔ ہم ان کے حسن اور سادگی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اب جو ذرا نگاہ دوڑائی جہاں مرد تشریف فرما تھے تو ایک خاصی قبول صورت شخصیت، داڑھی مونچھ ندارد، تھری پیس سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں قیمتی سگار، گلے میں سونے کی چین، ہاتھ میں خوبصورت انگوٹھی، خوبصورت بڑے بڑے بال شیمپو کیے ہوئے کھڑے مردوں کو "ویلکم" کہہ رہے تھے۔ ہم نے اپنی "سرسری" نظر ان پر سے ہٹائی اور پیر جنگلی کی تلاش میں نظر ادھر اُدھر گھمانے لگے۔ کافی دیر گزر گئی، تقریباً سب مہمان پہنچ چکے تھے۔ اتنی دیر میں ہم تمام لڑکیوں کا ایک دوسرے سے تعارف ہو چکا تھا بلکہ ہم لوگ موسم سے لے کر کپڑے،

نوید ظفر کیانی

جوتے جیولری، میک اپ، ہر قسم کے موضوع پر بول چکے تھے۔ ہم نے ٹہوکے سے مس بجلی سے پوچھا جو اپنی لمبی خوبصورت چٹیا کو بل دینے میں مصروف تھیں۔

''پیر جنگلی کب آئیں گے؟''

بولیں۔ ''ارے، پیر جنگلی پر بھی آج کل کے منسٹروں، افسروں کا اثر ہو گیا ہے، وقت سے دو گھنٹہ لیٹ ہی آئیں گے۔''

ہم نے تشویش زدہ انداز میں گھڑی دیکھی اور بولے۔ ''بھئی، آخر پتہ تو چلے وہ ہیں کہاں؟''

سچ بتاؤں قارئین! میں ان کی داڑھی کو خاص طور پر نزدیک سے دیکھنے کی بہت خواہش مند تھی---اتنے میں کہیں سے ایڈیٹر صاحب کے آنے کی آواز اٹھی۔ ہم نے بھی گردن اونچی کر کے دیکھا کہ شاید ساتھ پیر جنگلی بھی ہوں لیکن ہنوز وہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب تھے۔ ہم سے صبر نہ ہو سکا، پاس سے گزرتے ہوئے ایک صاحب سے پیر جنگلی کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے انہی سوٹ میں ملبوس سگار والی شخصیت کی طرف اشارہ کیا۔

''اوئی، اللہ---!'' ہم تمام خواتین کورس کے انداز میں چیخیں۔

''نہیں، نہیں---'' ہم نے سر کو کئی جھٹکے دیے۔ نظام شمسی بدل سکتا ہے، ریما میک اپ کے بغیر رہ سکتی ہے، مسز اندرا گاندھی پھر زندہ ہو سکتی ہے۔ چاند کے کالے اور کاکیاں امن اور بھائی چارے کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، پاکستان کے تمام باریش بزرگ کلین شیو ہو سکتے ہیں مگر پیر جنگلی کا یہ روپ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تمام خواتین کے چہروں کی اڑی ہوئی ہوائیاں آہستہ آہستہ واپس آنا شروع ہو گئیں مگر ہماری گم ہوتی ہوئی سٹی واپس نہ آ سکی۔ کہاں کی شام اور کیسی شام؟---ہم برق رفتاری سے پیر جنگلی کے پاس جا پہنچے جو اپنے نام کے بالکل الٹ تھے۔ چاند کے تمام لکھاریوں نے پیر جنگلی کے گرد گھیرا ڈال دیا اور طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ پیر جنگلی جنہیں اس نام سے بلاتے ہوئے اب سب جھجک رہے تھے، انہوں نے اطمینان سے سگار منہ سے نکالا۔ ایک کافرانہ مسکراہٹ کاکیوں کی طرف اچھالی اور بڑے شہد آگیں لہجے میں گویا ہوئے۔

''ایسا کریں کہ آپ سب نے جو کچھ پوچھنا ہے، باری باری پوچھ لیں تا کہ میں بھی اطمینان سے آپ کے سوالوں کا سامنا کر سکوں۔''

ہم نے انتہائی تیزی و تندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیر جنگلی سے پوچھا۔

''آخر آپ کے قول و فعل میں تضاد کی وجہ کیا ہے؟---آپ کا یہ حلیہ دیکھ کر تو ہمارے دل و دماغ میں پٹاخے سے چھوٹ رہے ہیں، آخر آپ نے ہمیں اتنا عرصہ اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا رکھا؟''

ہم جب بولنے پہ آئے تو زبان کی بریکیں ہی فیل ہو گئیں۔ آخر ہمارے سوال کو سب نے مل جل کر مختصر کیا اور پیر جنگلی سے اس بات کی وضاحت چاہی۔

پیر جنگلی: دراصل یہ ہماری لاڈلی بیگم کا مشورہ تھا۔

''ہائیں! کیا کہا---بیگم---؟''

کاکیوں کو پھر کھٹملوں نے کاٹ لیا۔

''آپ---آپ شادی شدہ ہیں؟''

پیر جنگلی: (نہایت اطمینان سے) جی ہاں---نہ صرف شادی شدہ ہوں بلکہ وزارت بہبود آبادی کا سب سے بڑا مخالف ہونے کی وجہ سے آٹھ عدد تر و تازہ پھولوں کا باپ بھی ہوں۔

''کیا---کیا---؟''

ایک مرتبہ پھر تمام خواتین اچھلیں، کئی سیٹوں پر دو ہتھڑ بجنے کی آواز سنائی دی۔

خالہ زبیدہ: (ہاتھ ملتے ہوئے) آئے، ہائے کیا زمانہ آ گیا، لوگو! کیا زمانہ آ گیا۔ ایسا ظلم نہ دیکھا نہ سنا---ہائے، کیا زمانہ آ گیا۔

ندیم و برنہ خالہ! تم اپنا یہ راگ تو بند کرو، حقائق سے آگاہ تو ہو لینے دو اور پھر یہ کوئی ایسی انہونی تو نہیں ہو گئی۔ شادی، بیگم، بچے تو زندگی کی اہم ضرورتوں میں شامل ہیں۔

نسیم احمد صدیقی: (ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے) بالکل بھئی، بالکل---ہمارا کھانے پکانے کے بغیر گزارہ تو ہو سکتا ہے مگر بیگم کی ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر، ناممکن!

خادم حسین مجاہد: بھئی، شادی تو ایک حقیقت ہے اور حقیقت سے منہ موڑنا کوئی اچھی بات تو نہیں۔

خالہ زبیدہ: (حلق پھاڑ کر) ارے، یہاں تو ہر ایک کی اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ ہے---ارے، پہلے اس پیر جنگلی کا احتساب تو کرو۔

مس بجلی: جنگلی صاحب! دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت---خود شادی شدہ ہیں تو دوسروں کو اس کار خیر سے کیوں روکتے ہیں؟

پیر جنگلی: ارے، بی بی! دنیا میں سیاست کا بڑا عمل دخل ہے۔ ہوائیں بھی آج کل سیاسی ہیں تو میں کیوں نہیں سیاست سے کام لے سکتا؟

مس بجلی: (تڑخ کر) میرے سوال کو گول مت کیجیے، جلدی بتائیں کہ ایسا کیوں کرتے ہیں آپ؟

پیر جنگلی: بات یہ ہے کہ جب شادی ہوتی ہے تو بچے بھی ضرور عالم وجود

میں آتے ہیں اور جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو آبادی میں اضافہ تو لازمی ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں وسائل کی کمی ہے جبکہ مسائل میں اضافہ ہے تو میں چاند کے ذریعے لوگوں کے مسائل کم کرنا چاہتا ہوں، لوگوں کو پریشانیوں سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔

مس حمیدہ سحر: (چہک کر) اور خود جو آٹھ عدد پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں، وہ؟

پیر جنگلی: (برا منا کر) دیکھیں، بی بی! اپنی اولاد ہے۔ آٹھ ہیں تو کیا ہوا، دس بھی ہوتے تو مجھ پر ہرگز بھاری نہیں تھے---خبردار! جو میرے بچوں کے پیچھے کوئی رولا ڈالا۔ اللہ قائم رکھے میرے لاڈلوں کو---ان کی اماں کے سامنے شکر ہے، آپ نے یہ بات نہیں کہہ دی ورنہ یہاں تیسری جنگ کے امکانات خاصے روشن ہو جاتے۔

مس ناز سناز: ---اور یہ جو آپ نے فرضی داڑھی اتنی بڑھا رکھی ہے اور حقیقت میں صفاچٹ ہیں، اس پر کوئی بیان دینا چاہیں گے آپ؟

پیر جنگلی: (اچانک بچپن کے سٹائل میں) دراصل ہمارے نوجوان میں مذہب کی طرف رجحان گھٹتا جا رہا ہے۔ یہ تو میرا احسان سمجھیں کہ میں اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا ہوں۔ لڑکیاں ''باریش'' قسم کے نوجوانوں کو ذرا کم ہی پسند کرتی ہیں۔ جب ملک کے تمام نوجوان ''ریش درازان'' کے مالک ہو جائیں گے، ٹخنوں سے اونچی شلواریں پہنیں گے، چارخانوں والے رومال کندھوں کی زینت بنا لیں گے ''سبحان اللہ---! (آنکھیں بند کر کے جھوم جھوم کر) کیا پاکیزہ مناظر ہوں گے۔ نوجوانوں کی نیچی نگاہیں ہوں گی اور خواتین کے سولہ سنگھار کا جواز ہی ختم ہو جائے گا۔

دی الٹیمیٹ واریئر: (ناک پھلا کر) اچھا، تو یہ سب آپ کی سازش ہے۔ ہم لوگ آپ کو اپنا پیر مان رہے ہیں اور آپ ہیں کہ اندر اندر سے ہماری جڑیں کاٹ رہے ہیں---واہ، کیا پالیسی ہے۔

پرنس اے بی کشمیری: (کسی پختہ ارادے کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے) یہ پیر جنگلی سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو، میں شادی کروں گا اور ضرور کروں گا بلکہ اسی ماہ میں اسی سال میں کروں گا۔

مس صائمہ: جنگلی صاحب! آپ کا بولنے، بیٹھنے اور کھڑے ہونے کا سٹائل ایک مشہور اداکار (پڑوسی ملک کے) سے بہت ملتا جلتا ہے۔ کسی غیر کے رنگ میں رنگ جانے سے مطلب؟

پیر جنگلی: دراصل فلمیں میں بہت شوق سے دیکھتا ہوں اور خاص کر انڈین اور انگلش فلمیں دیکھتا ہوں۔ میرے خیال میں انڈیا کا معیار تو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ کیا تھرل ہے، کیا ایکشن ہے، کیا میوزک ہے۔

مس راشد: (بات کاٹ کر تلخ لہجے میں) اور کیا ملبوسات ہیں۔

پیر جنگلی: بالکل، بالکل---میں اسی طرف آ رہا تھا۔ آپ کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ---

پھوپھی بھتیجاں: (خطرناک تیوروں کے ساتھ) پیر جنگلی! تو، تو انگریزی لباس کے بالکل خلاف تھا؟

پیر جنگلی: (شرما کر) پھوپھی! اب آپ کو کیا بتاؤں۔ دراصل میرے سسرالی سارے امریکہ پلٹ ہیں، نا! میرے سالوں نے انگریزی میں مجھے دھمکی دی تھی کہ میں ان کا امیج خراب نہ کروں بلکہ برقرار رکھوں اور رات کو سوتے وقت بھی تھری پیس سوٹ نہ اتاروں۔ کوئی کسی وقت بھی مجھ سے ملنے آ سکتا ہے۔

ظفر ندیم: بھائی! لگتا ہے کہ دفنانا بھی اسی سوٹ میں پڑے گا۔

پیر جنگلی: بالکل، بالکل---ہائیں، کیا کہا---؟

شگفتہ ناز: (قریب آتے ہوئے) جناب! سگریٹ کے تو آپ بے حد مخالف تھے، پھر آپ کے ہاتھ میں سگار؟

پیر جنگلی: (سگار کا کونہ چباتے ہوئے) یہ تو امیروں کا فیشن ہے اور مخالف تو وزارت صحت بھی ہے۔ آج تک ''خبردار'' والے فقرے سے کتنوں نے سبق حاصل کیا ہے جو میں باز رہوں؟---ارے، خواتین! یہاں غیر متوقع ہی خاموشی کیوں چھا گئی ہے حالانکہ خواتین کی محفل میں ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔

مزاحیہ شرارتی: پیر صاحب! خیر منائیں اپنی، خواتین کی خاموشی خطرناک ہوتی ہے۔

مسٹر پاگل: (آنکھیں ملتے ہوئے) کیا واقعی خواتین بالکل خاموش ہیں، یہ کوئی خواب تو نہیں؟

احمق لاہوری: (پاگل سے مخاطب ہو کر) یار! ذرا مجھے چٹکی تو کاٹنا، آج ساری باتیں ہی خلاف توقع ہو رہی ہیں---اوئے، ظالم! کاٹ ڈالا---ارے، کسی قصائی کے پڑوسی! پوری بوٹی ہی نکال لی ہے گوشت کی---ہائے!

گل نوخیز اختر: جنگلی جی! آج آپ نے ہمیں اس صنف کے سامنے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے، ہمیں سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا تم نے---اپنی مونچھیں کٹا کر تم نے ہماری اکڑی ہوئی مونچھوں کے کونے لٹکا کر رکھ دیے ہیں---پیر! ہم تجھے بددعا دیتے ہیں۔ اللہ کرے پاپ میوزک کی ہوا تجھے لگ جائے، اللہ کرے زی ٹی وی والے تجھے بطور ماڈل ہم سے ادھار مانگ لیں اور ہم تیری واپسی کا مطالبہ بھی نہ کریں۔

نوید ظفر کیانی

پیر جنگلی: ارے، خواتین! سن رہی ہیں----ارے، کسی کا کلیجہ نہیں کانپتا لیکن یہ آپ لوگ دوپٹے کمر سے کیوں باندھ رہی ہیں اور سینڈلیں کیوں اتار رہی ہیں؟ ---ارے، ارے---

اس سے پہلے کہ پیر جنگلی کو خواتین کی خطرناک خاموشی کے بعد آنے والے طوفان کا علم ہوتا، کئی سینڈل بیک وقت ان کی کھوپڑی کی طرف بڑھے۔ تمام حضرات نے بھی حتی الامکان خواتین کا ہاتھ بٹایا۔ اک ہاتھا پائی، کچھ شور وغل، کچھ جوتوں کی برسات۔ اچانک کسی نے پھینکا ہوا جوتا اپنا نشانہ مس کرتا ہوا ہماری کھوپڑی پر کریش لینڈ ہوا اور قارئین! افسوس، صد افسوس، ہزار ہا افسوس--- دل تھام کر سنئے کہ ہماری آنکھ کھل گئی۔

اماں بی کا نشانہ کوئی مرغی تھی یا مرغا تھا، ہمیں یہ نہیں پتہ لیکن نشانہ خطا ہو کر ہماری کھوپڑی ضرور پلپلی کر گیا۔

"ہائیں، تو کیا دعوتی کارڈ، پیر جنگلی کے نام ایک شام اور پیر جنگلی کا بہروپ---" ہم نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آہ، کیا وہ سب خواب تھا؟"

اماں بی نے تشویش ناک انداز میں ہمیں دیکھا۔ پھر جوتے کی لمبائی چوڑائی کو نظروں سے تولا۔

"اے، بیٹا! کیا اول جلول بک رہی ہو۔ خدانخواستہ چوٹ گہری تو نہیں آئی؟"

ہم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اماں! چوٹ تو واقعی گہری آئی، اب آپ کو کیا بتاؤں؟"

☆☆

نام کے فاضل

شہباز علی، راولپنڈی

ہمارے ایک دوست ہیں خواجہ محمد فاضل جو مرنجان مرنج شخصیت کے مالک ہیں۔ دوستوں کی محفل احباب یوں تو بہت وسیع ہے لیکن اس کے باوجود یہ کسی کو اپنا دوست نہیں سمجھتے اور اپنے دوستوں کی محفل میں اس بات کا برملا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔

موصوف کو ادب اور موسیقی سے گہری دلچسپی ہے۔ ہر محفل میں ان دونوں موضوعات پر بلاجھجک سیر حاصل گفتگو کرتے ہیں۔ نہ صرف گفتگو کرتے ہیں بلکہ اپنی بات منوانے کی بھی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ موسیقی کے بارے میں انہیں اکثر یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اس فن میں میرا کوئی استاد نہیں۔ شاید ان کے نزدیک یہ بات قابل فخر ہو لیکن ہمارے خیال میں موصوف اگر غالب کے حالات زندگی کا مطالعہ کر لیتے تو اپنے آپ کو بے استاد کبھی نہ کہتے کیونکہ انہیں اس بات کا علم ضرور ہو جاتا کہ ابتدا میں غالب بھی کہا کرتے تھے کہ فن شاعری میں میرا کوئی استاد نہیں لیکن غالب کی یہ بات سن کر لوگوں نے انہیں بے استاد کہنا شروع کر دیا۔ (اس زمانے میں بے استاد ایک گالی تصور کی جاتی تھی، شاید آج ایسا نہیں ہے) غالب نے اس بات کے پیش نظر ایک ایرانی نژاد نومسلم ملا عبدالصمد کو اپنا استاد کہنا شروع کر دیا تا کہ لوگ انہیں بے استاد کہنا چھوڑ دیں۔

خواجہ صاحب کی شعر و سخن سے دلچسپی کا عالم یہ ہے کہ دوستوں کی محفل میں عام طور پر مرزا غالب کا یہ شعر بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے نظر آتے ہیں---

ریختے کے تمہی استاد نہیں ہو، غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

ستم یہ ہے کہ موصوف غالب کے اس شعر کو بے وزن پڑھتے ہیں کیونکہ اردو شاعری کے اسرار و رموز سے انہیں چنداں واقفیت نہیں۔ ویسے بھی غالب جیسے دقیق، نکتہ سنج اور فلسفیانہ افتاد طبع کے حامل شاعر کی تفہیم ان کے لئے جان لیوا ہے۔ غالب کا درج بالا شعر شاید وہ اس لئے پڑھتے ہیں کہ دوستوں کو بتا سکیں کہ غالب ایسے نابغہ عصر سے انہیں خاص شغف ہے۔

موصوف کو مطالعہ کتب کا بھی شوق ہے لیکن اس شوق میں یہ دو تین کتابوں سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ ہاں، البتہ اخبارات و رسائل کے ساتھ ان کے تعلقات بہتر ہیں۔ سمعی مطالعہ ان کا پسندیدہ طریق مطالعہ ہے۔ سمعی مطالعہ سے مراد یہ ہے کہ ان کا علم محض سنی سنائی باتوں تک محدود ہے اور ستم کی بات یہ ہے کہ انہیں مجبوراً ان پر یقین کرنا پڑتا ہے، آخر حفظ مراتب بھی تو کوئی شے ہے۔

خواجہ صاحب کے ایک قریبی دوست نے انہیں Night of prince کا لقب دے رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کی صبح ہی شام چھ بجے ہوتی ہے۔ یہ شام کو تیار ہو کر پوری تام جھام کے ساتھ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ایک مخصوص ہوٹل کے پاس کھڑے ہو کر دوستوں کا انتظار کرتے ہیں۔ اس ہوٹل کا نام دوستوں نے لنڈو ہوٹل ڈال رکھا ہے کیونکہ اس ہوٹل کے پاس ایک بہت پرانا خشک درخت ہے۔ اس درخت کے پاس موصوف کسی نہ کسی کے منتظر رہتے ہیں اور جو بھی یہاں پہلے آگیا، اسی کے ساتھ ہو لئے۔ اب اس کی مرضی، وہ انہیں کہیں بھی

لے جائے۔

وہ دوست انہیں شہر کے کسی ہوٹل میں لے جاتا ہے جہاں یہ ساری رات بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔ گپ شپ دنیا کے تقریباً ہر موضوع پر ہوتی ہے۔ یعنی موسیقی، شعروادب، مصوری، ثقافت، فلسفہ اور سیاست غرض یہ کہ کوئی پہلو بھی تشنہ تکمیل نہیں رہتا۔ بالآخر رات اسی طرح خوش گپیوں میں گزر جاتی ہے اور حضرت صبح چھ بجے تازہ دم گھر پہنچتے ہیں۔ گھر پہنچ کر اخبار کا مطالعہ فرماتے ہیں جو ان کے علم کا واحد ذریعہ ہے اور شام چھ بجے تک کے لئے خواب خرگوش کے مزے لوٹتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے فطری طور پر عاشقانہ مزاج پایا ہے۔ یہ بچپن سے بڑھاپے تک عشق کئے جانے کے قائل ہیں۔ یہ اس بات پر بھی پختہ یقین رکھتے ہیں کہ عشق کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔ ان کے نزدیک جو ایسے مواقع ضائع کرتا ہے، وہ آخری عمر میں کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ اپنے اسی نظریئے کے باعث یہ پیرانہ سالی کے باوجود ہمہ وقت عشق کے لئے تیار رہتے ہیں اور علامہ اقبال کے اس شعر میں حقیقت کا رنگ بھرتے ہوئے نظر آتے ہیں---

بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی

بھری بزم میں عاشق کو تاڑنے کی حس انہیں بچپن ہی سے تفویض ہوئی ہے جو ابھی تک پوری آب و تاب کے ساتھ قائم ہے۔ یہ اب تک دو ناکام معاشقوں کے بھی مرتکب ہو چکے ہیں۔ ویسے اگر یہ چاہتے تو ان میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے لیکن سست الوجود ہونے کی وجہ سے انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ معاشقوں کی ناکامی کا باعث حضرت اپنی محبوباؤں کو قرار دیتے ہیں۔

اپنی محبوباؤں کو چکنی چپڑی باتوں سے دھوکا دینے کے باوجود موصوف حقوق نسواں کے زبردست حامی ہیں۔ عورت کو پیدائش سے موت تک مظلوم مخلوق قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کا اپنا شمار بھی ان مردوں میں ہوتا ہے جو معصوم اور سادہ لوح لڑکیوں کو دھوکا دے کر ایک طرح کا اطمینان محسوس کرتے ہیں اور اپنی بقیہ زندگی اسی اطمینان کے سہارے بسر کرتے ہیں--- حقوق نسواں کے حامی ہونے کے ساتھ ساتھ موصوف محنت کی عظمت کے بہت قائل ہیں اور گفتگو کے دوران اکثر اپنے دوستوں کو محنت اور عمل کا درس بھی دیتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے خود بچپن سے بڑھاپے تک کوئی بھی کام نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ روپے پیسے کے سلسلے میں انہوں نے ہمیشہ اپنے ایک بھائی اور بہنوں پر انحصار کیا ہے۔ ویسے ان کی بہنیں قابل تحسین ہیں جو مستقل بنیادوں پر ان کی مالی مدد کرتی چلی آ رہی ہیں۔

خواجہ صاحب یوں تو سن رسیدہ ہیں اور زندگی کی تقریباً پچاس بہاروں کے مزے لوٹ چکے ہیں لیکن ان کے دوستوں کی اکثریت عموماً کم عمر لڑکوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میں بھی اکثریت ایسے لڑکوں کی ہے جو آٹھویں یا دسویں سے بھاگے ہوئے ہیں۔ یہ لڑکے خواجہ صاحب کی دل جان سے عزت کرتے ہیں۔ بقول ان لڑکوں کے، وہ ان کے علم سے مستفید ہونے کے لئے ان کے پاس بیٹھتے ہیں۔ ویسے خواجہ صاحب نے خود بھی میٹرک کا امتحان مشکل سے پاس کیا تھا اور کالج میں پہنچ کر تعلیم سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گئے تھے۔

ایک دن خواجہ صاحب سے ایک پروفیسر دوست نے (جو ان کے ہم عمر ہیں) سوال پوچھا کہ تم ان کم عمر لونڈوں کے ساتھ کیوں بیٹھتے ہو؟--- انہوں نے غضبناک ہو کر جواب دیا۔

”کیا تم میرے پاس بیٹھ سکتے ہو، کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے کہ ساری رات بیٹھ کے میرے ساتھ گپ لگاؤ؟--- تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرا اصل مسئلہ وقت گزارنا ہے۔ اگر میں ان کی صحبت میں نہ رہوں تو پھر کہاں جاؤں، کیسے گزرے گا میرا وقت؟ میرے ہم عمر دوست سب کے سب شادی شدہ ہیں۔ ان کی اپنی زندگیاں مسائل سے پر ہیں۔ یہ اب سوائے سلام دعا کے میرے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھ سکتے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں مجرد ہوں، تمام قسم کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوں۔ مجرد آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ وقت گزارنا ہوتا ہے۔“

کوئی بھی شخص پر تصنع ہونے کے باوجود مکمل طور پر بناوٹی اور کھوکھلا نہیں ہوتا۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے۔ موصوف میں بھی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بے ضرر آدمی ہیں۔ اپنے کسی بھی دوست کو (جنہیں وہ اپنا دوست قرار نہیں دیتے لیکن بیٹھتے بھی انہی کے ساتھ ہیں) تنگ نہیں کرتے لیکن ان کے گھر والے ان سے ہمیشہ تنگ رہتے ہیں۔ دراصل ان کا مطمع نظر عوام کو خوش رکھنا ہے، خواص کو نہیں۔ ☆☆

نوید ظفر کیانی

چار حرفوں کا رونا

این۔ اے۔ کاموکی

رونے میں چار حرف لگتے ہیں۔ یوں یہ چاروں طرف سے انسانی زندگی کو گھیرے ہوئے ہیں اور بعض اوقات تو یوں لگتا ہے جیسے خدا نے انسان کو صرف رونے کے لئے پیدا کیا ہے۔

بچے کی پیدائش سے پہلے اس کی والدہ روتی ہے کہ اے خدا! مجھے

اولاد دے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے۔ ذرا بڑا ہوتا ہے تو جب تک باتیں نہیں کرنے لگتا، رونے کو ہی ذریعہ اظہار بناتا ہے۔ بچہ جب باتیں کرنے لگتا ہے تو پھر بھی اپنی بات منوانے کے لئے روتا ہے۔ جب بچہ جوان ہوتا ہے تو والدین کو اپنی بات منوانے کے لئے رونا پڑتا ہے۔ جب روپیٹ کر پڑھ جاتا ہے تو ملازمت نہ ملنے کا رونا روتا ہے---شادی ہوتی ہے تو بیوی روتی ہے۔ خاوند یہ روتا ہے کہ اب وہ رو بھی نہیں سکتا۔ شادی کے بعد بیوی اپنے خاوند کا ہی رونا روتی ہے۔ خاوند کی جب عمر ڈھلتی ہے تو اپنی جوانی یاد کر کے روتا ہے۔ پھر دنیا کا رونا روتے روتے ہمیشہ کے لئے چپ ہو جاتا ہے۔ رونے والوں میں دھاڑیں مار مار کر رونے والے وہ دوست بھی ہوتے ہیں جن کا قرض لوٹانے سے پہلے موصوف خدا کی طرف لوٹ گئے۔

ہر کوئی اس لئے روتا ہے کہ کوئی اسے چپ کرائے۔ اپنے دامن میں اس کے آنسو جذب کر کے اپنائیت کا اظہار کرے۔ رونے والے کو مختلف طریقے سے چپ کراتے ہیں۔ کلرک بابو کو چند نوٹ دکھا کر چپ کراتے ہیں۔ لیڈروں کو ہردم ہجوم کا غم کھائے جاتا ہے، وہ سارا سارا دن قوم کے غم میں روتے ہیں۔ انہیں رہ رہ کے رونا آتا ہے کہ کوئی انہیں چپ نہیں کرتا۔ ان کو چپ کرانے کے لئے کرسی دی جاتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح چھوٹے بچے کو چپ کرانے کے لئے ٹافی یا کھلونا دیا جاتا ہے۔ جب چند سال بعد کرسی سے اتر جاتے ہیں تو قوم ان کو برسوں روتی ہے۔

کہتے ہیں، گانا اور رونا کسی کو آتا ہے لیکن یہ ہر کسی کو پتہ نہیں چل سکتا کہ دوسرا گا رہا ہے یا رو رہا ہے۔ ویسے رونے سے کسی کی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مختلف طبقوں کے لوگ اپنے اپنے انداز میں روتے ہیں۔ گلوکار بڑے ترنم سے روتے ہیں، شاعروں کا رونا وزن میں ہوتا ہے۔ کبھی لمبی بحر میں اور کبھی چھوٹی بحر میں۔

عورت کا رونا سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب بیٹھے بیٹھے رونے لگے اور کب روتے روتے مسکرا دے۔ ہمارے معاشرے میں رونا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ آپ ادبی رسالوں میں چھپنے والی مزاحیہ تحریروں کو پڑھ کر رو سکتے ہیں۔ کامیڈی فلمیں دیکھ کر آپ کو رونا آئے گا۔ ہمارے ہاں رونے کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی کے نصیب میں نہیں۔

جس کو کھانا نہیں ملتا، وہ کھانے کے لئے روتے ہیں۔ جنہیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوتا ہے، وہ کھاتے ہوئے روتے ہیں، باقی کھا کر روتے ہیں۔ جب بھی دو شخص مل بیٹھتے ہیں ہر کوئی اپنا رونا رونے لگتا ہے---کبھی کبھی تو مظلوم کو روتا دیکھ کر آسمان کی آنکھیں بھی بھر آتیں ہیں۔ وہ ٹوٹ کر اتنا روتا ہے کہ دریا بہہ نکلتے ہیں۔ ظالم اس طرح نیست و نابود ہوتے ہیں کہ ان کو رونے والا کوئی نہیں ہوتا۔ رونے کا عمل جانداروں تک ہی محدود نہیں۔ میں نے رات کو آسمان کی پلکوں پر آنسو ستاروں کی صورت لرزتے دیکھتے ہیں جو صبح ہوتے ہی شبنم کی صورت میں بکھر جاتے ہیں۔ جب بھی بادل آسمان کو پوری طرح ڈھانپ لیتا ہے تو پھر آسمان کی گھٹی گھٹی سی چیخیں اور بادل کے غرانے کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ جب یہ سب آسمان کے بس سے باہر ہو جاتا ہے تو زار و قطار رونے لگتا ہے۔ اس کی پلکوں پر ٹکے قطرے ٹپ ٹپ زمین پر گرنے لگتے ہیں۔

کائنات کی ہر شے روتی ہے۔ ہوائیں بھی سسکیاں بھرتی ہیں۔ میں اکثر گلاس میں ٹھنڈا پانی ڈال کر اسے ٹھنڈا ہوتے دیکھتا ہوں تو اس کی سطح سے ٹکرانے والی ہوا کے جھونکے گلاس کو یوں تڑپ تڑپ ٹھنڈا ہوتا نہیں دیکھ سکتے اور ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں جو گلاس کی بیرونی سطح پر پھیل جاتے ہیں۔

رونے کا عمل صرف غم کے باعث ہی نہیں، خوشی کے موقع پر بھی آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ جب کوئی بچھڑتا ہے تو آنکھوں کا کاجل بھیگ جاتا ہے۔ جب کوئی بچھڑا ملتا ہے تو پھر آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ مجھے رونے کا عمل بہت پسند ہے اس لئے کہ رونے سے چہرہ دھل جاتا ہے۔ میک اپ کی مصنوعی تہیں اتر جاتی ہے اور قدرتی حسن یوں نکھر جاتا ہے جیسے گلاب کے پھول کو شبنم کے قطروں نے غسل دے دیا ہو بلکہ اس لئے کہ جب میں تنہا ہوتا ہوں، کوئی میرے غم کو اپنا نہیں سمجھتا تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ جب میں ڈبڈباتی آنکھوں سے دیکھتا ہوں تو مجھے پوری کائنات اپنے ساتھ روتی معلوم ہوتی ہے۔ جگمگ کرتی روشنیاں چاند تارے سب روتے معلوم ہوتے ہیں اور مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ یوں لگتا ہے میں اکیلا نہیں پوری کائنات میرے دکھ میں شریک ہے---چویشن ذرا جذباتی ہوتی جا رہی ہے، کہیں آپ بھی رونے نہ لگ جائیں اس لئے خدا حافظ!

☆☆

نوید ظفر کیانی

ہنستے بیمار دل

ڈاکٹر مشتاق احمد سحر، راولپنڈی

یہ تو کمپٹیشن کا زمانہ ہے۔ جس میں کبھی ہاکی، کبھی کرکٹ، کبھی سنوکر اور آجکل ہارٹ اٹیک کا کریز عروج پر ہے۔ ڈاکٹر کی حیثیت سے ہمارا

تجربہ ہے کہ جب ہم کسی وی آئی پی یا اس سے کچھ نچلے درجے والے کو یہ بتاتے ہیں کہ اسے دل کی کوئی بھی تکلیف نہیں تو اسے زبردست شاک گزرتا ہے اور جب وہ سکتے سے باہر آتا ہے تو نہایت شرمندگی اور آہستگی سے "اچھا، شکر ہے" کے الفاظ بمشکل ادا کر پاتا ہے۔ "اچھا" کو وہ حیرت کے ساتھ اور "شکر" کو نہایت دھیمے لہجے میں کہتا ہے۔ اب دیکھیے نا، یہ کیسے شکر ہو سکتا ہے کہ جب فیشن ہارٹ اٹیک کا کریز عروج پر ہو تو آپ خود اس سے محروم رہیں؟---بات عام فہم ہے کہ جب بڑے بڑے لوگ دل کی بیماریوں سے لقمۂ اجل بن رہے ہوں تو ایسی صورت میں بھلا تپ دق سے مرنا کوئی خوبی کی بات تو نہیں بلکہ ایسا شخص تو مرنے کے بعد بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا اور رشتہ دار الگ شرم سے پانی پانی ہوئے چلے جاتے ہیں اس لئے ہم آپ کو ایک سکہ بند ڈاکٹر کی حیثیت سے چند ایک ہدایات دیتے ہیں جن پر عمل کرنے سے آپ یقیناً اپنے آپ کو اس کریز میں مبتلا کر سکتے ہیں اور فخر و انبساط سے یہ بتانے کے قابل ہو جائیں گے کہ بھئی، مجھے انجائنا تو عرصہ دراز سے ہے جبکہ ہلکا سا ہارٹ اٹیک بھی ایک دفعہ تو ہو چکا ہے اور بلڈ پریشر تو خیر خاندانی ہے۔ آپ کے استفادہ کے لئے عرض ہے۔

☆ اگر آپ چالیس سے زیادہ ہیں تو نہایت خوش قسمت واقع ہوئے ہیں کہ محض تھوڑی سی کوشش سے کامیابی آپ کے قدم چوم سکتی ہے۔

☆ اگر آپ کسی قسم کی ورزش یا اپنا کام خود کرنے کی فضول عادت میں مبتلا ہیں تو فوری طور پر اس سے چھٹکارہ حاصل کریں کہ خواہ مخواہ تھکاوٹ ہوتی ہے۔

☆ اگر اپنی محنت کی کمائی سے دوسروں کی مدد کر کے کوئی جھوٹی قسم کا سکون محسوس کرتے ہیں تو فوری طور پر ہاتھ کھینچ لیں کہ اور نقصانات کے علاوہ آپ کی دولت میں کمی کے آثار پیدا ہو سکتے ہیں

☆ کھانوں میں دیسی گھی اور نمک کی مقدار زیادہ رکھیں کہ کھانا ان کے بغیر پھیکا پھیکا سا لگتا ہے اور کھانے کے بعد پسندیدہ سویٹ ڈش کھانا نہ بھولئے کہ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ضروری ہے۔

☆ ہر وقت مسکراتا چہرہ بھی کوئی اچھی علامت نہیں، مذاق کو بھی سنجیدگی سے لیں اور دوسروں کو احساس دلا دیں کہ آپ ایک "سوبر" انسان ہیں تاکہ وہ آئندہ بھی ہنسی مذاق کی جرات نہ کرے۔

☆ خوب ڈٹ کر کھائیں جس کا اظہار واضح طور پر پیٹ کے سائز سے ہونا چاہئے۔ یاد رکھیں کہ پیٹ کی اٹھان آپ کی بلند و بالا پرسنلٹی کو ظاہر کرتی ہے اور اس سلسلے میں کسی تنقید یا مشورے کی پرواہ نہ کریں۔

☆ اگر آپ کو غصہ نہیں بھی آتا تو کوئی بات نہیں شروع شروع میں مصنوعی غصے کا اظہار کریں۔ انشاء اللہ، جلد ہی مصنوعی پن ختم ہو جائے گا۔ یہ آپ کے بلڈ پریشر کے لئے مفید رہے گا۔

☆ سیاست میں کود پڑیں کہ اس سے آپ کا کام آسان ہو جائے گا اور آپ اس برادری میں شامل ہو جائیں گے جو پہلے ہی ہارٹ اٹیک اور بلڈ پریشر کمپیٹیشن میں ہے۔ یقیناً آپ کو یہ باور کرانے کی ضرورت نہیں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

☆ کوشش کریں ایسی فیملی میں شادی کریں تو دعویٰ کرے کہ کئی نسلوں سے ان کے خاندان میں بلڈ پریشر اور ہارٹ اٹیک کی پچھٹ "روایت" چلی آ رہی ہے۔ جھوٹ اور سچ کی تصدیق کر لیں کہ کہیں وہ لوگ کریز کمپیٹیشن میں سربلند ہونے کے لئے مبالغہ آرائی سے کام نہ لے رہے ہوں۔

☆ اپنے آپ کو اتنا مصروف کر لیں کہ باقی لوگ تو ایک طرف، آپ کی بیوی کو بھی ملاقات کے لئے آپ کی سیکرٹری سے وقت طے کرنا پڑے۔

یہ چند ایک پرخلوص مشورہ جات آپ کے لئے مربہ جات کی طرح تقویت کا باعث ہوں گے تاہم مزید وضاحت اور مشورے کے لئے رابطہ کریں---ہارٹ اٹیک اینڈ بلڈ پریشر کریز ایسوسی ایشن غیر رجسٹرڈ!

ہنسی

رافع حیدر، شیخوپورہ

یوں تو دنیا کے ہر مرض کا علاج کسی نہ کسی حد تک دریافت کر لیا گیا ہے لیکن چند ایسی چیزیں ہیں جو آج تک لاعلاج سمجھی جاتی رہی ہیں۔ اب ذرا ہنسی ہی کو لیجئے۔ میرے خیال میں تو یہ دنیا کا لاعلاج ترین مرض ہے۔ اس کی نہ تو علامات کا پتہ چلتا ہے اور نہ اس کے ختم ہونے کے معیار کو کوئی علم ہے۔ جیسے ٹائیفائیڈ یا ملیریا ہے کہ معینہ مدت تک ہوا اور پھر ختم ہو گیا، اللہ اللہ خیر صلا اور پھر کچھ دوا دارو بھی ہو گئی لیکن یہاں تو سرے سے کسی ایسی شے کا وجود ہی نہیں۔

ویسے سچ پوچھئے تو ہنسنا صحت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ ایک زوردار قہقہہ آپ کے جسم میں ایک قطرہ خون بڑھانے کا ذمہ دار ہے جو کہ ہم آپ سینکڑوں ٹانک پی پی کر بڑھاتے ہیں، کیوں نہ اس کے بجائے دن میں چار پانچ قہقہے لگائیں اور چلو بھر خون بڑھا لیں (قہقہوں کے لئے روزانہ "چاند" کے چار صفحات نہار منہ چبائیے، گویا ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی آئے چوکھا)

یہ تو آپ کے علم میں ہو گا ہی کہ ہنسی جب آتی ہے تو بن بلائے

نوید ظفر کیانی

مہمان کی طرح نازل ہو جاتی ہے۔یعنی فرض کیجئے کہ آپ بزرگوں کی محفل میں بیٹھے ہیں۔بڑے بوڑھوں میں کسی بات پر گرما گرم بحث چھڑ گئی ہے۔وہ تو اپنے آپ میں مست ہیں اور آپ بچارے چاروناچاران کے پاس بیٹھے اپنی عقل وخرو پہ درود شریف پڑھ رہے ہیں کہ بھئی، خوب پھنسے۔ایسے میں کوئی ہم عمر آجائے تو یقیناً اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور ایک نئی محفل جمالیں گے۔اب جہاں چند ہم عمر اکٹھے ہوں تو ہنسی مذاق کی بات تو لازمی ہے۔آپ چاہے ہزار کوشش کریں لیکن ہنسی صاحبہ ہیں کہ اُمڈی چلی آرہی ہیں۔ذرا تصور کو ایڑھ لگایئے۔ذہن میں یہ احساس بھی ہے کہ بزرگوں کے بیچ بیٹھ کر ہنسنا بے ادبی ہے لیکن برا ہو اس ہنسی کا کہ اتنا ہی یہ ابھرے گی جتنا کہ دبائیں گے---چنانچہ آپ کے لئے واحد راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ بزرگوں کی محفل چھوڑ دیں ورنہ بزرگوں کا جلال---بس خدا ہی بچائے۔

بسا اوقات کہاں تو وہ عالم کہ ہنسی ہے رکتی ہی نہیں اور کہاں یہ حال کہ لاکھ چاہنے پر بھی اک ہلکی سی مسکراہٹ بھی چہرے کو چھوکے نہیں دیتی۔مثلاً اگر امتحان کا فکر ہے تو ہنسی بھلا کس کافر کو آئے گی؟ ذہن تو موٹی موٹی کتابوں میں الجھا ہوا ہے۔ادھر اُدھر سے کوئی ہنسی کی بات سن بھی لی تو کچھ اس طرح ہنسی آئے گی جیسے کونین کمپچر پینا پڑ رہا ہو۔آپ ہزار منہ ٹیڑھا میڑھا کیجئے، کیا مجال جو ہنسی چھو کر بھی چلی جائے۔

آج کے اس جدید دور میں مختلف لوگوں کے ہنسنے کا انداز بھی مختلف ہے اور یہ انداز بھی ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔مثلاً کچھ لوگ منہ پھاڑ کر ہنسنے کے عادی ہیں تو کچھ دبی آواز میں، منہ بھینچ کر محض کڑکڑا دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔کچھ لوگ زاروقطار ہنستے ہیں اور کچھ دہاڑیں مار مار کے قہقہے لگانے کے عادی ہیں۔چنانچہ ان موخرالذکر ہستیوں کے رونے اور ہنسنے کا فرق مجھے آج تک معلوم نہ ہوسکا۔کئی دفعہ بالکل یوں لگا جیسے کوئی محترم رو رہے ہیں چنانچہ اپنے چہرے پر بے چارگی اور مظلومیت کے سارے اثرات طاری کئے لیکن جب ان کے پاس پہنچے تو وہ ایک دم روتے، یعنی ہنستے ہنستے ہوش میں آئے۔معلوم ہوا کہ محترم نہ صرف ہنس رہے تھے بلکہ بھرپور قہقہہ لگانے کی باقاعدہ کوشش بھی فرمائی جارہی تھی---پھر تو جی چاہئے کہ اپنی سمعی وبصری حسیات پہ لاحول پڑھ کر پھونکنے کو دل کرتا۔یعنی اگر ہم ان سے اظہار افسوس کر بیٹھتے تو؟

پان کھانے والے حضرات کے ہنسنے کا انداز اور ہی نرالا ہے۔پان کی گلوری منہ میں دبائے اگر ان کو ہنسی آجائے اور بدقسمتی سے آپ ان کے مدمقابل ہوں تو ان کے منہ سے برآمد ہونے والے فوارہ پیک کی پھوار نہ صرف ان کے کپڑے رنگ دار کردے گی بلکہ آپ کے ریڈی میڈ سوٹ پر بھی نہایت حسین نقوش بن جائیں گے۔ایسے حضرات ہنسی سے خون بڑھانے کے بجائے باہر اگل دیتے ہیں (پیک کی صورت میں)

کچھ پان خوردہ حضرات کو جب ہنسی آتی ہے تو وہ ایکدم سے مراقبے کے عالم میں پہنچ جاتے ہیں اور ان گنت لمحوں کے بعد جب اس فانی عالم میں واپس آتے ہیں تو ہنسی کے ساتھ ساتھ کھانسی کا شدید دورہ بھی پڑ جاتا ہے۔ایسی ہنسی پر اور ہنسنے والے پر مجھے تو سخت رحم آتا ہے۔یعنی جو ہنسی بجائے رحمت کے زحمت بن کے نازل ہو جائے۔

کسی محفل میں جب بیٹھے بٹھائے کوئی ہنسی مذاق کی بات ہو جائے تو ہر جانب ایک چیخم دھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔آپ اگر ہنسنے کے بجائے صرف مشاہدہ کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ کچھ حضرات کڑکڑا رہے ہیں، کچھ ماحول سے بے نیاز اپنی پوری طاقت صرف کرکے چلوؤں خون وصول کرنے کی فکر میں بے تحاشا قہقہے لگا رہے ہیں اور کچھ صرف دبی دبی ہچکیوں پر ہی اکتفا کرکے اپنی ہنسی کو دانتوں تلے پیسے جارہے ہیں لیکن یہ مشاہدہ کرنے کی فرصت آپ کو کہاں ہوگی۔آپ تو اس وقت خود کڑکڑانے میں مصروف ہوں گے۔

اس ہنسی میں ہی ہزاروں جھگڑے بھی ہیں۔کبھی کبھار رعب جمانے کو تو جی چاہتا ہے۔یہ ڈکٹیٹر شپ اکثر چھوٹے بہن بھائیوں پہ ہی چل سکتی ہے۔بعض اوقات تو ان بچوں کی حرکات پہ اتنا سخت غصہ طاری ہو جاتا ہے کہ آنکھیں انگارہ بنی ہوئی ہیں اور چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا ہے یعنی رعب جمانے کا پورا سامان موجود ہے لیکن اگر اس لمحے اپنی ہی ہیئت کذائی پر ہنسی آجائے تو جانے کیا کرنے کو جی چاہتا ہے۔کچھ عجیب حماقت بھرا منظر ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے یہ ہنسی تو اپنے بس کی بات نہیں۔

کئی بار ذہن میں آیا کہ یہ جو اکثر اشتہار دیکھنے میں آتے ہیں کہ "روشن سرمہ آنکھوں کی بیماریوں کے لئے انتہائی مجرب" یا پھر یہ کہ "فلاں فلاں حکیم کا تیار کردہ نسخہ درد گردہ کے لئے لاجواب" وغیرہ وغیرہ---گر اسی طرح کا کوئی اشتہار ہنسی کے متعلق بھی نظر آجائے تو کتنا لطف آئے یعنی "بے وقت کی ہنسی روکنے اور بروقت ہنسی لانے کی دوا بازار میں آگئی ہے"---میں تو جانے کتنا سٹاک کرلوں تاکہ اگر بے اختیار اور بروقت ہنسی آرہی ہو تو چٹکی بھر سفوف پھانکا اور دم سادھ لیا یا پھر زبردستی ہنسنا پڑ جائے تو بھی چپکے سے نظر بچا کر دوا نگل ڈالی اور ہنسی ابل پڑی۔کتنا لطف آئے گا۔اگر آپ میں سے کوئی بھی کسی ایسی چیز کا پتہ چلا لے تو سب کو مستفید ہونے کا موقع ضرور دیجئے گا، اکیلے ہی اکیلے کام نہ چلا لیں ورنہ کسی روز آپ کو بھی ہنسی کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ ☆☆

نوید ظفر کیانی

کاش! لڑکیاں یہ بھی سوچیں کہ آئینہ انہیں بغیر میک اپ کے کیسے برداشت کرتا ہوگا۔ ثاقب ساحل

آہ---

محمد مجاہد اقبال، جھنگ

سپنے سجائے تھے میں نے، ماں سے کہا کہ بیوی ایسی سگھڑ ہو کہ شام کو کام سے واپس آؤں تو سر دبائے، چارپائی پر ہی ہاتھ دھلائے اور وہیں پر روٹی دے۔ روٹی ایسے پکاتی ہو کہ روٹی دیکھ کر پیٹ بھر کر کھائے ہوئے کو بھی بھوک لگے۔ سالن ایسا ہو کہ آدمی انگلیاں ہی چاٹتا رہے مگر شومئی قسمت، بیگم ملی تو ایسی ملی کہ خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ شام کو گھر لوٹتا ہوں تو بیماری کا بہانہ بنائے پلنگ پر لیٹی "ہائے، ہائے" کر رہی ہوتی ہے اور صورت ایسی مسکین بناتی ہے کہ بندہ اپنی تھکن کو بھول کر بیگم کی تیمارداری میں لگ جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد جب بندہ کو اپنا ہوش آتا ہے تو سب سے پہلے کھانے کا پوچھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے نہیں بنا پائی۔ اگر بنا بھی ہوتا تو پہلے لقمے ہی کے چکھنے سے ساری بھوک اڑ جاتی ہے، ایسا بدمزہ ہوتا کہ دو دن کا فاقہ زدہ انسان بھی منہ نہ لگاتا۔ خیر، میں تو اس دن سے فاقے میں ہوں جب بدقسمتی سے نکاح کے بول ادا کیے تھے۔

آج گھر لوٹا تو حیران و پریشان کھڑا اس پری جمال چہرے کو دیکھنے لگا جو آدھ کلو کے لگ بھگ میک اپ تھوپے میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ نہ سر میں درد، نہ نزلہ، نہ زکام یا جانے کیا ماجرا ہے۔

"ارے، یوں کیا تکے جا رہے ہیں، کیا میں آج اتنی ہی خوبصورت نظر آ رہی ہوں کہ اندر آنا بھول گئے؟" بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اجی! آپ کی خوبصورتی کی مثال تو پورے محلے میں نہیں ملتی البتہ آپ کی بدصورتی کی مثال تو ساتھ والے گھر میں بھی ہے۔" ہم نے حیرانگی کے عالم میں تقریباً مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا---کیا مطلب ہے آپ کا، کیا میں بدصورت ہوں؟ اگر اتنی ہی بدصورت تھی تو بیاہ کر ہی کیوں لائے تھے؟" بیوی چیختی ہوئی بولی۔

"آپ تو غصہ کرنے لگیں---بس ذرا زبان لڑکھڑا گئی تھی، خوبصورتی کو بدصورتی بول گئے۔"

ہم نے عاجزانہ اپیل کی اور اندر داخل ہو گئے۔

اندر داخل ہوتے ہی گویا ہم پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سامنے ڈائننگ ٹیبل پر بہت سلیقے سے کھانا سجا تھا۔ ہم نے بیگم کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ ہم ہاتھ دھونے گئے تو بیگم ہم سے پہلے وہاں موجود تھیں اور خود اپنے ہاتھوں سے ہمارے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ ہم بت بنے ان کی یہ تمام تبدیلیاں دیکھتے رہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر جب ہم پلنگ پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹے تو بیگم ہمارا سر دبانے لگیں اور ساتھ ہی گویا ہوئیں۔

"آج جمیلہ آئی تھی، کہہ رہی تھی کہ میرے شوہر کی دکان پر انڈیا کی ساڑھیاں آئیں ہیں۔ بہت خوبصورت ہیں، تم پہنو گی تو خوب جچو گی۔"

"تو پھر---؟" ہم نے پوچھا۔

"تو پھر یہ کہ میں نے اس سے دو ساڑھیاں خرید لی ہیں اور ساتھ ہی تمہارے لئے ایک سوٹ بھی لیا ہے۔"

بیگم نے کہا تو ہمارا سر ہی گھوم گیا۔ اب پتہ چلا کہ اتنی مہربانیاں کیوں کی جا رہی ہیں۔

"آپ نے اپنے لئے تو دو ساڑھیاں خرید لیں، میرے لئے سوٹ لینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ میں نے خریدا تھوڑی ہے، وہ تو ساڑھیوں کی خریداری پر مفت ملا ہے۔"

"چلو اچھا ہوا---" ہم نے خیالی میں ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اچھا---وہ دو ہزار روپے تو دے دو۔" بیگم تھوڑی دیر بعد پھر بولیں۔

"کیسے دو ہزار روپے---؟"

ہم نے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کیونکہ ہماری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے؟

"ابھی تو بتایا ہے کہ دو ساڑھیاں خریدی ہیں۔" بیگم نے کہا۔

"دو ساڑھیوں کے دو ہزار روپے---؟"

ہم نے کہا اور پھر ہمیں کوئی ہوش نہ رہا کہ ہم کہاں ہیں۔ جب ہمیں ہوش آیا تو ہم لٹ چکے تھے۔ ہماری جیب میں سے تنخواہ بیگم کے پرس میں منتقل ہو چکی تھی اور ہماری بیگم صاحبہ سر پر پٹی باندھے ساتھ والے پلنگ پر کراہ رہی تھیں اور ہم مظلوم شوہر بیگم کی مزاج پرسی کرنے میں ایسے گم ہوئے کہ تھوڑی قبل گزرنے والے وقت کو بالکل فراموش کر گئے۔

انٹرویو

شکیل جاوید، ملتان

میں ایک گدھا ہوں۔ جب پیدا ہوا تو ابا حضور نے "ڈھینچوں ڈھینچوں" کر کے مجھے آواز دی۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ

نوید ظفر کیانی

کو گاؤں میں پایا۔ سوچا، چلو شہر دیکھیں۔ شہر پہنچا تو مجھے عجیب و غریب چیزیں دکھائی دیں۔ ایک طرف چلا جا رہا تھا تو ایک رسالے کا ایڈیٹر ملا، اس نے مجھ سے کچھ سوالات کیے۔

ایڈیٹر: کہو، گدھے میاں! کیسے ہو؟

گدھا: جناب! آپ کی دعاؤں سے بہتر ہوں۔

ایڈیٹر: آپ کو ہمارا شہر کیسا لگا؟

گدھا: جناب! شہر تو اچھا ہے لیکن---

ایڈیٹر: لیکن---کیا مطلب ہے؟

گدھا: مطلب تو کچھ نہیں---دراصل یہاں آتے ہی ایک مشاعرے کے پنڈال میں کھڑا ہو گیا۔ بس ایسے لگا جیسے اپنے خاندان میں کھڑا ہو گیا ہوں۔

ایڈیٹر: گاؤں میں آپ کہاں رہتے ہیں؟

گدھا: جناب! کالو کمہار کے گھر رہتا ہوں۔

ایڈیٹر: عیش ہی ہو رہی ہے یا کچھ کام بھی کرتے ہو؟

گدھا: خاک عیش ہے---دن بھر کولہو کے بیل کی طرح جتا رہتا ہوں لیکن صلہ مار میں ملتا ہے۔

ایڈیٹر: آپ اس گھر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟

گدھا: جناب! اس گھر میں میرا مستقبل بہت برائٹ ہے۔

ایڈیٹر: وہ کیسے---؟

گدھا: جی، وہ اس طرح کہ میرا مالک کہتا ہے کہ ''اری شیداں کی اماں! تیری بیٹی اسی طرح سے انکار کرتی رہی تو اس گدھے سے اس کی شادی کر دوں گا۔''

ایڈیٹر: آپ کبھی بیرون ملک بھی گئے ہیں؟

گدھا: جی، جناب! کئی مرتبہ وہاں گیا ہوں۔

ایڈیٹر: کس سلسلے میں گئے تھے، آپ؟

گدھا: کھیل کا نام نہیں بتاؤں گا، بس کوچ بن کر گیا تھا۔

ایڈیٹر: آپ کے اور کیا مشاغل ہیں؟

گدھا: گانا گاتا ہوں یا ڈانس کرتا ہوں---آپ نے میرا دولتی ڈانس دیکھا ہو گا، کہیں تو آپ کو کر کے دکھاؤں؟

ایڈیٹر: نہیں، ہمیں تو معاف رکھیں---اچھا، یہ بتائیں کہ آپ کو کون سے لوگ پسند ہیں؟

گدھا: جناب! مجھے اسٹوڈنٹ بہت پسند ہیں۔

ایڈیٹر: اس کی وجہ---؟

گدھا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی میری طرح آج کل صرف کتابوں کا بوجھ لادے پھرتے ہیں۔

اچھا، جناب! اب میں چلتا ہوں۔ ابھی تین چار جلسوں میں تقاریر بھی کرنی ہیں۔

ایڈیٹر: وہ کس لئے---؟

گدھا: (حیرانی سے) اوہو! میں الیکشن جو لڑ رہا ہوں۔

ایڈیٹر: آپ کامیاب ہو جائیں گے؟

گدھا: جی ہاں! مجھے سو فیصد امید ہے۔

ایڈیٹر: وہ کس طرح---؟

گدھا: کیونکہ ابھی تک ہماری قوم کو ووٹ کاسٹ کرنے کا صحیح شعور نہیں آیا اور امید ہے کہ وہ میری چکنی چپڑی باتوں میں آ کر مجھے کامیاب کرا دیں گے۔

گدھے میاں کو لہے مٹکاتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ ☆☆

سائنٹیفک امورس

محمد اسلم بلوچ، محلہ روڈی خیل۔ کلور کوٹ ضلع بھکر

''لیبارٹری'' میں ''ہائی ولاسٹی'' کے ساتھ داخل ہوتے ہوئے وہ اچانک ''سٹاپ واچ'' کی طرح رکی اور ہماری طرف ''فوکس'' کر کے دیکھا۔ قسم ہے مجھے بچا ''نیوٹن'' کی، خوشی سے ہمارا ''ٹمپریچر'' 104C تک پہنچ گیا۔ ٹھمک ٹھمک کر چلتے ہوئے اس کا جسم یوں چمکتا تھا، جیسے شیشے پر ''ارتھ ورم'' چل رہا ہو۔ اس کے ''کیلشیم کاربونیٹ'' کی طرح سفید دانت، چمچئی جلد جیسے کسی نے ''گولڈن'' کی ''الیکٹرو پلیٹنگ'' کی ہو۔ اس کی ''فلاسک'' جیسی گردن، گردن کیا تھی گویا 500CC کی ''فلیش میٹرنگ'' تھی۔ اس کی آنکھوں میں ''ریڈیم'' کی سی چمک دیکھ کر ہمارا دل ''پنڈولم'' کی طرح ''وائبریٹ'' کرنے لگا۔ اس میں ایسی ''مقناطیسی'' کشش تھی کہ ہم اس کی طرف کھنچے چلے گئے اور ہم نے اس کے قریب جا کر یوں اظہار محبت کیا۔

''محترمہ! مجھے تم سے مو---مو---مو---محبت ہو گئی ہے۔''

یہ سن کر وہ یک دم چونک پڑی، جیسے اس کے نرم و نازک ''سموتھ'' ہاتھوں پر کسی نے ''ایسڈ'' ڈال دیا ہو اور غصے سے اس کی آنکھیں ایسے ہو گئیں جیسے ''ایتھائل میتھائل'' الکوحل کے کپ بھرے ہوں۔

''لیکن مجھے تم سے سخت نفرت ہے---''

اس حسینہ نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ جب اس نے نفرت سے ہماری طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایسی ''آبکار شعاعیں'' نکلیں، جنہوں نے ہمارے عشق کے ''خلیے'' تباہ کر دیئے پھر اس نے لاپرواہی سے کندھے

نوید ظفر کیانی

عورتیں دو جگہ اپنے بچوں تک کو بھول جاتی ہیں۔ ایک فنکشن میں کھانے کے ٹائم اور دوسرا شاپنگ کے وقت ☺ ثاقب ساحل

اچکائے اور اپنی جگہ کھڑے کھڑے "اباؤٹ ٹرن" ہو گئی۔ اس نے ہمارے "ان پٹ" کا کوئی "آؤٹ پٹ" نہ دیا۔ شدت غم سے ہمارا دل "**کولیپس**" ہو گیا مگر ہم بھی کہاں ہمت ہارنے والے تھے، پیچھے پیچھے چل پڑے اور روک کر یوں مخاطب ہوئے۔

"ایک تو "محترمہ" آپ کا ہر وقت موڈ "ٹپوگراف" کی طرح بگڑا رہتا ہے اور اگر پیار کے ساتھ تمہیں چھوا جائے تو ایسے بھڑک اٹھتی ہو جیسے کسی نے آگ پر "**پکرک**" ڈال دیا ہو۔ تمہاری یہ حرکات و سکنات مجھے "اوزون" کی بو کی طرح ناپسند ہیں۔ تم ہمارے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں، کیا تم میں "آیوڈین" کی کمی ہے یا محبت کی "**ویلنسی**" ختم ہو چکی ہے؟--- تمہاری جدائی میں میرا دل "**مرکری**" کی طرح تڑپتا رہتا ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ یہ دل "**پلاٹینیم**" سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ واسطہ تمہیں "آئن سٹائن" کا، ہمارے "دل" کو اس طرح نہ توڑو جس طرح "یورینیم" کے "ایٹم" کو توڑا جاتا ہے۔ تمہیں اپنا گھومتا پھرتا دیکھ کر میرا رنگ "پوٹاشیم" کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا قرب ہمارے لئے "**اینٹی آکسیڈنٹ**" کا درجہ رکھتا ہے اور تمہارے بغیر میں "**گندھک**" سے بھی زیادہ پیلا ہو جاؤں گا۔ تمہاری سانسیں میرے لئے "**آکسیجن**" کی سی افادیت رکھتی ہیں۔ اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو "ایٹم" کی طرح اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکوں گا اور "ہوا" میں تحلیل ہو جاؤں گا--- میرا دل تو یہی چاہتا ہے کہ میں "**الیکٹران**" بن کر تمہارے ہی "**نیوکلیس**" کے گرد چکر لگاتا رہوں۔ آخر میں کب تک تمہاری جدائی میں "موم" کی طرح پگھلتا رہوں گا۔ میرے دل پر اگر تم نے نفرت کا "**تیزاب**" ڈال دیا تو میری روح "ہائیڈروجن" بن کر اڑ جائے گی۔ مجھے

تمہاری جدائی نے "نائٹروجن" کی طرح بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ کر دیا ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ اگر عشق کی "آکسیجن" اور حسن کی "ہائیڈروجن" کو یکجا کر کے محبت کا کرنٹ گزارا جائے تو محبت کامیاب ہو کر گزر جاتی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ کاش! تم اپنی انوکھی "**الکلی**" ہمارے جذبات کے "**ایسڈ**" پر ڈال دو تاکہ ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں اور پھر کوئی "فورس" ہمیں دور نہ کر سکے۔ اگر مجھے "**فزیکل بیلنس**" میں تولا جائے تو تمہارا پلڑا بھاری رہے گا کیونکہ تم اور مجھ میں صرف "وزن" کا نہیں "کمیت" اور "حجم" کا بھی فرق ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم "**کاربانک ایسڈ گیس**" گھول کر میری زندگی کو زہر آلودہ نہ کرو۔ تمہیں "سائنس ٹیچر" کے ساتھ دیکھ کر میرے جسم کی "**تھرتھراہٹ**" بڑھتی چلی جاتی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ کلاس کی "ریفائننگ" کر دی جائے تاکہ میں اور تم اس طرح سے مل جائیں۔ جس طرح "**فلاسک**" پیندے میں فٹ ہو جاتی ہے اور اگر تم نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم "پوٹاشیم سائنائڈ" لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندگی کا خاتمہ کر دیں گے۔"

○○

ملازمت حاصل کرنے کا صحیح طریقہ

ڈاکٹر سحرؔ گوجر خان

ہم نے اس جدید دور میں بھی کمرہ امتحان میں کئی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بکھرے بالوں، بڑھی شیو، بے رونق چہرے، مختلف رنگ اور سائز کے سلیپر پہنے اور بعض اوقات ننگے پاؤں آخری وقت تک یوں سر جھکائے پیپر حل کرتے رہتے ہیں جیسے زندگی میں بس یہی ایک امتحان دینے کا کام ہی رہ گیا ہو اور وہ بھی ایسے انداز میں کہ اپنے گردوپیش کے ماحول سے بالکل بے خبر ہو اور خرابیوں کے علاوہ ایسے لوگوں میں اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر نہ رکھنے کی عادت کی وجہ سے واقفیت عامہ کی شدید کمی واقع ہو جاتی ہے جس کا خمیازہ وہ عمر بھر بھگتتے رہتے ہیں یہ ان چند گنے چنے لوگوں میں سے ہیں جن کا شمار "پرانے وقتوں کے ہیں لوگ" میں ہوتا ہے ورنہ اس ماڈرن عہد میں یوں امتحان دینے والے کو احمق ہی کہا جا سکتا ہے البتہ کسی کے پاس اس احمق سے بہتر لفظ ہو تو ہم وہ بھی استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ملازمت حاصل کرنے کے لئے جن مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان میں پہلا مرحلہ امتحان ہے ہمارے نزدیک امتحان دینے کا جدید طریقہ یوں ہے کہ کمرہ امتحان میں اگر آپ ایک ہاتھ سے قلم کا جہاد کر رہے ہو تو دوسرے سے تلوار کا جہاد فرض ہو جاتا ہے لیکن اگر تلوار آسانی سے میسر نہ ہو تو کسی بھی جدید آتشیں اسلحہ کا حصول اس جدید دور میں کوئی مشکل کام تو نہیں۔ لیجئے جناب آپ کی ذہانت و فطانت کی وجہ سے ملازمت حاصل کرنے کا پہلا مرحلہ کامیابی سے سر ہوا۔ اب اس کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے اس مرحلے میں کامیابی کا انحصار دو باتوں پر ہے اول یہ کہ آپ کے ہاتھوں میں کتنے سرخ سبز نوٹ ہیں دوئم آپ اپنے پیپرز کے حدود اربعہ سے بروقت کتنی واقفیت رکھتے ہیں۔ پیپرز کی نقل و حرکت کے متعلق بروقت واقفیت سب سے زیادہ اہم ہے اور زیادہ سے زیادہ بھاگ دوڑ کی متقاضی ہے اگر آپ اس میں سرخرو ہو گئے تو پھر آپ کے نمبر جدوجہد کے عین مطابق ہوں گے البتہ اپنی ذہانت کو مشکوک ہونے سے بچانے کے لئے نہایت اعتماد سے پیپرز اچھے ہونے کا دعویٰ کریں مبادا کوئی شخص سر راہ بھانڈہ نہ پھوڑ دے۔ یاد رکھیں کہ جو لوگ ہماری باتوں میں نہیں آئیں گے یقیناً ایسے لوگوں کی قسمت میں عمر بھر کا پچھتاوہ ہے۔

○○

نوید ظفر کیانی

لڑکیاں عشق و محبت میں پاگل ہونے کی قائل نہیں--- بھلا پاگل نے اور کیا پاگل ہونا ہے 😊 سید شعبان گیلانی

ٹکریں

پیروڈی ایک دقیق فن ہے اور اس فن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی شعر میں الفاظ کا کچھ ایسا ہیر پھیر کیا جائے کہ اس کا مفہوم یکسر بدل جائے اور شعر کی ''صحت'' پر بھی مضر اثرات نہ پڑیں۔ اسی رہنما اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ فلمی نغموں اور فلمی و غیر فلمی نظموں' غزلوں کی دُرگت بنا سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں تو اصل کلام کے ساتھ اپنی کوشش ہمیں بھجوا دیجئے۔ ہم یہاں اسے شائع کریں گے تاکہ دوسرے بھی اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔ اپنی ''ٹکریں'' اس پتہ پر ارسال فرمایئے۔

انچارج ''ٹکریں'' تیس روزہ ''چاند'' F-29' شمع پلازہ' فیروز پور روڈ' لاہور 54600

ابنِ عظیم فاطمی

ہم کو تم کیسے لگتے ہو
ایک تم سن بچے لگتے ہو
ضد پہ آ جاتے ہو اکثر
روتے ہوئے ہنستے لگتے ہو
ایک خرابی ہے یہ تم میں
کیوں جھوٹے بچے لگتے ہو
ظاہر ہو جاتا ہے سب کچھ
تھوڑے سے بچے لگتے ہو
وہم تو کیوں آخر ہے تم
ہر تو تم اچھے لگتے ہو
خود ناز ہے کیا جب
تم بھی ہم جیسے لگتے ہو
میرے عظیم نہ تم نے جانا
یوں ایسے ویسے لگتے ہو

پروفیسر ظریف خان

کیچڑ میں جب لتھڑے لگتے ہو
بالکل گندے بچے لگتے ہو
کھیل تماشا یہ بھی کرتے ہو
مار کے مجھ کو ہنستے لگتے ہو
خوبی یہ تم میں کیسی ہے
جھوٹے ہو کر بچے لگتے ہو
آم ابھی تم بن نہ پائے
کیری جیسے کچے لگتے ہو
چائے پلاتے ہو پھوکٹ میں
سب مجھ کو اچھے لگتے ہو
خود کو انساں کہتے ہو
[illegible] بیٹے لگتے ہو
ظریف! تم تھے کیسے کیسے
اب جو ایسے ویسے لگتے ہو

سیف الدین سیفی

کٹتی نہیں ہے غم کی رات ، آ کے ٹھہر گئی ہے کیا
نیند تو خیر سو گئی ، موت بھی مر گئی ہے کیا

O

جلتی ہیں ارمان میرا دل روتا ہے
قسمت کا دستور نرالا ہوتا ہے
کون ہے جو نوٹے دل کی فریاد سنے
آج میری تقدیر کا مالک سوتا ہے
آئی ایسی موج کہ ساحل چھوٹ گیا
ورنہ اپنی کشتی کون ڈبوتا ہے
اتنے آنسو جس دامن کی قسمت ہوں
اس دامن میں موتی کون پروتا ہے

یادش منصور

جاتی نہیں ہے گھر سے ساس ، آ کے ٹھہر گئی ہے کیا
سالی تو خیر سو گئی ، بیوی بھی مر گئی ہے کیا

O

جورو گھر میں لا کے اب کیوں روتا ہے
شادی کا انجام یہی تو ہوتا ہے
کون ہے جو ٹوٹے برتن کی آواز سنے
اس گھر میں تو روز تماشا ہوتا ہے
آئی ایسی ساس کہ سب کچھ چھوٹ گیا
کھانا پینا اب ہوٹل میں ہوتا ہے
پہلے دھوبی سے کپڑے دھلواتا تھا
اب جورو کے کپڑے بھی تو دھوتا ہے

نوید ظفر کیانی

احمد فراز

رونے سے ملال گھٹ گیا ہے
دل تھا، برس کے چھٹ گیا ہے
اب دوش پہ سر نہیں تو گویا
اک بوجھ سا دل سے ہٹ گیا ہے
خلوت جاں میں کون آیا
یہ چہرہ الٹ پلٹ گیا ہے
کیا مال غنیم تھا میرا شہر
کیوں لشکر یوں بٹ گیا ہے
اب دل میں فراز کون آئے
دنیا سے یہ شہر کٹ گیا ہے

محمد صابر مغل

رونے سے ملال گھٹ گیا ہے
سر تھا، برس کے چھٹ گیا ہے
اب ہوش و حواس میرے نہیں قائم
درمیاں سے سر بھی ہٹ گیا ہے
یہ سالا کمبخت جب بھی گھر آیا
ہر چیز الٹ پلٹ گیا ہے
کیا مال غنیم تھا میرا مال
جو سرالیوں میں بٹ گیا ہے
اب اس گھر میں مغل کون آئے
یہ گھر دنیا سے کٹ گیا ہے

فرحت عباس شاہ

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد
اتنے چپ چاپ کہ رستے بھی رہیں گے لاعلم
چھوڑ جائیں گے کسی روز نگر، شام کے بعد
تو ہے سورج، تجھے معلوم کہاں رات کا دکھ
تو کسی روز مرے گھر میں اتر شام کے بعد
شام سے پہلے وہ مست اپنی اڑانوں میں رہا
جس کے ہاتھوں میں تھے ٹوٹے ہوئے پر، شام کے بعد
لوٹ آئے نہ کسی روز وہ آوارہ مزاج
کھول رکھتے ہیں اسی آس پہ در شام کے بعد

محمد عارف

انجمن ہو گئی پھر زیر و زبر شام کے بعد
چار چھ آ گئے جب اہل نظر شام کے بعد
اتنے چپ چاپ کہ کتے بھی رہیں گے لاعلم
تجھ کو "گنڈا" لائیں گے اک روز مگر، شام کے بعد
تو ہے لیڈر، تجھے معلوم کہاں لائیٹ کا دکھ
"تو کسی روز میرے گھر میں اتر شام کے بعد"
شام سے پہلے رہا "[illegible]" بھگانے میں جو مست
آ گیا بغلیں بجاتا ہو گھر، شام کے بعد
آ ہی جائے نہ کسی رات وہ آوارہ مزاج
بند رکھتے ہیں اسی واسطے در، شام کے بعد

قتیل شفائی

اس کے چہرے سے کبھی زلف ہٹا کر دیکھو
شام کے وقت نئی صبح کا منظر دیکھو
اس کی آنکھوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ نہ پی
وہ پڑا ہے مرا ٹوٹا ہوا ساغر، دیکھو
دیکھنے میں تو وہ شبنم کی طرح ہے، لیکن
ہاتھ جل جائے گا، تم مت اسے چھو کر دیکھو
مل کے جب آیا میں اس سے تو یہ لوگوں نے کہا
یہ رہا ہے وہ مقدر کا سکندر، دیکھو
نام پیدا یونہی ہوتا نہیں دنیا میں قتیل
زندہ رہنا ہے تو اس شوخ پہ مر کر دیکھو

سید شعبان گیلانی

اس کے چہرے سے کبھی زلف ہٹا کر دیکھو
شام کے وقت پھر رات کا منظر دیکھو
اس نے جوتوں سے مجھے حکم دیا تھا، نہ پی
وہ پڑی ہے میری ٹوٹی ہوئی "فیڈر" دیکھو
دیکھنے میں تو وہ جیکسن کی طرح ہے، لیکن
دل دہل جائے گا، تم مت اسے چھو کر دیکھو
پٹ کے جب آیا میں اس سے تو یہ لوگوں نے کہا
جا رہا ہے وہ مداری کا بندر، دیکھو
کام پورا کوئی ہوتا نہیں دنیا میں کبھی
زندہ رہنا ہے تو کمزور سا "لاکر" دیکھو

☆☆

نوید ظفر کیانی

سندیسے

''چاند'' کے شوخ و شریر ساتھیوں کی آپس میں ہنستی مسکراتی سرگوشیوں کے علاوہ چھیڑ خانی والی ''تو تو' میں میں'' کے لئے یہ کالم مخصوص ہے۔ آپ بھی کسی کے نام اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتے ہیں تو ہم بلا معاوضہ آپ کا یہ پیغام پہنچا دیں گے لیکن ذرا حد ادب کا خیال رہے اور طوالت کا بھی---سندیسے اس پتہ پر ارسال فرمائیے۔

انچارج ہما تمیں روزہ ''چاند'' '31-F' شمع پلازہ 'فیروز پور روڈ' لاہور 54600

تمام احباب کو اس بات سے بھی مطلع کیا جاتا ہے کہ میں نے کراچی کے ماہنامہ ''گوگو'' اور ''چلڈرن نیوز'' سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ یہ اس ''تنظیم'' کی ''اجتماعی دوری'' نہیں جو کسی دوری کے بچھتے ہی قربت میں بدل جائے---قاسم تنویر! الفظی اختراع ''دستی یا تف'' کو محض مجھے خوش کرنے کے لئے نہ لکھنا، اسے زیادہ سے زیادہ عام کرو تاکہ ''کالے انگریز'' اس کے قریب آسکیں۔ شاگرد میں کسی کو نہیں بناتا، خود شاگرد ہوں---فرہاد مزمل! دعائیں---ثاقب ساحل! احرہ کی ہیٹھکی مبارکباد مگر ان سطور کے چھپنے تک رمضان شریف تو اگلے برس (انشاء اللہ) پھر آنے کے لئے چلا جائے گا---کامران شہزاد اور گنڈہ پور خان! انعامی رقم تم دونوں کی چچی جان کے پاس محفوظ ہے۔ اگر ہمت ہے تو ان سے مٹھائی کا مطالبہ کر کے دیکھو---اکبر بخاری! تم تو ایسے ہو تو ویسے کیسے ہو؟ یہ صرف میں جانتا ہوں، چھوٹے مرشد!---مسٹر ڈبکلاں! ہر اچھی تخلیق کو سراہنا اخلاقی و ادبی فریضہ ہے

⊛ پروفیسر محمد ظریف خان، کراچی

موبائل: 0321-2125603

☆

میری پیاری چندا آپی! آپ نے ہمیں ''میکل ملاقات'' میں یاد رکھا، ہمیں بے حد اچھا لگا اور بہت خوشی ہوئی۔ چندا آپی! میرا میٹرک کا رزلٹ بھی آ گیا ہے۔ میں نے اپنے ضلع میں دوسری پوزیشن لی ہے۔ ہے نا! خوشی کی بات؟---انکل شاہد اطہر، بھائی ابرار بخاری، منظور احمد اعوان، انکل تو قیر اختر، سید سعید! آپ سب بہت ہی اچھا لکھتے ہیں۔ میں آپ لوگوں کی تعریف کرنا چاہتی ہوں مگر اس کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ میں آپ کی کہانیوں کو بہت پسند کرتی ہوں---ثاقب ساحل! کیسے ہیں آپ اور آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟---ایس ایچ ساگر! آپ کا سلام بذریعہ سرگلقام ملا، ہم آپ کا سلام دل و جان سے قبول کرتے ہیں---عبدالقیوم اسد! ہم آپ کی سٹوری حاتم طائی کے بے حد فین تھے۔ پلیز! اسے پھر سے اسٹارٹ کریں نا!---میں نے بابو جان سے فرمائش کی تھی سندیسے لکھنے کی، پتہ نہیں انہوں نے میری بات مانی بھی ہے کہ نہیں کیونکہ پانچ چھ ماہ سے مجھے چاند گھر میں نہیں ملا اور مجھے چاند ساتھیوں کی کوئی خبر بھی نہیں---عرفان مائی کا لعل! کیا آپ پٹھان فیملی سے تعلق رکھتے ہیں؟ آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی---عمران ہاشمی! واہ جی، کیا خوب نام ہے آپ کا اور آپ کی عادتیں بھی عمران ہاشمی سے ملتی ہیں کیا؟---اکبر ملک، اکبر بخاری، امان اللہ ناصر، ثاقب ساحل، محمد فیضان، سمیع اللہ خان نیازی، وسیم شہزاد، وسیم رضا، عدنان جاذب! آپ سب کے لئے ڈھیروں دعائیں---شبانہ گیلانی، سارا پروا کرن، پرنسز علیزہ ساحل، شہلا، مسرت آپی! آپ سب کو سلام اور یہ دعا ہے کہ جہاں رہیں خوش رہیں---میرا خیال ہے میری بک بک کافی سے بھی زیادہ ہو چکی ہے۔ اجازت دیجئے، اس وعدے کے ساتھ کہ شامل ضرور ہوتے رہیں گے۔

⊛ خان گڑھ، مہک خان

☆

جناب خالد بن حامد اینڈ آنٹی عصمت ضیاء صاحبہ! مزاج بخیر۔ بعد عرض ہے کہ کچھ ماہ چاند سے دور رہنے کے بعد حاضر ہوں کیونکہ میں چند ماہ سے اینچوڑ اور مانگا منڈی کے درمیان گاؤں میں فیکٹری میں جاب کرتا ہوں۔ یہاں اینے وڈیا یا مانگا منڈی چاند میگزین نہیں ملتا جس کی وجہ سے میں چاند سے دور رہا۔ برائے مہربانی اس شہر میں بھی چاند کی سہولت یقینی بنائیں---ڈیئر دوست مبشر حسین لاہور! سلام۔ آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ تکلیف میں ہوتے ہوئے مجھ سے کافی دیر بات کی اور آپ کے بھائی کو بھی شکریہ کہ جنہوں نے موبائل پکڑ کے ہماری بات کرائی۔ اللہ پاک آپ کو خوشیاں عطا کرے اور میری شاعری پسند کرنے کا شکریہ۔ قسمت نے ساتھ دیا تو ملوں گا آپ سے---جناب حنیف گجر صاحب! ''PFC میگزین'' کا خواب اللہ تعالیٰ ہمارا پورا کرے۔ اس PFC سے کئی دوست بنے ہیں اور کچھ تو ''لوٹے'' بن گئے ہیں---ناصر محمود گجر! آپ سے ملاقات بہت یادگار رہی۔ مصروفیت کے باوجود وقت دیا۔ بہت بہت شکریہ---کامران شہزاد، اشفاق شاہین، انوار ارشد مغل! آپ چاند دوستوں کے SMS ملتے رہتے ہیں۔ چلو کوئی تو ہے جو ہمیں بھی یاد رکھتا ہے---سید ابرار گیلانی! آپ کی اسلامی SMS سروس بہت اچھی ہے۔ اللہ پاک آپ کو کامیاب کرے نیک مقصد میں---اکبر ملک، وسیم شہزاد، اکبر بخاری، شعبان گیلانی، سعید بدر سعید، شوکت علی مظفر، ندرت فاطمہ! سلام قبول کیجئے۔ آپ کو تو مصروفیت سے وقت ہی نہیں ملتا؟---ممتاز علی بخاری، ڈاکٹر BK بلوچ، فرہاد علی، تیمور، سید محمود گیلانی، گنڈہ پور خان! آپ لوگ رابطہ ہی کر لیا کرو---انکل تنویر پھول! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟---انکل شاہد اطہر! کیسے مزاج آپ کے؟---فریال اکبر بلوچ! چاند میں کیوں لکھنا چھوڑ دیا ہے آپ نے؟---چوہدری منور، ندرشاہین، صابر مغل، نازیہ ناز نازی، مہک پشاور، علیزہ ساحل، شبانہ گیلانی! آپ نے رابطہ کیا، شکریہ---آخر میں تمام چاند ٹیم کے سٹاف کو سلام و ترقی کے لئے دعا گو!

⊛ ایس ایچ ساگر، بھکر

موبائل: 0345-3209630

☆

وادی چاند کے تمام سرسبز باسیوں کو السلام علیکم اور عید الفطر مبارک---شاہد رؤف! آپ چاند میں لوٹ آئیں تاکہ میں آپ کو ''لٹا'' کہہ سکوں---تنویر پھول! پچھلے شمارے میں آپ کا نور تھا، نہ خوشبو؟---عبدالوہاب قاضی! آپ کے لئے مشورہ ہے کہ ''چاند'' کے لئے کارٹون بنایا کریں۔ سنا ہے تم ''کانی النکاح'' ہونے ہو، کیا سچ؟---ایک طویل رخصت کے بعد ہم آ ہی دھمکیں ہیں۔ مجھے امید واثق ہے کہ ہمارا گلدستوں، ہاروں (نوٹوں والے) اور مسکراہٹوں سے استقبال کیا جائے گا۔

⊛ ننکانہ جٹ، عابد محمود عابد، میرپور

موبائل: 0334-8544616

☆

چاند کے بھی قارئین کو میری طرف سے گزشتہ عید اور آنے والی بکرا عید بہت بہت مبارک ہو۔ سب سے پہلے خالد بن حامد اور عصمت ضیا آپی کو دلی عید مبارک اور بہت بہت دعا اور سلام! یہ چاند میگزین کی ردی کی نوکری کچھ زیادہ ہضم نہیں کرنے لگ گئی لگتا ہے، باجود استعمال کرتی ہے۔ دوستو! کیا خیال ہے آپ کا؟---جب سے پولیس کی جو ملی ہے، زندگی عذاب بن گئی ہے۔ نہ تو رات کو نیند پوری

نوید ظفر کیانی

...ی دن کو آر... ے دیتے ہیں---گندہ وپور خان! آپ دنیا کی وہ دا... میت ہو جس نے انگلی کے چاند میں مجھ کو یاد کیا--- جنید احمد! آپ کی PIC تصویر دیکھی، بہت اچھی تھی۔ بہت سمارٹ ہو۔ کیا پکی پکی اتنے معصوم ہو یا خاص طور پر میرے لئے پوز بنایا ہوا تھا۔ میں چکر لگاؤں آپ کے ہاں؟---مسٹر ڈیکلاں! جناب، آپ کو پتہ نہیں تھا کہ میسج بھی چاند پڑھتا ہے---بشیر حسین! آپ کے میسج ہمیشہ سے بہت مزے کے ہوتے ہیں، بھیجتے رہا کریں---ممتاز بخاری! عید مبارک۔ ویلکم فرام تھانہ میانوالی---ایس ایچ سحر جھنگ! ایک دن آپ سے فون پر بات ہوئی۔ آپ کافی خوش مزاج ہو---شعبان گیلانی! پیارے بھائی، کیسے مزاج ہیں؟---سید ابرار بخاری! جناب، کبھی آ کیں نا! حوالات کیسے حال چال ہیں، دعاو سلام---ظہیر فرام کھکھرا! آپ کے میسج کا طوفان، توبہ ہے۔ بھیجتے رہا کریں---زنش! کیا ہو رہا ہے آجکل؟---عاشر نثار! ابھی ابھی آپ کا میسج ملا ہے، میسج بھیجو والا---انیس خان! آپ کا نام بہت پیارا ہے۔ کہاں سے لیا؟---ارشد حیات بنگلش! دیکھا میں نے آپ کو یاد کیا، کہاں غائب ہو؟---عاصم فیصل آباد! جناب کہاں رہتے ہو آجکل؟---ایاز لاہور! اگر میں آپ سے بات کروں تو غصہ تو نہیں کرو گے آپ؟---بشارت علی! اچھے اچھے SMS بھیجنے پر بہت بہت شکریہ---...ز خان جگ گگ! کچھ دن پہلے میرے چاچو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا... گگ کے پاس، اب وہ ٹھیک ہیں---جناب بادشاہ! آپ کی بیتابی کا علاج میں نے ڈھونڈ لیا ہے، وہ ہے... ہارون حسرت! PTS میں بڑی مشکل سے آپ سے راہ میں کھڑے کھڑے پانچ منٹ کی ملاقات مجھے اب بھی یاد ہے۔ قسمت دیکھو، بعد میں موقع ہی نہیں ملا---انوار مغل! ابھی جلدی سے ایک نیا میسج بھیج دو---ملک شیر! ایک دن آپ سے فون پر بات ہوئی تھی، بہت اچھا لگا تھا---حنیف گجر! دو ورڈ الفظوں میں تو گجر تھانے کو اپنا گھر سمجھتے ہیں، تے فیر کدی؟---محمود گیلانی! ایک دو دفعہ آپ کو کال کی تو آپ کے بھائی نے ریسیو کی تھی، وجہ؟ کبھی کشمیر آؤں تو ملاقات ہو پائے گی کیا؟---ملک عشرت! عشرت بھائی تم تم ہو؟ اگر تم تم نہیں ہو تو تم کون ہو جی؟---عاشر بھائی! ابھی ابھی آپ کا میسج ملا ہے کہ گند مارنگ تو جناب، گند مارنگ تو ہے---نعیم نیازی! کیسے مزاج ہیں، جناب؟---قاسم تنویر اعوان! آپ کا سندیسہ بہت زبردست تھا، کونسی پنسل سے لکھا تھا؟---شوکت سیال جھنگ! پہلے آپ سے کال پر بات ہو جایا کرتی تھی لیکن اب یہ سب قصے کہانیوں میں رہ گیا---فیصل میرپور کشمیر! کشمیر کی سیر کرنے کا پروگرام بنا رہا ہوں---حنیف بھائی کشمیر! "Comming soon"۔ السلام علیکم---شاہد بھائی! جناب، یہ DIK کا حلوہ صرف سننے سنانے تک مشہور ہے کیا، کھلایا نہیں جاتا؟---ایس ایچ ساغر! دیکھا میں نے آپ کو یاد کیا، چھینک آئی آپ کو؟---مظہر بھٹی ملتان! 9 رمضان المبارک کو ہم ملتان آئے تھے اور مجرم کو پکڑنا تھا۔ اللہ کا شکر ہے، ہمیں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی---محمد طلحہ! کدھر ہو، سامنے آؤ---توصیف احمد! کیا آپ میانوالی سٹی میں جاب کرتے ہو، رہائش کہاں پر ہے؟---اس کے علاوہ، عبدالوحید جھنگ، وسیم شہزاد، ٹاور زن 421، سید ابرار گیلانی، محمد عادل گلزار، صابر مغل، راؤ عامر سندھ، نظام الدین DIK، نصیر احمد DIK، نجیب خان DIK، مشتاق جمالی و عاصم فیصل آباد، جناب شوکت مظفر، عمران ہاشمی، محمد فیضان، محمد کامران شہزاد اور ثاقب ساحل صدیقی کو میری طرف سے بہت بہت زیادہ دلی عید مبارک اور دعا سلام قبول ہو---پروفیسر محمد ظریف اور شاہد انکل کو بھی خصوصی سلام---آخر میں فیصل آباد میں رہنے والی چھنی منی سی گڑیا اور میری سویٹ بہنا ملائکہ عرف ملالا کو بہت بہت سلام اور پیار اور عید مبارک۔

✿ سمیع خان نیازی، موسیٰ خیل میانوالی
موبائل: 0334-7930633

☆

حامد صاحب اور عصمت آپی! کیسے ہیں آپ لوگ؟ امید واثق ہے کہ بخیریت ہوں گے کہ آپ ہی کے دم سے یہ چاند نگر آباد بلکہ کشور حسین شاد باد ہے۔ آپ کے لئے یہ پیارا سا شعر---

ہجوم اتنا ہو تیری زندگی میں خوشیوں کا
کہ غم گزرنا بھی چاہیں تو انہیں راستہ نہ ملے

عرصہ دراز سے میدان ظرافت کے اس اکلوتے شہسوار کا دیوانہ بلکہ مستانہ ہوں۔ آج پہلی بار کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ امید ہے، مایوس نہیں ہوں گا۔ مسٹر ورک سے فارغ ہو کر اپنے اس چہیتے یار کی طرف متوجہ ہوئے مگر تازہ شمارہ تمام دار جس کے یقیناً ہمارے ورجن بھر کرنز کی فوج ظفر موج نے بیچ کر گھوڑے اڑائے ہوں گے یا جہاز بنا کر اپنے انجینئر ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہو گا سو مجبوراً جون کے شمارے سے کام چلانا پڑ رہا ہے۔ تو اب آتے ہیں محفل یاراں کی طرف---مہدی رضا عرف خاص مسٹر ڈیکلاں! کدھر ڈیرے ہیں آجکل؟---بدر سعید! کدھر گم ہو سرکار؟ آپ کی غیر حاضریاں ناقابل برداشت حد سے تجاوز فرما گئی ہیں، جلد حاضری دو ورنہ---کامران شہزاد! سلام اور مزاج کیسے ہیں؟---محمود گیلانی! "ان کے لئے تو آپ کے پاس فالتو وقت ہوتا ہے اور ہمارے لئے نو لفٹ کا لیبل---حنیف گجر! تو سدھر جا---ہارون حسرت جالندھری! آپ کی صبح بخیر سروس پچھلے کچھ عرصے سے تعطل کا شکار ہے، خیریت؟---بابو جان! آفرین ہے بھئی، آپ پر، آپ نے ہر او کے سو کے ویلے ہمیں یاد رکھا---وسیم انکل فرام بہاولپور! کیسے ہیں آپ؟---سمیع اللہ نیازی! کی حال نے خان جی، کدھر گم ہو؟---عمران یوسفزئی اور جہانزیب کریزی! ہم تو آپ کے غائبانہ مرید ہیں اور پھر بھی آپ کی وہی شان بے نیازی۔ اے گلاں چنگیاں نہیں---بشیر حسین شاہ! کی حال نے میرے سوہنے شاہ، آپ کی بڑی بھابی کی وفات کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے---ایس۔ایچ۔ساغر! مزاج کیسے ہیں حضور؟---حبیب اسلم! آداب---انکل نورم! آپ بڑے ہو کر بھی بھول گئے، مرضی ہے آپ کی---سفیان احمد، عادل گلزار، شعبان گیلانی، روح اللہ روح، عزیز عارش اور منظور احمد اعوان! "کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو---" ٹریل N! آپ کو زندہ سلامت دیکھ کر ہم حیرت سے انگشت بدنداں ہیں ورنہ کاکے تو آپ کے گزر جانے کی خوشی میں شرلیاں پٹاخے تک چلا چکے تھے---پروفیسر ظریف خان! آداب عرض ہیں---زاہد حسین! یہ ٹیکنیکل ناک پر تھپا خیریت سے ہے نا؟---شاہد اطہر! شکریہ کہ آپ واپس آ گئے آ... کی تحریروں پر چھوٹنے والی ہنسی کی وجہ سے اکثر اہل... جس میں کہ حفظ شکم کی تمام تر خوبیاں ... ہیں) اکثر ہمارے تعاقب میں سرگرداں پھرتی ہے---خادم حسین مجاہد! آپ خوب جا رہے ہیں---نوید ہ ناز، ایک لڑکی بگل، نوخیز اختر، کیپٹن شمائل، مس بگل، علیزہ ساحل، شہلا، شاہ سسٹرز اور باقی کی تمام چڑیلیں! آپ یہ جیلس کی پالیسی ترک کر کے مفاہمت کی تکمیل پر آ جائیں ورنہ یہ آپ کی صحت کے لئے اچھا نہیں ہو گا اور ویسے میں تمہاری بڑھک مار پارٹی کر بھی کیا لے گی---زاہد محمود! آپ نے اپنی تحریر دو دا... میں ہمارے معزز و محترم صدر کنوار اکلب پیر جنگلی علیہ ماعلیہ سے چھیڑ خانی کی جس پر ہم جملہ دوستاں نا حال نوحہ کناں ہیں۔ خیال رہے، آئندہ ایسی غلطی آپ کے لئے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہے---گزشتہ یوم آزادی اور عید الفطر کی ڈھیروں خوشیاں مبارک ہوں۔ اس امید کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ انشاء اللہ جلد ملاقات ہو گی

✿ کاکوں کا استاد، مسٹر قراڈیا، فیصل آباد
موبائل: 0343-8794100

☆

نوید ظفر کیانی

شوگر سے خطرناک بیماریاں جنم لیتی ہیں

ذیابیطس اور کمزوری قابلِ علاج ہے

شوگر اس صدی کی تمام خطرناک و پیچیدہ مہلک امراض میں سے ایک خاص بیماری ہے۔ موجودہ دور میں شوگر کی وجہ سے لاکھوں افراد زندگی سے ہاتھ دھو چکے ہیں، بیشمار ہنستے بستے گھروں کے چراغ شوگر نے گُل کر دیئے ہیں۔ اس نامراد بیماری کی وجہ سے کسی کے گردے تباہ ہو گئے اور کوئی دل کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا شوگر سے جگر، معدہ، مثانہ، اعصاب اور پٹھے بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔ بوڑھے جوان اور بچے بھی شوگر کی بیماری کی وجہ سے اپنے مختلف اعضاء سے محروم ہو چکے ہیں کسی کو شوگر کی وجہ سے ٹانگ کٹوانا پڑی اور کسی کو بازو یا پاؤں وغیرہ۔ یہ باتیں ملک کے مشہور معالج شوگر اور کمزوری کے اسپیشلسٹ حکیم صاحب نے ایک خصوصی نشست میں بتایئں۔ انہوں نے کہا کہ وہ لوگ جو شوگر سے پہلے اپنے آپ کو مضبوط، صحت مند، طاقتور توانا نوجوان سمجھتے تھے شوگر نے مختصر مدت میں ان لوگوں کو جو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ تھے کمزور کر کے رکھ دیا۔ شوگر والے مریض کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے اور اسے یہ خوف لاحق ہو جاتا ہے کہ اب میری تمام زندگی برباد ہو جائے گی۔ میں کبھی بھی ٹھیک نہیں ہو پاؤں گا۔ شوگر سے جوڑ، اعصاب، پٹھے، دماغ اور اعضاءِ رئیسہ کو بھی بے پناہ نقصان پہنچتا ہے۔ اعصابی، جسمانی اور ذہنی کمزوریاں اور پیشاب کے امراض اس بیماری کی وجہ سے جسم پر اثر انداز ہو کر آدمی کو ضعیف اور لاغر بنا دیتی ہے۔ ماں باپ کے جگر گوشوں کو ان سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیتی ہے اور بہنوں کو بھائیوں سے جدا کر دیتی ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ شوگر لاعلاج نہیں، جو لوگ شوگر کے مرض کو لاعلاج کہتے ہیں وہ قرآن و حدیث کی نفی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کا علاج نہ ہو۔ معالج کا کام ہے کہ وہ مریضوں کو خوف میں مبتلا نہ کرے بلکہ انکی صحیح رہنمائی کرے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں شوگر جیسی خوفناک بیماری میں مبتلا بیشمار مریضوں کا علاج کیا میرے علاج سے بیشمار مریض صحت یاب ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ میں نے شوگر کے مریضوں کو تیر بہدف نسخہ جات سے ٹھیک کیا ہے وہ ادویات مخلوقِ خدا کی بہتری کیلئے شائع کر رہا ہوں تاکہ لوگ میرے نسخہ جات سے استفادہ حاصل کر کے شوگر سے چھٹکارہ پائیں۔ نسخہ یہ ہے: خشک کریلے، گڑمار بوٹی، جوہر جامن، صندل سفید، تخم کاہو، گل ارمنی، جوہر فولاد، گل فارسی، شاہ بلوط، طباشیر نقرہ، سماق، بیضہ مرغ، اقاقیہ، پھول کیکر، تخم ریحان، چھلکا خشک، رگ سداب، تخم تمر ہندی، کوڑ تمہ، ہم وزن پیس کر کیپسولوں میں بھر لیں۔ صبح و شام دو عدد پانی کے ساتھ لیں۔ اس نسخہ سے شوگر کی تمام ادویات معہ انسولین چھوٹ جاتی ہے اور شوگر کا مریض بھی تندرست رہتا ہے۔ جو لوگ شوگر کی وجہ سے اپنے اندر ذہنی، جسمانی، دماغی، اعصابی کمزوری محسوس کرتے ہیں وہ یہ نسخہ استعمال کریں، ہر قسم کی کمزوری، جوڑوں کا درد، کمزور جسم میں طاقت، توانائی پیدا کر کے ازدواجی خوشیوں سے مالا مال کرتا ہے کمزوری کیسی بھی ہو چند ہفتوں میں ٹھیک ہو جاتی ہے۔ نسخہ مندرجہ ذیل ہے: کشتہ چاندی، مروارید، کشتہ مرجان کشتہ زمرد، کشتہ طلاء، کلاں، عنبر، زعفران، کستوری، اجوائن خراسانی، قرنفل 3/3 ماشہ ثعلب مصری 30 گرام، جنسنگ، ریگ ماہی، جوہر کلونجی، دار چینی 20 گرام لیکر کسی مستند قابلِ اعتماد معالج سے تیار کروائیں۔ صبح و شام ایک ایک کیپسول ہمراہ دودھ لیں۔ یہ کمزور جسم میں بے پناہ طاقت پیدا کرتا ہے اور توانائی بحال کر کے جسم کو مضبوط، صحت مند اور طاقتور بناتا ہے۔ نسخہ بنانے میں اگر آپکو کوئی دشواری پیش آئے تو حکیم صاحب سے رابطہ کریں، ہمارا طبی بورڈ فری مشورہ دیگا

شاہی شوگر کورس

- شاہی شوگر کورس کے استعمال سے شوگر کا مرض مستقل ٹھیک ہو جاتا ہے
- ذیابیطس شکری آنے میں مفید ہے
- چند دن استعمال سے **انسولین** سے چھٹکارہ

لبلبے کے افعال کو بہتر کر کے انسولین کی پیدائش میں اضافہ کرتی ہے ❁ دورانِ خون بہتر بناتی ہے، ذیابیطس سے پیدا شدہ امراض، خرابی خون اور عمومی کمزوری کا ازالہ کرتی ہے۔ ادویات بذریعہ ڈاک روانہ کی جاتی ہیں۔

0333-5203553

نوید ظفر کیانی

تیس روزہ

زندہ دلان پاکستان کا اکلوتا قہقہہ بار

چاند

جلد 64 ☆ شمارہ 04 ☆ 2011 ☆ رجسٹرڈ نمبر CPL-192 ☆ موبائل نمبر 0312/0333-4284875

سرکاری ملازم بیوی کا پرائیوٹ فرم میں ملازم خاوند

فیشن زدہ اور فضول خرچ بیوی کا خاوند